پاسبانِ ملت خطیبِ مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات اور کارناموں پر مشتمل

ایک مبسوط تحقیقی و تاریخی کتاب

خطیبِ مشرق

حیات و خدمات

مولانا ناصر انجم مصباحی

استاذ دارالعلوم غریب نواز - الٰہ آباد ۳

دارالمصنفین دارالعلوم غریب نواز الٰہ آباد

نام کتاب	خطیب مشرق حیات و خدمات
مصنف	مولانا ناصر انجم مصباحی
کاتب	احسن الخطاط مولانا عبدالمنان برکاتی الہ آباد
سرورق	سردار صاحب منہاج پور الہ آباد
ناشر	دار المصنفین دار العلوم غریب نواز الہ آباد
مطبع	چارمنگ آفسیٹ پرنٹرس اٹرہ شاہ اجمل الہ آباد
بار اوّل	گیارہ سو سنہ ۱۹۹۲ء

قیمت ۳۰ روپیہ۔

غوثیہ پبلشر مرزا غالب روڈ الہ آباد ۳

ملک کے تمام سنّی مرکاتب اور کتبخانوں سے

یہ کتاب حاصل کی جا سکتی ہے

فہرست ابواب

تہدیہ

اپنے ان تمام اساتذہ اور بزرگوں کی بارگاہ میں جنکے فیضانِ علمی اور سایۂ عاطفت نے مجھے کسی لائق بنایا۔ (ان حضرات) کے الطاف و عنایات کے دروازے مجھ پر ہمیشہ کھلے رہے۔

مثلاً

نائب مفتی اعظم ہند حضور مفتی شریف الحق امجدی صاحب قبلہ اعظمی

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی

محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفےٰ قادری صاحب قبلہ، اعظمی

شیخ التفسیر حضرت علامہ عبد اللہ خاں عزیزی صاحب قبلہ، گونڈہ

جامع معقول و منقول حضرت علامہ عبد الشکور صاحب قبلہ پلاموں

ماہر علوم و فنون حضرت علامہ نصیر الدین صاحب قبلہ پلاموں

ادیب شہیر حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب قبلہ اعظمی

شیخ الادب حضرت علامہ افتخار احمد قادری صاحب قبلہ اعظمی

وغیرہ

اَدَامَ اللہُ ظلالہم العالیۃ و فیوضہم الغالیۃ

نثار کرنے کو لائیں کہاں سے تجھ پہ خوشی
یہی ہیں کچھ غمِ پنہاں بچے بچائے ہوئے

نیاز مند: ناصر انجم مصباحی
خادم التدریس دار العلوم غریب نواز الہ آباد
فون نمبر ــــ 604425

ہدیۂ تشکر

عزت مآب حضرت الحاج شیخ سلطان اختر صاحب رضوی رئیس بمبئی کے ہم مشکور ہیں کہ ہماری صدا ان کی بارگاہ میں صدا بصحرا ثابت نہیں ہوئی — یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے انھیں کی رہین منت ہے۔

عزت مآب! حضرت پاسبان ملت علیہ الرحمۃ و الرضوان کے عزیز ترین دوست ہیں۔ سچ پوچھئے تو انھوں نے اس کتاب کو چھپوا کر اپنی دوستی کا حق ادا کر دیا۔ اب موصوف دار العلوم غریب نواز کے سرپرست اعلیٰ ہیں۔

پروردگار عالم اس خانوادے کو ہر آسیب روزگار سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

انوار احمد نظامی

ناظم اعلیٰ دار العلوم غریب نواز

الٰہ آباد یوپی

تقریظ

شارح بخاری، نائب مفتی اعظم ہند، حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی دامت برکاتہم

صدر دار الافتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ ابداً

آپ کے ہاتھوں میں "خطیب مشرق" علامہ مشتاق احمد نظامی صاحب رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کی سوانح کے چند اوراق ہیں جنھیں عزیز گرامی جناب مولانا ناصر انجم مصباحی زید مجدہم استاذ دار العلوم غریب نواز نے بہت محنت اور عرق ریزی سے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب ایسے وقت میرے پاس لائے کہ میں اختلاج اور دوران سر کی وجہ سے کسی کام کے لائق نہ تھا۔ مگر چونکہ یہ الٰہ آباد سے اس کتاب پر میری رائے لکھوانے کے لئے شد رحال کر کے آئے تھے اس لئے ہمت کر کے جستہ جستہ کہیں کہیں سے میں نے اسے پڑھا۔ عنوانات دیکھے اور ان کے تحت واقعات وشواہد پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔

اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے اس کے پیش نظر یہ کہہ سکتا ہوں کہ جناب مولانا ناصر انجم مصباحی صاحب نے اپنی وسعت بھر اس کی پوری کوشش کی ہے کہ خطیب مشرق کی زندگی کے اہم پہلو اور ان کے حلیۂ جمال کے تابناک نقوش اچھی طرح اجاگر ہو جائیں۔ اور میرا اندازہ ہے کہ وہ اسمیں بہت حد تک کامیاب ہیں۔

اگر کسی کے حالات پر پہلے سے لکھی ہوئی کتابیں موجود ہوں تو انکی سوانح عمری مرتب کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ بخلاف کسی نامور، آفاق گیر

شخصیت کی ابتدائی سیرت نگاری کے ـــــ چند کتابوں کو سامنے رکھ کر ان کو جمع کر دینا اتنا مشکل نہیں جتنا یہ کہ کسی شخص کی داستانِ حیات جو پوری دنیا سے متعلق ہو جس کا رابطہ ایک عالم سے ہو جو مشائخ و اساتذہ کا بھی محبوب ہو، ہمعصروں میں بھی عزیز ہو، جو اپنے چھوٹوں کا ملجا و ماوی ہو، جو کروڑوں افراد کا مرجع عقیدت ہو، جس نے ملک کے کونے کونے میں فیض کا دریا بہائے ہوں۔

اس خصوصی نکتے پر جب نگاہ ڈالی جائے تو مولانا ناصر انجم مصباحی زید مجدہم کا یہ کارنامہ بہت عظیم کارنامہ نظر آنے لگتا ہے۔

الفضل للمتقدم

علامہ نظامی نام تو ایک فرد واحد کا ہے مگر حقیقت میں وہ فرد واحد نہ تھے۔ پوری انجمن تھے جو اپنے جلو میں علم و فضل، سیاست و تدبر، ارشاد و تبلیغ، کردار و گفتار، عزم محکم اور جہد مسلسل کی ایک دنیا آباد کئے ہوئے تھے۔ پیدا تو الہ آباد میں ہوئے مگر ان کے فیض کا بادل پوری دنیا پر مسلسل نصف صدی تک برستا رہا۔ شہر تو شہر قصبات تو قصبات دیہات تک جن سے بہرور ہوئے تھے۔ جس کے کام کی نوعیت ایک دو نہ ہو وہ ہر میدان کا شہ سوار اور ہر طبقے کا قائد ہو، ایسی ہمہ گیر، پورے آفاق میں پھیلی ہوئی، پورے آفاق پر چھائی ہوئی شخصیت کی پہلی سوانح نگاری کے لئے سوانح نگار کو کتنا پاپڑ بیلنے پڑے ہوں گے۔ کتنے ہفت خواں سر کرنے پڑے ہوں گے یہ وہی جان سکتا ہے جس نے اسمیں کبھی قدم رکھا ہو گا۔ میں تو نہیں کہہ سکتا کہ فاضل سوانح نگار نے علامہ نظامی صاحب کے تعارف کا حق ادا کر دیا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ انھوں نے علامہ نظامی کی خدمت میں عقیدت و خلوص کا ایسا تحفہ پیش کیا ہے جو سب

پر بھاری ہے۔
بلکہ ہم اہلسنّت پر عائد ایک فرض کفایہ کو ادا کر کے سبکدوش کر دیا ہے۔ یہ ان کا ہم سب ہی پر احسان ہے کتاب آپ کے پیش نظر ہے اسے پڑھیئے تو آپ کو خود یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ مبنی بر حقیقت ہے، جس طرح یہ کتاب علامہ نظامی صاحب کی پہلی سوانح عمری ہے اسی طرح سوانح نگار کی پہلی تصنیف ہے مگر اس کے باوجود دلنشیں اسلوب بیان، حسن ترتیب، موضوع پر سیر حاصل گفتگو وغیرہ صوری و معنوی اعتبار سے یہ کتاب بہت سے نقش ثانی سے درجہا بہتر ہے۔

میری دعا ہے کہ قادر و قیوم اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور طفیل میں اس کتاب کو عوام و خواص سب میں مقبول بنائے اور مصنف کو اس کی بہتر جزا عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

علامہ نظامی صاحب کی سیرت مرتب ہو گئی اور وہ بہت جلد منظر عام پر آ بھی جائے گی۔ یہ ان کے عقیدت کیشوں پر ایک قرض تھا جو ادا ہو گیا۔ مگر مجھے دو باتیں خصوصیت سے عرض کرنی ہے۔

علامہ نظامی صاحب کی بے شمار یادگاروں میں سے ان کی دو سب سے عظیم و اہم یادگاریں ہیں۔ ایک دارالعلوم غریب نواز دوسرے ان کی تصنیفات

انھوں نے یکہ و تنہا دارالعلوم غریب نواز قائم فرمایا، زمین خریدی سہ منزلہ فلک بوس عمارت بنوائی۔ اور انتہائی قابل ذی استعداد، مخلص قناعت پسند مدرسین بھی بھیل کئے۔ جس کا نتیجہ ہے کہ دارالعلوم غریب نواز تشنگان علوم دینیہ کا مرجع عقیدت ہے۔ اس دارالعلوم کے فارغ علماء حفاظ اور قراء ملک کے گوشے گوشے میں علم دین کی نشر و اشاعت میں

مصروف ہیں۔ میری یہ آرزو ہے کہ ان کا یہ باغ صبح قیامت تک یوں ہی پھولتا پھلتا رہے۔ اور علامہ نظامی کا یہ چشمۂ فیض رہتی دنیا تک تشنگان علوم دینیہ کا مرجع رہے۔ اب تک کے حالات سے میں پر امید ہوں کہ اسمیں کوئی کمی نہ ہو گی۔ علامہ نظامی صاحب کی مردم شناس نظروں نے اس کی نظامت کے لئے جناب مولانا انوار احمد نظامی زید مجدہم کا انتخاب بلا وجہ نہیں کیا تھا۔ اب ان کے بعد ان کے جوہر کھل رہے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ انھوں نے علامہ نظامی صاحب کی امانت کا پورا پاس و لحاظ کیا۔ اور ان کے بعد بھی اس کی آن بان شان کو جوں کا توں رکھا اور انشاء اللہ آئندہ بھی یہی ہو گا۔ مجھے ان سے کچھ نہیں کہنا ہے البتہ علامہ نظامی صاحب کے کروڑوں عقیدتمندوں سے کہنا ہے کہ علامہ نظامی صاحب کی بارگاہ میں آپ کا انتہائی وقیع تحفہ یہ ہو گا کہ دار العلوم غریب نواز ان کی امیدوں کے مطابق دائم باقی رہے۔

علامہ نظامی صاحب کی تصنیفات سے شکایت کی حد تک بے اعتنائی برتی جا رہی ہے ان کی طباعت بند ہے میری اپیل ہے کہ ان کے ارادتمند اس طرف خصوصی توجہ دیں اور ایسی سبیل پیدا کریں کہ انکی اشاعت کا غیر مختتم سلسلہ قائم ہو جائے۔ تصنیفات میں ان کے خون جگر کی آمیزش تو ہے ہی یہ انکے اعلیٰ دماغی و ذہنی کاوشوں کے در شاہوار ہیں انھیں ضائع کرنا ایک طرح سے علامہ نظامی صاحب کو ضائع کرنا ہے اسلئے اس سے تغافل برتنا کسی طرح روا نہیں ہو سکتا۔ میری دعا ہے کہ علامہ نظامی صاحب کے متوسلین میری اس صدا کو صدا بصحرا نہ ہونے دیں گے اللہ عزّ وجل توفیق خیر عطا فرمائے۔ آمین

محمد شریف الحق امجدی

۱۴ صفر ۱۴۱۳ھ / ۱۴-۸-۱۹۹۲ء

رائے گرامی

بحر العلوم قائد ملت حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ
اعظمی صدر المدرسین دار العلوم اہلسنت شمس العلوم گھوسی مئو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

• خطیب مشرق، پاسبان ملت حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند پایہ عالم، شعلہ بار مقرر اور مقبول ترین مصنف تھے۔

انھوں نے ایک عظیم الشان دار العلوم کا منصوبہ بنایا، خود ہی اس کی ابتدا کی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ اور اسی پر بس نہیں مدت العمر پورے ہندوستان میں بہت سے دار العلوموں کے سرپرست، نگراں، اور مربّی تھے۔

"سنّی تبلیغی جماعت" کے تو وہ فاؤنڈر رہتے۔ اہلسنّت وجماعت کی دیگر بے شمار تنظیمی، سیاسی، مذہبی سوسائٹیوں میں سے کسی کے صدر، کسی کے سکریٹری اور دیگر ذمہ دار عہدوں پر عمر بھر فائز رہے۔

اخیر میں انھوں نے بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا تھا۔ جس کا پھیلاؤ ہندوستان ہی کی طرح وسیع وعریض تھا۔ رحمتہ واسعۃ موفورۃ۔

ان فضائل اور فواضل کے ساتھ ساتھ قدرت نے انھیں متعدد وہبی خوبیاں بھی عطا کی تھیں۔ خلقۃً وہ نہایت دل کش شخصیت کے مالک تھے اور قدرت نے انھیں تسخیر قلوب کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا۔ اپنے بزرگوں کے ساتھ حسن ادب اور نیازمندی ان کی جبلّت تھی۔ اور چھوٹوں کی بھرپور پیار

اور شفقت سے اپنے ساتھ سمیٹے رہنا ان کا وصف خصوصی تھا اور معاصرین میں وہ ہمیشہ مرغوب و محبوب رہے۔ حفہ اللہ بالغفران واسکنہ بحبوبۃ الجنان۔

تقریباً نصف صدی تک وہ سنی جلسوں کے افق پر چھائے رہے اور اخیر عمر تک لمحہ بھر کے لئے بھی ان کا سورج غروب نہ ہوا۔ اس طرح وہ اپنے کردار سے ثابت کر گئے کہ بقائے دوام اور قبول عام کے لئے کسی قسم کی مداہنت اور صلح کلیت کی ضرورت نہیں۔ تصلب فی الدین کی دولت ہی فتح و کامرانی کی کلید ہے۔ ان کا سانحۂ ارتحال بلاشبہ ایک عظیم خسارہ ہے۔

وما کان قیس فقدھا فقد واحد　　ولکنّہ بنیان قوم تہدّما

للہ ما اعطی ولہ ما اخذ ولا نقول الا ما یرضی ربنا

انّا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا ناصر انجم مصباحی صاحب نے (جو مولانا مرحوم کی آغوش تربیت کے پروردہ، اخیر زندگی میں انھیں بہت قریب سے دیکھنے والے ہیں۔ نیز مولانا انوار احمد صاحب نظامی مہتمم دار العلوم غریب نواز الہ آباد کے قریبی عزیز ہیں جو حضرت خطیب مشرق کی زندگی بھر کے رفیق اور تمام جدوجہد میں ان کے ہمدم و ہمقدم رہے) آپ کی سیرت پر ایک متوازن کتاب تالیف فرمائی ہے۔ کتاب کو میں کہیں کہیں سے دیکھ سکا جس سے یہ اندازہ ہوا کہ یہ کتاب حضرت مولانا کی حیات سے متعلق سارے ہی عنوانات کی جامع ہے اور ایجاز مخل و اطناب ممل سے پاک و صاف ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے بھی ایک سلجھی ہوئی تحریر ہے۔

مولانا ناصر انجم مصباحی ہم تمام اہلسنت و جماعت کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ہم سب سنیوں کے سر سے حضرت مرحوم کا یہ قرض اتارنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول عام عطا فرمائے اور اسکے نفع کو عام و تام کرے۔

عبد المنّان اعظمی شمس العلوم گھوسی ضلع مئو۔ ۱۸ صفر ۱۴۱۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انسانی معاشرہ کی رہبری کے لئے ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی قائد اللہ تبارک وتعالٰی کے حکم سے منصۂ شہود پر آتا رہا۔ اور انسانیت کے تاریک ماحول کو شمع ہدایت بن کر روشن کرتا رہا۔ خواہ وہ انبیاء ورسل کی مقدس جماعت ہو یا صحابہ وتابعی اور محدثین کا مبارک طبقہ، فقہاءِ امت کی قابل احترام ہستیاں ہوں یا اولیاء اللہ اور علمائے متبحرین کا نورانی قافلہ اور اسی کے ساتھ اس کا بھی لحاظ رکھا گیا کہ جس دَور کا انسان جس طرح کی گمرہی میں مبتلا تھا اس کے استیصال کے لئے کسی ایسی ہی شخصیت کا انتخاب کیا گیا جو حالات اور تقاضوں کے مناسب ہو، جو اپنی حکمت ودانائی، اور فراست وبصیرت سے اس گمرہی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔

چنانچہ جس وقت ہندوستان کی بد دین اور گمراہ جماعتیں مسلکِ اعلیٰ حضرت پر ہزاروں بے بنیاد الزام لگا رہی تھیں اور علمائے حق پر طعن وتشنیع کی بوچھاریں ہو رہی تھیں۔ کبھی میلاد وقیام پر حملہ، کبھی عرس دنیاز کا استہزاء، کبھی ختم نبوت سے انکار، کبھی علم غیب نبی سے انحراف، غرض کہ فسق ونفاق، توہین رسول، تحقیر اولیاء، امکانِ کذب باری تعالیٰ، جیسی بدعقیدگی اور گمرہی کا ایک سیلاب خوش عقیدہ مسلمانوں کو اپنے گرداب میں لے لینا چاہتا تھا ایسے پر فتن حالات میں قوم کا ایک مسیحا، ملت کا پاسبان، علم وفن کا آفتاب شمالی ہند اتر پردیش کے اُفق سے نمودار ہوا جسے دنیائے عقیدت ومحبت **مشتاق احمد نظامی** سے جانتی پہچانتی ہے۔

حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی درسگاہ علم وفن کے فیض بخش مدرس بھی
تھے۔ اور خطابت کے رمز آشنا تکلموا الناس علی قدر عقولہم کے مصداق بے بدل
خطیب بھی، میدان مناظرہ کے برق رفتار شہ سوار بھی تھے، تو صحافت کے
پختہ کار ژرف نگار اور فکر انگیز تاجدار قلم بھی، جماعت کے دوراندیش، روشن ضمیر
اور انقلاب آفریں مفکرؔ بھی تھے تو قوم وملت کی تعمیر کے بے ریا معمار اور نقیب
بھی، محفل شعر وادب کے مسند نشین بھی تھے تو یاران نکتہ داں کے میر مجلس بھی، حق
کے لئے شبنم کے قطروں کی مانند حساس ونرم بھی تھے تو باطل کے لئے آتش فشاں
پہاڑ بھی، ایثار وقربانی کے پیکر جمیل بھی تھے تو ناقابل تسخیر جرأت وہمت کے حامل
بھی، غرض کہ موصوف کی ایک زندگی میں کئی زندگیاں جمع ہو گئی تھیں گویا باری تعالیٰ
نے انھیں حالات اور تقاضوں سے نبرد آزما ہونے کیلئے رنگ برنگی صفات
اور نوع بنوع محاسن کا مجموعہ بنا دیا تھا۔

جب وقت کا یہ مجاہد ملت کا پاسبان اپنی ہمہ گیر صفات سے لیس ہو کر
رزمگاہ حق وباطل میں اترا تو اپنی پوری مبارک زندگی میں ہر خطرہ ہر رکاوٹ
سے بے پرواہ ہو کر کئی جہتوں سے دین وسنیت کا مردانہ وار دفاع کیا۔ اور اس
انداز سے تبلیغ دین متین کی، اور اس سوز ودردمندی سے اسلامی ایمان و
عقائد اور عشق رسول کے مشن کو فروغ دینے کے لئے سرفروشانہ وجانبازانہ
کارنامے انجام دیئے کہ وہ تاریخ کا ایک زریں باب بن گیا۔

اپنی تمام تر علمی، فکری اور فنی صلاحیتوں سے باطل پرست کی مغرور گردنوں
کو اپنے قدموں میں جھکا دیا، باطل شکنی اور احقاق حق میں وہ مقام حاصل کیا۔
جہاں پہنچ کر پوری کائنات ادری نے اپنی جبین عقیدت خم کر دی، ان کی زبان قلم
نے مذہب کے دامن تقدس پہ رینگتے ہوئے جراثیم کو دور کرنے میں خوردبین کا
کام کیا اور نہ جانے ملت فروشی کی کتنی مجرمانہ ذہنیت کو بے نقاب کیا، ان کے

ایمان وعقیدے کی دولت کو دنیا بھری تجوریوں سے بھی نہ خرید سکی، نہ ہی باطل قلم کی نوک و پلک اور شمشیر باطل کی دھار انھیں دبانے میں کبھی کامیاب ہو سکی مسلک کی فکر کو اپنا ہمدم وہمقدم بنایا، اپنے جلو میں عشق رسول کی خوشبو لے کر اسلامیان ہند کے دل و دماغ کو مہکایا، اور ان کی ذات بابرکات سے نہ جانے کتنے انسان قعر ضلالت وگمرہی سے نکل کر اوج ہدایت پہ پہنچے۔

وقت کی ایسی ہمہ گیر شخصیت کی تاریخ ساز زندگی اور کارناموں پر یہ فقیر راقم الحروف کچھ خامہ فرسائی کرے گا سوچا بھی نہیں تھا لیکن الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے فراغت کے بعد برسوں سے میں دار العلوم غریب نواز الہ آباد میں تدریسی خدمات انجام دے رہا ہوں خوش قسمتی سے اس درمیان میں نے نہ صرف ان کی زندگی کو قریب سے دیکھا بلکہ ان کی بہت سی خداداد صلاحیتوں کو بھی محسوس کیا۔ ان کی شبانہ روز کی علمی، تبلیغی اور فکری کاوشوں اور جانکاہیوں کے بے شمار لمحات بھی دیکھے اسلئے میں نے محسوس کیا کہ اگر وقت کی ایسی اہم ترین اور باکمال ہستی کو صفحۂ قرطاس پہ نہ لایا گیا اور اسلام کے صفحۂ تاریخ سے نظر انداز کر دیا گیا تو یہ ہماری ہی نہیں پوری قوم وجماعت کی بہت بڑی بدنصیبی اور ناحق شناسی ہوگی دراصل تاریخی نقطۂ نظر سے علامہ نظامی کی زندگی مسلمانوں کے لئے بنیادی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یہ اسلام وسنیت کی عظیم المرتبت شخصیت حضرت خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی کی صرف تاریخ و واقعات اور ان کی سوانح عمری ہی نہیں بلکہ ہمارے لئے ان کی علمی زندگی کے وہ تابناک نقوش ہیں جن کی یاد نہ صرف یہ کہ مدتوں ہمارا حوصلہ بڑھاتی رہے گی بلکہ ہماری مردہ رگوں میں حرکت وعمل کی برقی لہر دوڑاتی رہے گی اور جن کی سخت گیر پالیسی ہر جماعت کے حق میں زریں دستور بنے گی۔ کرم گستر علامہ بدر القادری مصباحی ہالینڈ کا یہ جملہ اسکی اہمیت کا صحیح تصور پیش کرتا ہے:۔

ان کا تو لمحہ لمحہ محفوظ رکھنے کے لائق ہے

زیرِ نظر کتاب 'خطیب مشرق' کا وجود مسعود اسی داعیہ کا ثمرہ ہے۔ میری بساط ہی کیا کہ میں اپنی اس مختصر تحریر میں ایسی ہمہ جہت شخصیت کی تاریخ کو گھیر سکوں۔ البتہ میں نے اس کی ترتیب میں کمیت سے صرف نظر کرتے ہوئے کیفیت کا زیادہ لحاظ رکھا ہے تاکہ، علامہ نظامی کی زندگی اور کارناموں کی زیادہ سے زیادہ تفصیلات اپنے اندر سمو سکے اور ان کے لئے بہت سے عنوانات کا ماخذ بھی بن سکے، یہی وجہ ہے کہ اسمیں جتنی بھی روایات و واردات پیش کی گئی ہیں وہیں ان کے ماخذ و مراجع بھی ذکر کر دیئے گئے ہیں تاکہ وہ عقل و نقل کی کسوٹی پہ کھرے اتر سکیں۔ میں یہ دعویٰ غلط تو نہیں کرسکتا کہ میری یہ کتاب علامہ کی حیات وخدمات پر حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے البتہ اس کتاب کو پڑھنے والا اپنے ایک محسن و پاسبان کو مشتاق احمد نظامی کے پیکر میں اپنے روبرو ضرور پائے گا جس نے جوانی سے بڑھاپے تک قوم وملت کی خدمت گذاری کے لئے خود کو وقف کر دیا تھا۔

کرم فرمائی و ذرہ نوازی ہے۔ شارح بخاری حضور مفتی شریف الحق امجدی صاحب قبلہ اور استاذ گرامی بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب قبلہ اعظمی کی جن کی بارگاہ میں جب یہ کتاب لے کر میں حاضر ہوا تو انھوں نے اپنا قیمتی وقت دے کر نہ صرف یہ کہ اس کتاب کو دیکھا بلکہ اصلاح و نشاندہی کے ساتھ اپنے گرانقدر خیالات و تاثرات سے بھی سرفراز کیا جن سے اس کتاب کی وقعت و اہمیت میں چار چاند لگ گیا۔ ان بزرگوں کا مجھ پر یہ ایسا احسان ہے جسکے صلہ کے لئے میری کم مائیگی حیران ہے۔

ع بریں لطف گر جاں فشانم رواست

یہاں میرے عم مکرم اور مشفق و مہربان ناشر العلوم، مؤید دین وملت

حضرت مولانا انوار احمد نظامی، مہتمم و ناظم دار العلوم غریب نواز کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر ایک ایسا فریضہ ہے جس سے میں چند الفاظ شکر کے ذریعہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

خطیب مشرق کی ترتیب کیلئے جوان کی ہمدردانہ ومخلصانہ ترغیب و رہنمائی مجھے حاصل رہی اور اس کی طباعت واشاعت کی ذمہ داری دار المصنفین دار العلوم غریب نواز الہ آباد کی جانب سے قبول کر کے ایک ایسا بوجھ ہلکا کر دیا۔ جس کے اظہار شکر کے لئے چند رسمی الفاظ کا سہارا لینا کافی نہ ہوگا۔ ان کی یہ خرد نوازی وحوصلہ افزائی ہمیشہ میرے دل پہ نقش رہے گی۔

بڑی ناسکری ہوگی اگر ان سطروں میں مخدوم محترم مولانا سید اکمل اجملی نائب سجادہ نشیں دائرہ شاہ اجمل الہ آباد کا ذکر نہ کیا جائے جنھوں نے مشفقانہ جذبوں کے ساتھ اپنے وقت کا ایک حصہ میرے لئے وقف کر دیا۔ یوں ہی میں ممنون ومشکور ہوں فاضل محترم احسن الخطاط مولانا عبد المنان برکاتی صاحب کا جنھوں نے اس کی کتابت میں فنکارانہ کردار کا مظاہرہ کیا۔

مجھے قارئین کرام کے اخلاق کریمی سے یہ امید ہے کہ زیر نظر کتاب "خطیب مشرق" کی ترتیب میں آپ کو جو خامیاں محسوس ہوں ان پر طعنہ زن ہونے کے بجائے پوری سنجیدگی کے ساتھ ان سے ہمیں مطلع فرمائیں گے۔ تاکہ آئندہ اشاعت میں ان کا ازالہ کیا جا سکے۔ ؎

جہاں بھولوں بتا دے تو بہک جاؤں ہدایت کر
جو ہو لغزش تو مجھ کو تھام میرا مہرباں ہو کر

خلوص کار ناصر الجسم مصباحی
خادم دار المصنفین و استاذ دار العلوم غریب نواز - الہ آباد ۳
۲۸ صفر ۱۴۱۳ھ / ۲۸ اگست ۱۹۹۲ء

ابتدائی حالات

کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی،
کس بے کمال ہیچ نہ گردد عزیز من

❋ سراپا

❋ ولادت

❋ نام و نسب

❋ تعلیم و تربیت و اساتذہ

❋ ذہانت اور ذوق علم

❋ ہم عصروں میں سبقت کی چنگاری

❋ فراغت

❋ نکاح

سراپا

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دِل می کشد کہ جا اینجاست

سر ــــ بڑا۔ مدوّر

چہرہ ــ بیضوی اور نورانی۔ گولائی لئے ہوئے۔
حسن صورت اور حسن سیرت کی کھلی تفسیر۔

پیشانی ــــ چوڑی، بلند، چمکتی، دمکتی ہوئی۔ جس پر اسلام کی عظمت کی لکیریں روشن تھیں۔

چشم ــــ سیاہ و سفید، بے داغ۔ نظریں جھکی ہوئیں جو حقائق کی گہرائی تک پہنچنے میں بے مثال تھیں۔

بینی ــــ اونچی۔ جس نے دین و ملت کے ہر مورچے پر اسلام دشمن عناصر کو ناکوں چنے چبوا دیئے۔

لب ــــ پتلے۔ سرخی مائل

دہن ــــ باعتدال فراخ

زبان ــــ جو تاحیات توحید و رسالت کے متن کی حاشیہ نگاری کرتی رہی اور جسکے لئے کہیں پتھر اور کہیں پھول برسائے۔

آواز ــــ گھن گرج اور کھنک دار۔ جب نکلتی تو اہل ایمان کے لئے لالہ کے جگر کی ٹھنڈک اور باطل کے لئے دہکتا ہوا انگارہ پیدا کرتی۔ اور اگر تیور میں آتے تو ایسی غراہٹ کہ گویا:

نکلا ڈکارتا ہوا صنیغم کچھار سے

رخسار ـــ بھرے بھرے۔ جسمیں سرخی کی جھلک تھی۔

ریش ـــ مسترسل۔ کچھ گھنی۔ سیاہ وسفید۔

سینہ ـــ کشادہ جس پر گھنے بال۔

دِل ـــ صاف وشفاف خشیتِ الٰہی اور عشقِ رسول کا گنجینہ جسمیں قوم کا درد۔ اور مسلک وملت کی تعمیر وترقی کی فکر تھی۔

قدم ـــ راہ حق پر گامزن۔ اور ہر منزل پر محتاط۔

قد ـــ مائل بہ دراز

بدن ـــ متناسب۔ چھریرا۔

فکری اساس ـ فلسفیانہ، محققانہ جو اپنی خدا داد ذہانت وطباعی کی بنیاد پر۔ یاران نکتہ داں کا میر مجلس تھا۔

لباس ـــ دوپلیہ ٹوپی سفید کرتا کلی دار گھٹنوں سے نیچے تک۔ پاجامہ کھلتا ہوا سوتی۔ صدری برسوں کی سلی سلائی جس کی جیب میں آل انڈیا ٹائم ٹیبل اور کاغذات کا پلندہ لنگی نارنجی یا عنابی رنگ کی سوتی۔

عصا ـــ لکڑی کا منقش۔ یا "بینت" کا۔

پاپوش ـــ جے پوری ناگرہ۔

یہ ہے اس نابغۂ روزگار ہستی کا سراپا جو اپنوں کے لئے ریشم سے بھی نرم اور غیروں کے لئے سیف مسلول تھا۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ولادت

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

الہ آباد کو ہمیشہ سے مذہبی حیثیت حاصل رہی۔ یہ بیک وقت مذہبی مقام بھی رہا۔ اور گہوارۂ علم و ادب بھی۔ دو دریاؤں کے بیچ آباد یہ خوبصورت شہر اپنی نوع بنوع صفات کے باعث ہمیشہ باعث کشش رہا۔

تاریخ قدیم کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کا پرانا نام "پریاگ" تھا۔ جس کے معنی مہابھارت میں "قربان گاہ" کے بتایا گیا ہے۔ رامائن وغیرہ میں پریاگ کی عظمت و تقدس کے گیت گائے گئے ہیں۔ ہندو دھرم کے نقطۂ نظر سے یہ مقام تمام استھانوں پر فضیلت رکھتا تھا۔ مغلیہ بادشاہوں کے زمانے میں جلال الدین اکبر نے اس کو از سر نو آباد کیا اور اس کا نام "الہ آباس" رکھا جو عہد شاہجہانی میں الہ آباد ہو گیا۔ گنگا اور جمنا کا ملاپ اور تیسرے دریا کا زمین سے نکلنے والا مقام "سنگم" کے نام سے مشہور رہا۔

اہل ہنود یہاں غسل کرنا باعث نجات حتیٰ کہ خودکشی کرنا بھی سرمایۂ افتخار تصور کرتے ہیں۔ اسی سنگم کے بالمقابل عہد اکبر کا ایک آہنی قلعہ ہے جس کی دیواروں پر گنگا اور جمنا کی لہریں سر پٹکتی رہتی ہیں۔ نہ جانے یہ کس کے غم میں ماتم کر رہی ہیں اور کب تک ماتم کرتی رہیں گی۔ یہ قلعہ بھی عہد مغلیہ کی تعمیری صنعتوں کا ایک نمونہ ہے جس کے بارے میں مشہور رہے کہ قلعہ سے زمین دوز ایک سرنگ دلی لال قلعہ تک جاتی ہے۔

اکبر نے شہر الہ آباد کی بنیاد ڈالی اور سنگم کے قریب دریائے جمنا کے کنارے سنہ ۱۵۸۳ھ میں یہ قلعہ تعمیر کیا۔ اور مع پریاگ کے اس شہر کا نام الہ آباس کر دیا۔

اب دریا کے مغربی علاقہ اور کڑے کے بیچ میں یہ مقام اہمیت کا حامل ہوا۔ شاہجہاں نے بھی اس علاقے پر خاص نظر رکھی۔ اس کے بیٹے دارا شکوہ نے دارا گنج کی بنیاد ڈالی اور پھر اس مقام کی اہمیت بڑھتی گئی۔

حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادی جیسے عظیم المرتبت بزرگ اور شیخ کبیر نے اس علاقہ کے مشرقی حصے کو اپنی تبلیغ کے لئے منتخب فرمایا۔ آپ وحدۃ الوجود کے ماننے والے اور اپنے دور کے قطب تھے۔ صدر پور ضلع خیر آباد میں ایک فاروقی خاندان میں پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب حضرت شیخ فرید گنج شکر سے ملتا ہے۔ شیخ نظام الدین فاروقی ابوسعید گنگوہی کے مرید و خلیفہ تھے۔ پیر طریقت کے حکم پر الہ آباد کو وطن ثانی بنایا۔ اور حضرت محی الدین ابن عربی کے عقیدہ کو ترویج دی۔ اور لاتعداد کتابیں لکھیں۔ [1]

اس شہر کو متعدد اولیاء اور صوفیاء کرام نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز کیا اور تبلیغ کی مثالیں قائم کیں۔ یہاں کے چپہ چپہ پران بزرگوں کی خانقاہوں کے قیام نے گہرا اثر ڈالا۔ اور دیکھتے دیکھتے یہ ظلمت کدہ بقعۂ نور بن گیا۔ الہ آباد کی تعریف میں سید شاہ محمد اجمل الہ آبادی رقم طراز ہیں: ؎

عجب شہر و عجب وادی عجب جا، بود دلچسپ از قد زیبا
مقام اولیاء اللہ اینجا ست، کہ ذکر حق بہر سو یک کوچہ غوغاست

الہ آباد کی قدیم آبادی دریائے گنگا کے مشرقی جانب ایک جگہ "پرستھان پوری" کے نام سے مشہور تھی جو اب جھونسی قدیم کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں ایک خود سر راجہ اور اس کے ورثاء راج کرتے آئے تھے عہد خلجی میں اس سرزمین پر سب سے پہلے تشریف لانے والے بزرگ حضرت سید شعبان الملت ہیں جنھیں حضرت مخدوم سید شاہ منہاج الدین نے جھونسی کی طرف بھیجا۔ اور آپ نے یہاں آکر راجہ "دھر لونگ" سے جہاد کیا اور اپنی انگلیوں کے اشارے سے راجہ کے قلعہ سمیت پوری جھونسی کو الٹ

---

[1] مرآۃ الخیال، تذکرہ جواہر و زواہر۔

دریا ہے

حضرت سید شعبان الملت ۶۶۰ھ میں بھکر کی سرزمین پر پیدا ہوئے۔ آپ سید محمد مکی کی اولاد میں سے تھے حضرت مخدوم رکن الدین اور حضرت شیخ منہاج الدین حسن اور مخدوم بہار سے اکتساب فیض کیا اور خلافتیں پائیں ۷۸۵ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔ عہد خلجی میں جھونسی کی سرزمین سے اسلام کی بڑی تبلیغیں ہوئیں۔ [1]

جہاں اب عہد رفتہ کی قدیم عمارتوں کے کھنڈرات اور اجڑے ہوئے نشانات پائے جاتے ہیں حضرت شعبان الملت ہی کی طرح حضرت سید شاہ تقی الدین بھی مشہور روزگار بزرگ اور ولی ہیں جو اپنے والد کے مرید اور حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ کے خلیفہ بھی ہیں۔

حضرت شاہ مدار نے آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا الحمدللہ! "دریں دیار یک ولی دیدیم"، اور حضرت ملال گنج نے آپ کی شان میں شعر لکھا ؎

اے تقی الدین تو ئی سیفِ خدا
سر عدوے را بکن از تن جدا

۸۲۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ [2]

قلعہ کی شمالی جانب ایک بلند ٹیلے پر آپ کا مزار مقدس ہے اور آپ کے خانوادے کے دیگر بزرگوں کے بھی مزارات ہیں۔

وسط شہر میں ایک وسیع باغ ہے جو "خسرو باغ" سے مشہور ہے۔ اس کی نسبت امیر خسرو دہلوی کی طرف نہیں ہے۔ بلکہ شہزادہ خسرو کی طرف ہے۔ بیچ باغ میں چند مقبرے ہیں جنہیں خسرو اور ان کے متعلقین کی قبریں ہیں۔

اسی تاریخی شہر کے مغربی حصے میں عارف باللہ حضرت منور علی شاہ

---

[1] منبع الانساب، فضائل النقی قلمی، مفتاح التواریخ [2] مرأۃ الخیال، تذکرۂ جواہر زواہر
[3] فضائل النقی قلمی، مفتاح التواریخ۔

رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک واقع ہے۔ آپ کی طویل عمری کا ذکر اکثر تذکروں میں
ملتا ہے۔ آپ کی عمر کا تعین ۵۵۰ سال کیا جاتا ہے۔ اور آپ کو حضرت سیدنا
غوث الاعظم الجیلانی رضی اللہ عنہ کا حقیقی بھانجہ بھی کہا جاتا ہے۔ آپ سلسلۂ
قادریہ کے معروف بزرگوں میں سے ہیں اور شاہ دولہا کے خلیفہ تھے۔
بہت گنج میں آپ کا روضہ مرجع خلائق ہے —— جو دائرہ شاہ منور علی
سے مشہور ہے۔

عہد اورنگ زیب میں حضرت شیخ محمد افضل الہ آبادی نے اپنے پیر
میر سید محمد کالپی کے حکم پر الہ آباد کو وطن ثانی بنایا اور دائرہ کی بنیاد ڈال کر رشد
و ہدایت کے فرائض ادا کیے۔

حضرت موصوف ضلع غازی پور میں ۱۰۳۸ھ میں پیدا ہوئے علماء
عصر سے اکتساب فیض فرمایا۔ اور حضرت میر کالپی سے بیعت کی۔ آپ سے
پہلے خانقاہوں کا رواج تھا۔ آپ نے دائرہ کھینچ کر اپنی خانقاہ کے حدود
اربعہ مقرر فرمائے تب سے خانقاہیں دائروں کے نام سے منسوب و مشہور
ہوئیں۔ آپ کے بعد حضرت شیخ محمد یحییٰ، پھر آپ کے بیٹے شاہ محمد ناصر پھر
آپ کے فرزند حضرت شاہ محمد اجمل الہ آبادی پھر حضرت شاہ ابو المعالی پھر
شاہ غلام اعظم الہ آبادی اور پھر شیر الہ آبادی کے بعد حضرت سید شاہ احمد
اجملی سجادہ نشین رہے۔ اور ان کے بعد ان کے فرزند مولانا سید شاہ محمد افضل
اجملی دائرہ شاہ اجمل کے موجودہ سجادہ نشین ہیں۔[1]

الہ آباد میں کبھی بارہ دائروں کا وجود تھا جنہیں مشہور دو دائرے اس طرح
تھے۔ دائرہ شاہ اجمل، دائرہ شاہ محب اللہ، دائرہ شاہ منور علی، دائرہ شاہ
حجۃ اللہ، دائرہ شاہ محمدی،
دائرہ شاہ زین العابدین
دائرہ شاہ تیمور وغیرہ۔

---

[1] تذکرہ متاخرین الشعراء، مآثر الکرام، انوار العارفین، مخزن الکائنات وغیرہ۔

دائرہ شاہ اجمل کے بانی شیخ محمد افضل الہ آبادی ہیں۔ ۱۰۸۰ھ میں آپ نے مسجد اور ۱۰۹۲ھ میں اپنی خانقاہ بنائی تھی۔ مولانا سید افضل اجملی اس دائرہ کے سجادہ نشیں ہیں اور سلسلۂ سجادگی قائم و دائم ہے۔ موصوف اور یہاں کے نائب سجادہ نشیں مولانا سید اکمل اجملی سے ناچیز راقم السطور کو بڑی عقیدت ہے۔ اس خانوادے سے دین کی بڑی خدمتیں انجام دی گئیں۔ اس دائرہ کے بارے میں میری نگاہ سے بہت سے ماخذ گزرے۔ آج بھی یہ دائرہ روحانی اور ادبی مرکز بنا ہوا ہے۔

اسی طرح خانقاہ حلیمیہ ابو العلائیہ چک بھی غیر معمولی شہرت کی حامل ہے جس کے سجادہ نشیں حضرت سید شاہ عزیز احمد صاحب حلیمی ابو العلائی ہیں جو اپنے دور کے جید عالم اور حکیم ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی درجہ خلیق و خوش مزاج بھی ہیں۔ ان کی بذلہ سنجیوں کے بہت سے جملوں کے تذکرے علامہ نظامی کی تصنیفات میں ملتے ہیں جو بانداز تردید و تغلیط انھوں نے پیش کئے ہیں۔ الحمدللہ! یہاں حضرت سید شاہ عبداللہ اور حضرت شاہ عبد العلیم علیہما الرحمۃ والرضوان کے مزارات اقدس بھی ہیں۔ اور یہاں سے سلسلۂ ابو العلائیہ کی تبلیغ بھی جاری ہے۔

اسی الہ آباد سے متعلق قصبہ کڑا بھی ایک بستی تھی جو مسلمانوں کے شمالی ہند میں اولین فتوحات کے زمانہ سے ہی اسلامی تہذیب و معاشرت کا مرکز بن گئی۔ کڑا میں سب سے پہلے عالم جن کا پتہ چلتا ہے وہ سید قطب الدین محمد الحسنی ہیں آپ غزنی میں ۵۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ناسازگار حالات کے باعث قطب الدین التمس کے زمانے میں ترک وطن فرماکر ہندوستان آئے۔ زبردست عالم صاحب ولایت اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ تاریخ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ حضرت غوث پاک کے مرید تھے۔ سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں ۶۷۷ھ مطابق ۱۲۷۸ء آپ راہئ ملک بقا ہوئے۔

اسی کٹرہ سے متعلق ایک اور بستی مانک پور ہے۔ عہد تغلق میں یہاں مانک پوری کا پتہ چلتا ہے۔ [1]

مولانا جلال الدین مانک پوری (۱۴۷۵ء) جہاں انکو۔۔۔

اسی شہر الہ آباد کی شمالی جانب قصبہ پھول پور ہے جس کے مضافات میں دیگر آبادیاں ہیں جس کے مضافات میں دیگرھ فیکٹری ہے یہاں بھی شرفاء و نجبا کی آبادیاں ہیں ایسے ہی علاقوں میں ایک اور چھوٹا سا مردم خیز بابوپورہ وغیرہ شہرت کے حامل ہیں ایسے ہی علاقوں میں ایک اور چھوٹا سا مردم خیز موضع ہے یوں تو خالص دیہات ہے مگر نام بہت خوبصورت یعنی "سرائے غنی" ہے۔ علامہ مشتاق احمد نظامی کی ولادت اسی موضع میں ایک روایت کے مطابق ۱۹۲۹ء میں ہوئی۔ لیکن اصح ۱۹۲۲ء ہے جیساکہ موصوف اپنی کتاب خطبات نظامی میں لکھتے ہیں:

مجھے اچھی طرح یاد ہے کسی موقع پر کسی کو بتاتے ہوئے والد مرحوم نے ۱۹۲۲ء فرمایا تھا۔ [2]

بہر حال یہ کسے خبر تھی کہ "سرائے غنی" کبھی اپنے نام کا اثر دکھائے گا اور ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ اپنی آغوش کے پروردہ طفل نوخیز پر ایسی بارش کرم فرمائے گا کہ ہر اعتبار سے مالا مال کردے گا۔ یہی نہیں سرائے غنی سے نکال کر شہر تک پہنچائے گا۔ اور پھر وہی پروردۂ کرم شہر سے صوبہ اور صوبہ سے ملک اور ملک سے برا عظم ایشیا تک چھا جائیگا۔ لیکن حضور مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن اڑیسہ، دوران تعلیم ہی فرماتے تھے کہ

"مشتاق سے الہ آباد میں کام لینا ہے۔"

ایک ولی کی حقیقت آشنا نگاہوں نے علامہ کے اندر مخفی جوہر کو دیکھ لیا تھا اور پھر ولی کی بات خالی کب جاتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ دیکھتے دیکھتے کوردہ علاقے کا یہ نونہال ملت اسلامیہ کے افق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکا اور مشتاق احمد نظامی کے نام سے مشہور ہو کر فاضل علوم مشرقیہ ہوگیا۔

---

[1] آئینۂ اودھ، تذکرۂ علمائے ہند۔ [2] خطبات نظامی صفحہ ۱۶۔

نام و نسب

آپ کا نام "مشتاق احمد" ہے لیکن معقولات و منقولات کے جید عالم شمس العلماء حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب قبلہ سے شرف تلمذ حاصل ہونے کی بنیاد پر آپ نے "نظامی" کی نسبت پسند فرمائی اس طرح سلطان المشائخ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بھی شرف انتساب ہو جاتا ہے۔

آپ مسلکاً سنی حنفی رضوی مشرباً قادری اشرفی اور نسباً ملک زادہ تھے سرائے غنی ملک زادوں کی بستی ہے اور اس کے ارد گرد دیگر مواضعات میں بھی ملک برادری کے زمیندار اور رؤسا آباد ہیں۔ ملک زادہ ہونے کے اعتبار سے آپ کا خاندانی پیشہ زمینداری ہے۔

ملک برادری سے متعلق مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی رائے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک برادری کا دینی و دنیاوی اعتبار سے کیا مقام ہے وہ اس برادری کے مشہور و معروف عالم حضرت شاہ محب اللہ بہاری کے سلسلے میں رقمطراز ہیں: آزاد

یہ محب اللہ جو اپنی نسبت بہاری سے ظاہر ہے کہ بہار سے تعلق رکھتے ہیں مولانا نے "سبحۃ المرجان" میں لکھا ہے کہ کڑا نامی گاؤں جو محب علی پور پرگنہ سے صوبہ بہار میں تعلق رکھتا ہے، پیدا ہوئے! اور بہار کی ایک شریف قوم "ملک" جس کی اس زمانے میں بھی اس صوبہ میں معقول تعداد ہے اور دین و دنیوی ہر حیثیت سے مسلمانوں میں امتیاز رکھتی ہے نہ صرف قدیم بلکہ جدید تعلیم یافتوں کا بڑا طبقہ بہار میں ملک ہی قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ اپنی کتاب سلم و مسلم، جو بقول مولانا شبلی درس نظامیہ کے نصف نصاب کو اپنے نیچے تقریباً دو سو سال اس نے دبائے رکھا۔ قاضی، حمد اللہ، ملا حسن، ملا مبین شرح سلم، بحر العلوم یہ درس نظامیہ کی مشہور کتابیں سلم ہی سے تعلق رکھتی ہیں لیکن بظاہر اسی چیز نے ملک ملا محب اللہ مرحوم کو محمود اقران بنا دیا۔ یوں تو اپنے زمانے میں دنیاوی حیثیت سے ترقی کر کے اس آخری نقطہ پر پہونچ گئے رہے جو علاگیری کے پیشہ کرنے والوں کی معراج کمال تھا۔ یعنی شاہ عالم ابن اورنگ زیب نے بر سر حکومت آنے کے

بقول مولانا آزاد صدارت مجموعۂ ممالک ہندوستان کے منصب جلیل پر سرفراز کیا جو بعد ہندوستان میں شیخ الاسلامی کے عہدہ کے مرادف تھا۔[1]

ایسے ہی ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین علیہ الرحمہ جو اعلیٰ حضرت کے خلیفہ اور ممتاز شاگرد ہونے کے علاوہ بخاری شریف کے شارح بھی ہیں وہ بھی ملک ہی قوم کے ایک ممتاز فرد ہیں اسی لئے انھیں "ملک العلماء" کا خطاب دیا گیا۔ حضرت ملک العلماء نے "سوانح اعلیٰ حضرت" میں ملک قوم کا شجرۂ نسب بھی قلمبند فرما دیا ہے۔

تعلیم و تربیت اور اساتذہ

آپ کے والد ماجد ملک زادہ الحاج محرم علی علیہ الرحمہ ایک اسکول کے معلم تھے اور عارف حق حضرت سید شاہ ظہور حسام علیہ الرحمہ مانکپوری سے شرف بیعت حاصل تھا۔ آپ ایک درویش صفت بزرگ نہایت منکسر المزاج، انتہائی خوددار اور متقی و پرہیزگار ہونے کے ساتھ ساتھ بلند ہمت اور عزت و سخاوت جیسے خصائل و فضائل کے بھی حامل تھے خدمت خلق کے تحت مؤثر اور مجرب تعویذ بھی لکھتے تھے۔ آپ کا مزار مبارک الٰہ آباد ہی میں واقع ہے۔ جو ولی برحق قاضی صدر الدین علیہ الرحمہ کے مزار سے بالکل متصل ہے۔

علامہ نظامی علیہ الرحمہ آپ کے اکلوتے بیٹے تھے جن کی ابتدائی تعلیم آپ ہی کی نگرانی میں اپنے گاؤں ہی میں ہوئی اور اپنے والد ہی کے زیر سایہ رہ کر اسلامی شعائر و آداب سے آراستہ ہوئے۔

درجہ چہارم میں کامیابی کے بعد آپ کو عربی تعلیم دلائی جائے یا انگریزی؟ اس معاملے میں آپ کے والد ماجد نے اپنے پیر و مرشد سید شاہ ظہور حسام علیہ الرحمہ کی خواہش کو مقدم رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ انھوں نے آخری رائے یہ دی کہ اس کی عربی تعلیم و تربیت کے سلسلے حضور مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن علیہ الرحمہ کے آغوش تربیت میں دیدیا جائے۔ اور مدرسہ میں داخلہ سے پہلے سیدی سرکار

[1] مقالات شبلی۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت۔

سلطان الہند خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ کے آستانۂ اقدس کی زیارت کرائی جائے۔
چنانچہ حکم کے بموجب رجب المرجب ۱۳۶۳ھ میں آپکو اجمیر شریف لے جایا گیا۔ اور
اسی سال ماہ شوال المکرم میں اترپردیش کی بہت ہی قدیم درسگاہ "مدرسہ سبحانیہ"
میں حضور مجاہد ملّت علیہ الرحمہ کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے۔

اس زمانے میں مدرسہ سبحانیہ کا تعلیمی معیار بہت اچھا تھا اور ان دنوں حضور مجاہد ملّت اس کے صدر المدرسین تھے اور حضرت علامہ نظام الدین صاحب قبلہ بھی وہیں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے حضور مجاہد ملّت نے ابتدائی عربی قواعد کی تعلیم کے لئے آپ کو مختلف اساتذہ کے حوالے کر دیا۔ حضرت مولانا عبد الرب صاحب قبلہ مرادآبادی سے ابتدائی عربی قواعد کی تعلیم حاصل کی اور اس کی تکمیل امام النحو حضرت مولانا عبد القدوس صاحب بھدرکی سے کی۔ حضرت مولانا حکیم محمد احسن بہاری سے قانونچہ، موجز، شرح اسباب، نفیسی وغیرہ پڑھی اور حضرت مولانا سید عبد القدوس ہی سے متنبی، حماسہ، ہدایہ، علم العروض والقوافی وغیرہ کتابوں کا درس لیا۔ اس کے علاوہ امام رازی کی نہایت الایجاز، زنات الطرب جیسی کتابیں آپ نے حضرت مولانا محمد عمر صاحب قبلہ سے پڑھی۔ یوں ہی اقلیدس وغیرہ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب بجنوری نے آپ کو پڑھائی۔

اسی اثنا میں آپ نے درس نظامیہ کی متعدد کتابیں حضور مجاہد ملّت سے پڑھیں مثلاً قصیدہ بردہ شریف، کنز الدقائق اور شرح جامی وغیرہ کے مطالعہ کے لئے انھیں کے پاس جاتے رہے حضور مجاہد ملت کو آپ کی تعلیم و تربیت کا بے پناہ خیال رہتا۔ علامہ کی لگن کو دیکھ کر اس قدر خیال فرماتے کہ آپ کو بعد نماز تہجد بھی پڑھاتے تھے۔ پڑھاتے وقت اسلاف کے اصول کے مطابق سطروں پر انگلیاں پھیرتے لیکن آپ کی زیادہ تر تعلیم شیخ المعقولات مولانا مفتی نظام الدین صاحب قبلہ الہ آبادی کی مرہون منت رہی۔

ذہانت اور ذوقِ علم

آپ کی باضابطہ تعلیمی زندگی بیس بائیس سال سے آگے نہیں بڑھی۔ تعلیم کی جو رفتار عام طور پر ہوا کرتی ہے۔ اس سے آپ کا معاملہ مختلف رہا یہی وجہ تھی کہ کم عمر میں وہ فارسی عربی کے مبادیات سے آگے بڑھ چکے تھے نحو اور معقولات آپ کا پسندیدہ فن تھا آپ کے علمی ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ ہر علم وفن کی کتاب سے اس کی مختصر متن کو یاد کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس زمانے میں آپ کو کافیہ، تہذیب، ایساغوجی، نورالانوار کا متن منار اس طرح اور دوسری کتابوں کے متن زبانی یاد تھے۔ اور ان کے اقتباسات سے نہ صرف ساتھیوں کو بلکہ اپنے اساتذہ کو بھی حیران کر دیتے۔ اگر کوئی آپ سے معمولی کتابوں کے سوالات کرتا تو آپ انھیں منطق کے قضیوں اور اصولوں کی روشنی میں جوابات دے کر ششدر کر دیتے۔ اس شوق و ذوق اور تعلیم کی دولت نے آپ کے دل ودماغ کو حقیقت آشنا کر دیا جس کی وجہ سے حضور مجاہد ملت دوران تعلیم فرمایا کرتے تھے کہ "مشتاق سے الٰہ آباد میں کام لینا ہے"

مدتوں کی باتیں آپ کے حافظے میں محفوظ رہتیں بعض اوقات گفتگو کے درمیان آپ کی زبان پہ زمانۂ مطالعہ کے نقوش اس طرح ابھر آتے گویا ابھی ابھی کتاب دیکھ کر اٹھے ہوں۔ کبھی کبھی تو اساتذہ آپ کی بے باکی سے جھنجھلا اٹھتے پھر مہربان ہو کر انعام واکرام سے حوصلہ افزائی فرماتے۔ چنانچہ آپ کے استاذ گرامی حضرت شمس العلمار کا بیان ہے:

مولانا مشتاق احمد نظامی بچپن ہی سے بہت حساس اور ذہین واقع ہوئے تھے ان کی ذکاوت نے ہی مجھے ان کا گرویدہ کر لیا تھا اور میں یہ چاہنے لگا کہ حضرت مجاہد ملت نے جو کچھ مجھے عطا فرمایا ہے میں انھیں وہ سب کچھ دیدوں۔ اس سلسلے میں، میں باری تعالےٰ سے صمیم قلب سے دعائیں اور سعی بلیغ بھی کرنے لگا۔ اور انھوں نے بھی میری خدمت میں کوتاہی نہیں کی۔ اس کا نمایاں اثر یہ ہوا کہ ان کی

تعلیمی ترقی میں چار چاند لگ گیا۔ اور ان میں ایک خاص بات یہ پیدا ہوگئی کہ درس کے دوران میں جس کتاب کی جیسی تقریر کرتا تھا انھوں نے بعینہٖ نقل کرنا شروع کر دیا۔ طلبہ نے جب میری توجہ کو ان کی طرف مبذول ہوتے ہوئے دیکھا تو رشک کرنے لگے۔ چند روز کے بعد جب مجھے اس کی اطلاع ملی تو میں نے ان کے ساتھیوں میں یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص آئندہ جمعرات کو پوری "تہذیب" زبانی سنا دے گا تو میں اسے ایک سیر مٹھائی کھلاؤں گا۔ (یہ سب لوگ اس وقت تہذیب پڑھتے تھے) جمعرات آنے کو ابھی تین چار روز باقی رہ گئے تھے۔ ان کے تمام ساتھیوں نے کوششیں کرنی شروع کر دیں۔ اور سر دھڑ کی بازی لگا دی تاکہ یہ انعام میرے ہی حصّے میں آجائے۔ جب جمعرات کا دن آیا اور میں نے "تہذیب" سننا شروع کیا تو کوئی ½ کوئی ¼ کوئی ¾ تک پہنچ کر سب نے دم توڑ دیا۔ اور یہی "مشتاق احمد نظامی" تھے جنھوں نے بسم اللہ کی ب سے تمت کی ت تک بے جھجھک سنا دیا۔

پھر وعدہ کے مطابق میں نے ایک سیر مٹھائی منگائی اور مشتاق احمد نظامی کے حوالے کر دیا۔ انھوں نے سب ساتھیوں کے ساتھ انعامی جشن منایا اس کے بعد میں نے ان کے ساتھیوں سے کہا کہ "مشتاق" کی اسی ذہانت اور محنت نے مجھے ان کا گرویدہ کر لیا ہے۔

ہم عصروں میں سبقت کی چنگاری

علامہ اپنی ذہانت و طباعی کی بنیاد پر اپنے اساتذہ کے نور نظر اور ہر دل عزیز تو تھے ہی اس کے علاوہ آپ کو اپنے ہم عصروں میں جو سبقت حاصل تھی وہ اظہر من الشمس ہے۔ اس سلسلے میں جہاں بہت سے واقعات و شواہد ہیں وہیں آپ کی تعلیمی زندگی کے اس واقعہ سے بین ثبوت ملتا ہے جو راقم السطور سے آپ کے استاذ گرامی حضرت شمس العلما مفتی نظام الدین صاحب نے بیان فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں:

"علامہ کی تعلیمی زندگی کا ایک وہ دور تھا جبکہ وقت کے ممتاز علماء بورڈ کے امتحانات میں شرکت معیوب سمجھتے تھے حضور مجاہد ملت بھی انھیں میں سے تھے اور مولانا نظامی چونکہ میرے اور حضور مجاہد ملت کے ماتحت تھے اسلئے اس عیب سے یہ لوگ بھی بچتے تھے۔ اتفاق سے ایک روز مدرسہ مصباح العلوم جو حکیم فخر صاحب مرحوم کے زیر نگرانی چل رہا تھا وہاں کے لڑکوں سے حضرت مولانا مشتاق نظامی اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات ہوگئی تو ان لوگوں نے ان لوگوں پر جملے اور آوازیں کسنے شروع کر دیئے اور یہاں تک کہدیا کہ درس نظامیہ والوں میں درس عالیہ یعنی بورڈ کے امتحانات دینے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ اس جملے سے مولانا مشتاق نظامی کے خون میں حرارت و چنگاری پیدا ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے طے کرلیا کہ ہم بورڈ کے امتحان میں ضرور شریک ہوں گے۔ چنانچہ بغیر ہم لوگوں کے مشورے کے مولانا مشتاق اور ان کے ساتھیوں نے مدرسہ مصباح العلوم ہی سے عالم کا فارم تو بھر دیا لیکن انھیں اس کا خوف بھی دامن گیر رہا کہ خدا نخواستہ اگر (حضرت مولانا) نظام الدین صاحب نے ناراض ہوکر تعاون سے انکار کر دیا اور ہم لوگ امتحان میں ناکام ہوگئے تو مصباح العلوم کے لڑکوں کو طنز کرنے کا مزید موقع ہاتھ آجائے گا۔

بالآخر کئی روز کی کشمکش کے بعد مولانا مشتاق نے جب ہم لوگوں کو فارم بھردینے کی اطلاع دی اور اپنی معذرت پیش کی تو ہم نے کئی روز تک سبق پڑھانا بند کر دیا لیکن پھر ان سے قلبی تعلق نے اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے پر مجبور کر دیا اور پڑھانا شروع کر دیا اس زمانے میں عالم کے درجے میں تفسیر بیضاوی تھی تفسیر بیضاوی کی سورۂ بقرہ مکمل، ملاحسن، مختصر المعانی وغیرہ ساری کتابیں میں نے پڑھادیں۔ یہ لوگ خوش خوش امتحان میں شریک ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس سال پورے اتر پردیش میں صرف چار لڑکے فرسٹ (اعلیٰ) آئے تھے جنمیں پہلا نام مشتاق نظامی کا تھا۔ اور

کے ساتھی تھے۔

دوسرا مولوی غلام کریم کا جو ان

ان کے اس جذبے کو دیکھ کر ہم نے یہ محسوس کیا کہ یہ اپنے معاصر و مقابل سے کسی طرح بھی پیچھے نہیں رہنا چاہتے بلکہ ہمیشہ آگے بڑھتے رہنے کے عادی تھے۔

فراغت

ابھی درس نظامیہ کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ اسی درمیان میں آپ نے درس عالیہ (یو۔پی بورڈ) کے متعدد امتحانات میں بھی شرکت فرمائی۔ چنانچہ سب سے پہلے ۱۹۴۴ء میں "عالم" کے امتحان میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۹۴۵ء میں "منشی" ۱۹۴۶ء میں فاضل ادب" "کامل" اور "اعلیٰ قابل" کے امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اور ۱۹۴۷ء میں اسی سال درس نظامیہ کے تمام درجات اور علوم و فنون سے فراغت بھی حاصل ہوئی۔

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا نظام الدین صاحب نے اپنے فیوض و برکات سے آپ کو بھرپور نوازا۔ اور معقول و منقول کی ساری کتابیں پڑھائیں۔ آپ کی ذہانت و لیاقت کو دیکھ کر ان دونوں اساتذہ نے آپ پر بڑی ریاضتیں کیں۔ اور آپ کو درس نظامی کچھ اس انداز سے پڑھایا کہ آپ کو اس پر دسترس حاصل ہو گئی۔

اساتذہ کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ یہ باصلاحیت طالب علم آگے چل کر بڑے کارنامے انجام دے گا۔ چنانچہ ان حضرات کے اندازے درست ثابت ہوئے اور اپنی فراغت کے بعد علامہ نے ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے جن پر اہل اللہ آباد ہی کو نہیں پوری دنیائے سنیت کو فخر ہے۔

نکاح

علامہ نظامی علیہ الرحمۃ کی تعلیم و تربیت جاری ہی تھی کہ اسی دوران آپ کے والد گرامی نے آپ کے عقد نکاح کا معاملہ اٹھایا۔ چنانچہ آپ کے ماموں ملک الحاج عبد الرؤف صاحب

مرحوم جو حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ کے خصوصی مریدوں میں سے تھے جنکی وفات ۳ ستمبر ۱۹۶۱ء میں ہوئی حضور مجاہد ملت کے مریدوں میں حاجی صاحب مرحوم کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ سفر حجاز پہ روانگی سے پیشتر سلطان پور جبیل میں حاضر ہو کر حضور مجاہد ملت کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے تھے۔

آپ کا نکاح انھیں کی صاحبزادی محترمہ زبیدہ خاتون کے ہمراہ اسلامی رسم ورواج کے ساتھ منعقد ہوا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ شادی میں اس قدر سادگی اور شریعت کا اس قدر پاس ولحاظ تھا کہ گویا یہ تقریب مسلمانوں کے لئے سنگ میل ثابت ہوئی۔ آپ کی اہلیہ انتہائی دیندار، تعلیم یافتہ، نماز وروزہ اور تلاوت کلام الٰہی کی پابند ثابت ہوئیں۔ گھر کے جملہ امور روزمرہ آنے والے مہمانوں کے ہجوم اور گھر کے درجنوں افراد کے کھانا کھلانے کا نظم ونسق کا بوجھ انتہائی خوش اسلوبی اور خندہ پیشانی سے برداشت کرتیں۔ یوں تو اللہ نے آپ کو کوئی اولاد نہیں دیا تھا لیکن گھر کے تمام بچوں بچیوں سے بڑھ کر شفقت ومحبت فرماتیں۔ یہی وجہ ہے کہ گھر کے تمام بچے آپ کو "لالی جان" کہہ کر پکارتے ہیں۔ تادم تحریر موصوفہ باحیات ہیں۔ اللہ آپ کا سایۂ کرم تادیر سلامت رکھے۔

میں بارہا اس نظریہ کا اظہار کر چکا کہ اس وقت مسلکِ اہلسنت کو سب سے زیادہ نقصان تبلیغی جماعت سے پہونچ رہا ہے ضرورت ہے کہ اس کے مقابل سنی تبلیغی جماعت جیسی متوازی جماعت قائم کی جائے۔ تاکہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے کے مطابق تبلیغی جماعت کے زہریلے جراثیم کی صحیح اور بھرپور مدافعت ہوسکے۔

(علامہ نظامی)

عادات وصفات

حکومت وہی کرتے ہیں جنکے اخلاق اچھے ہوں۔

صفاتِ حسنہ

تصلب فی الدین

احترامِ سادات

اساتذہ واکابر سے عقیدت

سیدنا اعلیٰحضرت کیلئے "امام" کا خطاب

حضور مفتی اعظم ہند سے عقیدت کا حیرت انگیز کرشمہ
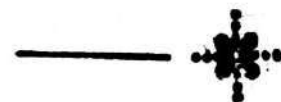
اخلاص

خردہ نوازی
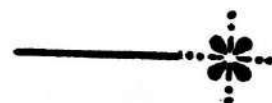
اسیرِ حبیب
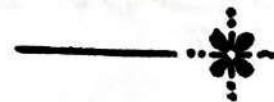
صفاتِ حسنہ

اخلاق وعادات اس کیفیت کا نام ہے جس کے پیدا ہو جانے کے بعد انسان اعمال صالحہ کو انجام دینے میں کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتا بلکہ وہ اسی طرح لطف اور سکون پاتا ہے جیسے اپنے فطری امور انجام دینے کے بعد پاتا ہے۔ اور اس کیفیت کا تعلق انسان کی طرز زندگی سے ہوتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ نیک عادات وصفات کے بغیر کسی بھی شخصیت کا نہ کوئی وقار قائم ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی قول وفعل قابل تقلید ہو سکتا ہے۔ آئیے ہم علامہ نظامی کو ان کی خصلت وعادات کی روشنی میں سمجھیں اور جانیں۔

حقیر راقم الحروف ۱۹۸۵ء سے دارالعلوم غریب نواز میں تدریسی خدمات انجام دے رہا ہے۔ میں نے ان کے بہت سے عادات وخصائل کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا۔ زندگی میں بے پناہ سادگی، حقہ، بیڑی، سگریٹ پان، تمباکو، چائے کسی بھی چیز کی عادت وعلت نہیں تھی۔ معاملات ہمیشہ صاف پڑوسیوں سے نیک برتاؤ، بازار سے گریز، اور کتاب وقلم کی رفاقت پسند فرماتے تھے۔ آج عموماً بڑے لوگ اپنے معاشرے کے عام لوگوں سے ربط وضبط رکھنا کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ نتیجۃً وہ خلوت پسندی، اور خشک مزاجی کا شکار ہو کر متکبر ہو جاتے ہیں لیکن علامہ نظامی میں ایسی کوئی صفت نہیں تھی وہ اس قدر جلیل القدر ہوتے ہوئے بھی اپنے معاشرے کے چھوٹے بڑے ہر فرد سے مربوط ومنسلک تھے۔ پھر ایک ایسی ذات جس کا مقصد زندگی ہی معاشرے اور سماج کی قیادت واصلاح ہو اپنے معاشرے سے بھلا کیسے الگ ہو سکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ تعلق مع الخلق بھی تعلق مع اللہ کے لئے ہی تھا۔

معمول تھا کہ راستے میں ملنے والوں سے سلام کرنے میں پہل فرماتے۔ جب کبھی کسی کی زبانی پیغام بھیجتے تو سلام ضرور کہلاتے۔ مصافحہ کرتے تو اپنا ہاتھ اس وقت تک نہیں کھینچتے تھے جب تک دوسرا خود نہ کھینچ لے۔

ملنے والوں سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے۔ کانفرنسوں یا عام مجالس میں
اگر لوگ احتراماً کھڑے ہوجاتے تو اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے تھے گفتگو
کے وقت اہل مجلس کی ہر بات توجہ سے سماعت فرماتے اور خود بھی گفتگو فرماتے
تھے لیکن خلاف موضوع بہت کم بات کرتے تھے۔ آپ کی ہر بات میں ایک فکر
جھانکتی ہوئی نظر آتی تھی۔ باتوں میں اس قدر حلاوت وشیرینی، گہرائی و گیرائی اور
زبان وادب کے لحاظ سے اتنی فصیح وبلیغ ہوتی کہ ہر شخص کا جی چاہتا کہ آپ تکلم
فرماتے رہیں اور سب سنتے رہیں۔

آپ کی ایک عادت یہ تھی کہ مجلس کے ہر فرد پر اس انداز سے یکساں توجہ
فرماتے تھے کہ ہر شخص یہ محسوس کرتا کہ حضرت سب سے زیادہ مجھے چاہتے ہیں! اور
کوئی یہ محسوس نہیں کرتا تھا کہ کسی کو اس پر آپ نے فوقیت دی ہے۔ اس اخلاقی کمال
نے آپ کی شخصیت میں غیر معمولی مقناطیسیت پیدا کر دیا تھا۔ جو آپ سے ایک
بار ملتا وہ بار بار ملنے کا متمنی ہوتا اور قریب سے قریب تر ہوتا چلا جاتا تھا۔ البتہ
کچھ ہی لوگ ایسے ہوں گے جو اس سے مستثنیٰ کئے جاسکتے ہیں جنھیں خود طبعی منافرت
ہے۔ تمام دینی اداروں بالخصوص دار العلوم غریب نواز کے اساتذہ کے ساتھ
فیاضانہ برتاؤ فرماتے تھے۔ تقریری وتبلیغی دورے پہ روانگی یا واپسی پر سارے
اساتذہ کو یاد کرتے اور موسمی پھلوں اور تحائف سے پُر تکلف ضیافت
فرماتے۔ اور یہاں کے طلبہ سے تو اس قدر محبت فرماتے کہ اپنی دولت کا بیش تر
حصہ نادار طلبہ کی کفالت پر صرف کرتے رہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو کھیلتے
کودتے دیکھ کر زیر لب مسکراتے اور حسب فرمائش ٹافی، چاکلیٹ، اور آئس کریم
وغیرہ جیسی مرغوب اشیاء سے ان کے لذتِ کام ودہن کا سامان مہیّا فرماتے
تھے۔

تصلّب فی الدّین

جہاں تک میں سمجھتا ہوں علامہ نظامی کا
طریقہ یہ تھا کہ حق جہاں آیا وہاں خود جھک

گئے اور دوسروں کو بھی جھکانے کی کوشش کی وہ اپنے عقائد و افکار میں اکابر واسلاف کے مطابق اس درجہ سخت اور بے لوچ واقع ہوئے تھے کہ بال برابر بھی ادھر اُدھر ہونا کفر و زندقہ تصور کرتے تھے۔ اِس معاملے میں وہ کبھی بھی کمزور اور نرم پالیسی کے مؤید نہیں رہے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ خواہ مخواہ مخالف کی ہاں میں ہاں ملائی جائے۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے لوگ ان سے قریب ہوتے اور پھر دور ہو جاتے تھے۔ صرف یہ سوچ کر کہ ان کی راہ پر چلنا دشوار ہے۔ اسلئے میں اپنے ذاتی تجربے اور متعدد واقعات کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ علامہ اپنے دور کے لحاظ سے دینی تصلب میں یگانۂ روزگار تھے۔ اُن کا کوئی ہم پلہ نظر نہیں آتا تھا۔

آپ کا معمول تھا کہ اگر کسی سے جماعتی کام لیتے تو خواہ معمولی کاتب ہی کیوں نہ ہو پہلے اسے اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھ لیتے اگر وہ آپ کے معیار عقائد پر پورا اترتا تو اُس سے کام لیتے ورنہ گفتگو بھی نہ فرماتے۔ یوں ہی مخلوط مجلسوں میں شرکت سے قطعی اجتناب کرتے۔ ہاں اگر عدم شرکت سے جماعتی نقصان کا خدشہ ہوتا تو اپنی دعوت حق ضرور بلند فرماتے۔ لیکن وہاں بھی مداہنت اور اشتراک کی چھاپ سے کامل احتیاط فرماتے۔ یا وہ لوگ جو اہلسنت کے معمولات و مراسم میں تو شریک ہوتے ہیں لیکن مسئلۂ تکفیر میں کف لسان کرتے ہیں خواہ وہ کسی کے ہوں لیکن ایسے لوگوں کو علامہ اپنا نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی ایسے لوگوں کی گومگو پالیسی سے آپ کا مزاج میل کھا سکا۔ وہ فرماتے ہیں:

"جو سرور کونین روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والوں سے نفرت و بیزاری کا اظہار نہ کر سکے تو پھر اس کی گومگو پالیسی سے ہمارا میل کیسے کھا سکتا ہے۔" [1]

---

[1] مجرم کون؟ صفحہ

توہین نبوت کے مجرم ہونے کی بنیاد پر انھوں نے ہمیشہ علمائے دیوبند سے گھِن اور سخت نفرت کا اظہار کیا بلکہ بفرمان حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ، انھیں موجب قتل قرار دیتے تھے۔

۱۹۶۵ء کے آس پاس کا واقعہ ہے کہ ایک سنجیدہ نشست میں علامہ نظامی، مولانا زاہد القادری مفتی "آستانہ دہلی"، مولانا ابوالوفا فصیحی غازیپوری علیہم الرحمۃ والرضوان اور دیگر معزز حضرات بھی شریک مجلس تھے غیر متوقع طور پر "حفظ الایمان" کی عبارت زیر بحث آگئی۔ دوران گفتگو ایک صاحب (جو علم اور عمر دونوں میں علامہ سے بڑے تھے) نے کہا مشتاق! تم لوگ "حفظ الایمان" کی عبارت کو محض ایک عینک سے دیکھتے ہو۔

علامہ نے اپنی عینک کو میز پر رکھتے ہوئے فرمایا عالی مرتبت! یہ بریلی کا چشمہ تھا جسے میں نے اتار دیا۔ اور اب "حفظ الایمان" کی عبارت آپ کے سپرد ہے کوئی ایسی تاویل فرمائیے جس سے یہ عبارت بے غبار ہو کے رہ جائے؟
یہ سن کر موصوف نے کہا! بھائی تم لوگ بال کی کھال نکالتے ہو اور صرف لفظوں کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ آخر ش انھوں نے اور بھی تو اسلام کی خدمات انجام دی ہیں کچھ اس کا بھی تو لحاظ رکھو؟

علامہ نے فرمایا عالی جاہ! اگر عہد خلافت ہوتا تو آپ دارالقضاۃ میں آگ لگوادیتے اور ایوان خلافت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔ چونکہ قاضی اپنے منصب قضاۃ پر کسی کا کلیجہ چیر کر نہیں دیکھتا۔ اور نہ ہی اس کی نیت و ارادے کی روشنی میں اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے۔ وہ لفظوں ہی کے بال کی کھال نکالتا ہے۔ ایک متقی پرہیز گار، اگر بیوی کو طلاق دے کر قاضی کے روبرو اپنے حسن سلوک کا خطبہ پڑھے اور اس کے اڑوسی پڑوسی اس کی ہمنوائی کر کے قاضی کو یقین دلائیں کہ ہم نے آج تک اسے غصہ ہوتے نہیں دیکھا۔ یہ انتہائی شریف اور نیک ہیں اس لئے طلاق کا جملہ نہ دیکھا جائے

اسکی
بلکہ گذری ہوئی زندگی کا جائزہ لیا جائے اور بالفرض اگر طلاق کا جملہ نکل ہی گیا تو ماضی کے روشن و تابناکی کے باوجود صرف لفظ طلاق سے اس کے کئے دھرے پر پانی نہیں پھرنا چاہیئے۔ تو بتائیے کیا اس لمبی چوڑی تقریر سے قاضی اپنے قانون کی گرفت ڈھیلی کر دے گا؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ طلاق کے جملے کی روشنی میں طلاق رجعی، طلاق بائن، طلاق مغلظہ جو واقع ہوتی ہوگی۔ قاضی اس کا حکم صادر کر دے گا۔

بس اسی قانون کے تحت یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ اگر کسی نے بظاہر پوری زندگی اسلام کی خدمت کی ہو، اور ہزاروں رسائل لکھے ہوں لیکن اگر وہ اس کی آڑ میں اہانت رسول جیسے سنگین جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے گزرنا چاہتا ہے تو قانون اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔

اتنے میں موصوف کہنے لگے۔ مشتاق! اس کی کوشش نہ کرو کہ اس باب میں میں تمہارا ہم خیال ہو سکوں گا۔

علامہ نے فرمایا۔ میری گفتگو کا یہ مقصد نہیں۔ میں تو چاہتا ہوں کہ: "علمائے بریلی" کی دلیلیں توڑ کر آپ مجھے اپنا ہم خیال بنالیں۔ [1]

میری فطرت لکھا نہیں سکتی فریب راہ بر
میں تو منزل ساز ہوں آوارۂ منزل نہیں

نومبر ۱۹۶۳ء کا واقعہ ہے کہ علامہ مغفور پورنیہ اور مغربی دیناجپور کے تقریری دورے پر تھے کشن گنج کے قریب حلقے کی بھی دعوت آپ نے یہ سوچ کر منظور کر لی کہ سنیوں کا جلسہ ہوگا مگر جب یہ معلوم ہوا کہ دیوبندیوں کا اجلاس ہے تو آپ نے "سید عبد الغنی" کی معرفت خط میں یہ لکھ کر ٹھکرا دیا کہ میں ایسے جلسوں میں شرکت نہیں کرتا اور اگر میری عدم شرکت سے علمائے دیوبند کو یہ گمان ہو کہ ان کے ڈر سے شریک نہیں ہو رہا ہوں تو مجھے مناظرہ کا چیلنج دیدیں۔ میں بحیثیت مناظر شرکت کرونگا۔

---

[1] مجرم کون ہے؟

آخر کار نہ انھیں یہ کرنا تھا نہ کیا۔

تحریر ہو یا تقریر وہ اپنے مشن کو کسی موقع پر نظر انداز نہیں کرتے تھے اپنے مکتبۂ فکر کی اشاعت و ترجمانی میں دو ٹوک بات کرتے تھے نہ تو داد و تحسین کی پرواہ کی، نہ ہی کسی خارجی دباؤ کو قبول کیا۔

چنانچہ ایک مرتبہ بمبئی کی کسی مشہور جگہ پہ ایک پروگرام پہ جب آپ کا جانا ہوا تو چند حضرات نے آپ سے فرمائش کی کہ تقریر ایسی ہو جسکے سبھی مداح ہوں۔ اور اس ضمن میں انھوں نے ایک صاحب کا تذکرہ کیا کہ جب وہ تشریف لاتے ہیں تو ان کی تقریر میں سنّی اور دیوبندی دونوں ہی واہ واہ کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ کا بھی یہی انداز ہونا چاہیئے۔

علامہ نظامی نے فرمایا میرے پاس کوئی ایسی تقریر نہیں ہے جس سے دیوبندیوں کو خوش کرنے کے علاوہ آپ جیسے سنیوں کی تفریح طبع کے لئے کوئی میٹریل استعمال کرسکوں۔ میرے پیارے! تقریر کا مقصد واہ واہ اور پرجوش نعرے نہیں ہیں یہ تو مداری کا کام ہے کہ وہ اپنی ڈگڈگی پر راہگیروں کو اکٹھا کرلے۔ [1]

پیٹ اور ملک ہی نہیں سب کچھ
ہے بڑی چیز ایمان بھی

احترام سادات

آپ آل رسول کی عزت و عظمت کو اپنے لئے رفع درجات کا ذریعہ تصور کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ:

"آل رسول کے تلوؤں کی خاک ہماری آنکھوں کا سرمہ ہے ان کی عقیدت و محبت میں حلاوت ایمانی ہے۔ ان کی محبت حاصلِ زیست و متاعِ زندگی ہے۔ اگر وہ ہم جیسوں کو اپنا غلام کہدیں تو فخر و مباہات سے ہمارا سر اونچا ہو جائے گا"

[1] مجرم کون۔

جہاں اور جس موقع پر بھی سادات سے ملاقات ہوتی بڑے عقیدتمندانہ اور والہانہ انداز میں ملتے اور دست بوسی و قدم بوسی کے جذبے سے اس قدر سرشار تھے کہ اس جذبے کی عجلت و سبقت سے سادات کا بچنا دشوار ہو جاتا تھا۔

علامہ سید مظفر حسین صاحب کچھوچھہ شریف (سابق ایم۔پی) سے آپ کے تعلقات عقیدت مندانہ بھی تھے اور معاصرانہ بھی۔ موصوف کو "برادر مکرم" سے یاد کرتے۔ موصوف کی شان میں علامہ کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیے جو محض ان کی عقیدت و محبت کا آئینہ دار ہے: ؎

وہ سردارِ زمانہ ہیں جو اولادِ پیمبرؐ ہیں
اسی گھر کی نشانی میرے مولانا مظفرؔ ہیں

یوں ہی شیخ طریقت علامہ سید شاہ عزیز احمد ابو العلائیؒ الہ آباد سے بھی علامہ کے بڑے گہرے اور دیرینہ روابط تھے۔ حقیر راقم الحروف نے دارالعلوم غریب نواز کی "سرکار مدینہ کانفرنس" وغیرہ کے مواقع پر کئی بار موصوف سے ان کے احترام و عقیدت کے مناظر دیکھے۔ موصوف سے علامہ کی عقیدت کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ دارالعلوم کے جلسۂ آغاز بخاری شریف" اور "سرکار مدینہ کانفرنس" کا افتتاح تادمِ حیات موصوف سے ہی کراتے رہے اور جب تک موصوف جلسہ گاہ تشریف نہیں لے آتے علامہ عالم اضطراب میں مبتلا رہتے۔ اور پھر دور ہی سے دیکھ کر خوش ہو جاتے اور نعرہ لگانے لگتے۔ یہ منظر دیکھ کر حاضرین انگشت بدنداں رہ جاتے۔

میرے کرم فرما ڈاکٹر سید نسیم گوہر صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی۔ اپنے والد سید شاہ عزیز احمد صاحب قبلہ سے علامہ کی خوش عقیدگی کا ایک حقیقت افروز واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ۱۹۷۱ء میں جب سید صاحب دوسری بار مناسکِ حج ادا کرنے کے بعد واپس آرہے تھے تو اس وقت علامہ نظامی بمبئی ہی میں موجود تھے۔ اور انھیں سید صاحب کی واپسی کی خبر پہلے سے ہو چکی تھی۔ چنانچہ انھوں نے ایک شخص کو سید صاحب کے پاس گودی "بندرگاہ" بھیجا۔ اور سنی جمعیۃ العلماء

کے دفتر میں قیام کرنے کی دعوت دی۔ سید صاحب قبلہ کے ہمراہ ان کے صاحبزادے ڈاکٹر سید شمیم گوہر اور جناب محمد اسرائیل صاحب بھی تھے۔ جب یہ حضرات ٹیکسی کے ذریعہ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے دفتر پہونچے تو حضرت علامہ نے بڑی خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور بڑی عمدہ ضیافت فرمائی۔ ناواقف افراد علامہ کی عقیدتمندی اور احترام و تعظیم کے ان مناظر کو دیکھ کر حیرت میں تھے کہ آخر یہ کون لوگ ہیں جن کی خاطر علامہ اپنا دیدہ و دل فرش راہ کئے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر سید شمیم گوہر صاحب اپنی کمسنی اور تعلیمی دور کا ایک واقعہ یوں تحریر کرتے ہیں:

"علامہ مشتاق احمد نظامی جیسا سادات کرام کا ادب کرنے والوں کو راقم نے بہت کم دیکھا ہے۔ میں جب بھی علامہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اس خاکسار کا بہت احترام فرماتے، مصافحہ کے لئے کھڑے ہو جاتے اور عموماً چائے بسکٹ سے ضیافت فرماتے۔ اس وقت میں جامعہ حبیبیہ مسجد اعظم الہ آباد میں زیر تعلیم تھا۔ میں نے اپنے ایک ہم سبق ساتھی سے پوچھا "یار! میں جب بھی حضرت علامہ نظامی صاحب قبلہ کے پاس حاضر ہوتا ہوں تو حضرت موصوف نہ صرف میرا بہت احترام کرتے ہیں بلکہ دست بوسی بھی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مجھے بڑی ندامت محسوس ہوتی ہے۔ اس نے کہا سید صاحب! آپ سید زادے ہیں حضرت آپ کی سیادت کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں۔ وہ سید زادوں سے بہت عقیدت رکھتے ہیں۔"[1]

دائرہ شاہ اجمل الہ آباد کے علم و فضل سے بھی علامہ نظامی بے انتہا متاثر تھے! اور خود راقم بھی اس خانوادے کا عقیدت کیش ہے۔ اس دائرہ کے نائب سجادہ نشیں مولانا سید اکمل صاحب اجملی نے راقم سے بیان فرمایا کہ حضرت علامہ کو اس دائرہ سے ایک خاص عقیدت تھی۔ میں نے اکثر دیکھا کہ باہر تشریف لے جاتے

---

[1] حجاز جدید دہلی ستمبر ۱۹۹۱ء

ہوئے جب وہ سڑک سے گذرتے اور اگر وقت ہوتا تو بزرگوں کے مزارات پر ضرور حاضری دیتے اور اگر وقت نہ ہوتا تو باہر روضے کے رکھے ہوئے پتھروں کو چومتے ہوئے گذر جاتے۔ موصوف اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ علامہ سے جب جب عید کی نماز کے بعد شیخ محمد افضل الہ آبادی کے روضہ میں ملاقات ہوئی۔ ان سے مصافحہ اور معانقہ ہوا اور بے جھجک قدم چوم لئے اور اس کمترین کی دست بوسی کی انھوں نے ازدحام کی کوئی پرواہ نہ کی۔ نہ اپنی عظمت کی، ان کی اسی صفت نے انھیں وہ عظمت وشہرت عطا کیا جو ان کے عصر میں کسی کو نصیب نہ ہوئی۔

حضرت سید اکمل میاں صاحب برابر دارالعلوم غریب نواز تشریف لاتے تھے اور آج بھی علامہ کی وفات کے بعد حضرت مولانا انوار احمد نظامی صاحب کے پاس تشریف لاتے رہتے ہیں۔

اساتذہ واکابر سے عقیدت

اپنے اساتذہ کی اطاعت، اکابر و مشائخ سے عقیدت ومحبت، معاصر کے مرتبوں کا پاس ولحاظ ان کی زندگی کا طرۂ امتیاز تھا نشست وبرخاست، اطاعت وجاں نثاری، گفت وشنید کے ذریعہ عملی طور پر انھوں نے اپنے بزرگوں کی عظمتوں کو اجاگر کیا۔

مولانا مفتی نظام الدین صاحب قبلہ سے علامہ کو شرف تلمذ حاصل تھا۔ وہ فرماتے ہیں ان کی آخری عمر میں بھی اپنے استاذ کا ادب ولحاظ اتنا رہتا تھا کہ اگر میں ان کو کسی وقت زور سے ڈانٹ دوں تو لرزہ براندام ہو جایا کرتے تھے۔ اہلسنت کا کوئی بزرگ ان کے یہاں مہمان ہوتا تو اس کے لئے وہ فرش راہ ہو جایا کرتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساری دنیا میں وہ مخدوم ہو کر چکے۔

راقم نے بارہا دیکھا کہ مفتی صاحب کا دولت کدہ علامہ کے مکان سے بالکل متّصل واقع ہے اور تقریباً چالیس سال کا ساتھ رہا لیکن کبھی بھی ان کی آنکھ سے آنکھ ملا کر گفتگو نہیں کی۔

اسیرِ حبیب:

حضور مجاہد ملّت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رئیس اڑیسہ علیہ الرحمہ سے آپ کو شرفِ تلمذ اور شرف بیعت دونوں حاصل تھا موصوف کے لئے "مجاہد ملت" کی تجویز آپ ہی کی نیاز مندانہ کاوش تھی جو خطاب نام سے بھی زیادہ مشہور تھا۔ مجاہد ملت سے آپ کو قلبی لگاؤ اور والہانہ محبت تھی جس کا اظہار آپ "اسیر حبیب" لکھ کر کیا کرتے تھے موصوف سے آپ کی محبت وعقیدت کا فیضان ہمیشہ آپ پر رہا۔

حضور مجاہد ملّت سے علامہ کی بے لوث محبت اور عقیدت کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے کہ جب ۲۰ر اکتوبر ۱۹۵۹ء میں آپ کلکتہ کے پروگرام پر پہنچے تو آپکی قیام گاہ پر کچھ احباب بغرض ملاقات حاضر ہوئے ان میں سے ایک صاحب نے آپ سے پوچھا۔

کہ بعض لوگوں کو شکایت ہے کہ آپ مجاہد ملّت کو ایسے ہی مانتے ہیں جیسے مسلمان غوث اعظم اور غریب نواز کو۔

علامہ نظامی نے یہ بات سن کر جو سنجیدہ جواب دیا وہ ملاحظہ فرمائیے:۔

میں بھی مسلمان ہوں اور سرکار غوث الاعظم اور سرکار غریب نواز کا عقیدت کیش ان پر میری جان ومال قربان ہے۔ البتہ یہ احساس شدت سے دامنگیر ہے کہ ان بزرگوں کی رفعت شان کا کیا کہنا۔ سیدی ومولائی امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بھی پہچانا تو مولانا حبیب الرحمٰن کی کفش برداری کی بدولت نہ تو مجھے مجاہد ملت کے متبع سنت ہونے میں شبہ ہے۔ نہ ہی ان کی ولایت میں میرا مزاج نہایت ہی نقاد اور نکتہ چیں ہے کسی کی شخصیت کو تسلیم کر لینا یا کسی کو فنکار مان لینا میرے لئے آسان نہیں۔ برسہا برس اپنے سرکار کی خدمت کرتا رہا صبح دیکھی، شام دیکھی، خلوت وجلوت دیکھی مسند درس وتدریس میدان مناظرہ میں دیکھا، اپنوں وغیروں میں دیکھا، خالص مذہبی اسٹیج پر دیکھا تو سیاسی پلیٹ فارم پر بھی دیکھا اور اس پیرانہ سالی میں جیل کے اندر بھی دیکھا

جیل کے باہر بھی دیکھا۔ دنیا بھول جائے تو بھول جائے مگر میرے بھولنے کی بات نہیں مجھے اپنی قسمت پر آج فخر ہے کہ میں نے انھیں پاکر سب کچھ پالیا۔[1]

۴۵-۱۹۴۴ء کا واقعہ ہے آستانہ غریب نواز پر شاہجہانی مسجد میں پاسبان ملت کی ملاقات حضرت شیر بیشۂ اہلسنت علامہ حشمت علی خاں صاحب علیہما الرحمۃ والرضوان سے ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جبکہ شیر بیشۂ اہلسنت لیگ اور کانگریس کے مسئلے میں پوری ملت اسلامیہ سے الگ تھلگ ایک مسلک کے حامل تھے۔ پاسبان ملت کو اس بات کا اچھی طرح علم تھا مگر وہ اپنی بے پناہ نیازمندی وعقیدت مندی کی بنیاد پر شیر بیشۂ اہلسنت کی قدم بوسی سے مشرف ہوئے۔ مصافحہ ومعانقہ کے بعد شیر بیشہ سنت نے فرمایا! "مشتاق اب تو مولانا حبیب الرحمٰن بھی پلپلے ہو گئے۔"

یہ سن کر پاسبان ملت نے انتہائی ادب سے عرض کیا جو کچھ کہنا ہو مجھے کہہ لیجئے انھیں کچھ نہ فرمائیں۔ اس کے بعد شیر بیشہ سنت مسکراتے ہوئے فرماتے ہیں ارے بھائی! ان سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں مگر تم سب صلح کل ہو گئے۔ آخر میں انھوں نے آپ کو گلے لگایا اور انتہائی اخلاص ومحبت سے رخصت کیا۔ علامہ نے چلتے چلتے یہ بات کہی کہ آپ سے آج بڑا دکھ اور صدمہ لے کر جا رہا ہوں مگر اس کا انھوں نے کوئی اثر نہ لیا۔[2]

ع مگو بایار حرف ناملائم ؎ رگ گل طاقت نشتر ندارد

یوں ہی اکابر کے سلسلے میں ایک شخص کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا:-

جس نے دنیا میں دنیا کو کھو دیا ہو اس حیثیت سے مجاہد ملت سے متأثر ہوا۔[3]

---

[1] پاسبان دسمبر ۱۹۵۹ء [2] پاسبان اگست وستمبر ۱۹۶۰ء [3] پاسبان جنوری ۱۹۷۹ء

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی شان میں پاسبان ملت کی پیش کردہ منقبت کا یہ شعر علامہ کی عقیدت و محبت کا ترجمان ہے۔

تیرے جلوؤں میں نہائی آنکھ اپنی مدتوں
اب کوئی جچتا نہیں میری نظر کے سامنے

سیدنا اعلیحضرت کیلئے "امام" کا خطاب

یوں تو علامہ کو وقت کی تمام تاریخ ساز شخصیتوں سے عقیدت تھی لیکن اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا حب صادق تا حین حیات آپ کے دل و دماغ پر بادل بن کر چھایا رہا۔ اور ان کی الفت و محبت آپکی تائید و رہبری کرتی رہی۔ یہ ان کی بے پناہ عقیدت ہی تو تھی کہ مذہبی اسٹیج سے لے کر "ماہنامہ پاسبان" ہفت روزہ تاجدار، اور دیگر تصنیفات کے صفحات تک "بریلی ہمارا مرکز ہے" کا اعلان و پرچار کرتے رہے انھوں نے جیتے جی کبھی بھی یہ برداشت نہیں کیا کہ ان کے مرکز عقیدت پر کوئی آنچ آئے۔ فاضل بریلوی سے علامہ کی عقیدت مندی کے لئے سب سے بڑا مظہر تو "امام" کا خطاب ہے۔ جو سب سے پہلے پاسبان ملت نے لکھا اور کہا اور آج پوری دنیائے اسلام وسنیت انھیں "امام احمد رضا" کہہ رہی ہے۔

علامہ کے اس اظہار عقیدت پر کئی تنقیدی مضامین اور خطوط شائع ہوئے۔ ان خطوط میں ایک خط سید ضمیر الحسن کلکتوی کا بھی شائع ہوا تھا انھوں نے لکھا کہ جس ذات گرامی کو پوری دنیا اعلیحضرت کہتی ہے آپ اسکو "امام احمد رضا" کیوں لکھتے ہیں؟

پاسبان ملت نے اس کا مسکت جواب دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

میرے نزدیک اس سوال کا سیدھا اور دو ٹوک جواب صرف اتنا ہے کہ "اعلیحضرت" ایک مجلسی خطاب ہے جو ایک جماعت کے کسی بزرگ سے خوش عقیدگی

پر تو دلالت کرتا ہے مگر اس شخصیت عظمیٰ کے علمی فضل وکمال اس لفظ کا کوئی خاص اشارہ نہیں۔ برخلاف "امام" کے جو اپنی جامعیت اور معنویت کے اس قدر ہمہ گیر ہے جس سے اعلیٰ حضرت کی انفرادیت کا پتہ چلتا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے لئے یہ "امام" کی تجویز یہ محض میری خوش عقیدگی و نیازکیشی ہی پر مبنی نہیں ہے ۔ بلکہ صحیح معنوں میں وہ اپنے وقت کے امام تھے ۔ اگر غزالی و رازی اعلیٰ حضرت کے دور میں ہوتے تو وہ حضرات اپنے بعد یہی سرمایۂ قلم چھوڑ جاتے جو اعلیحضرت نے ہمارے لئے چھوڑا ہے! اور اعلیٰ حضرت اگر رازی وغزالی کے دور میں ہوتے تو ان کے نوک قلم پر وہی ہوتا جو آج ہم امام غزالی و امام رازی کی تصنیفات میں پاتے ہیں۔

مجھے اپنی رائے میں کچھ اصرار نہیں اگر اس انتخاب میں مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہے تو جذباتی ہیجان میں نہیں بلکہ پوری معقولیت سے جو صاحب مجھے مطمئن کر دیں میں اس کو واپس لینے پر تیار ہوں۔ واضح رہے کہ مجھ پر ایسے خطوط کا کوئی اثر نہیں ہوتا جن کا انداز تحریر یہ ہوتا ہے کہ آپ سنی نہیں معلوم ہوتے ۔آپ کو اعلیٰ حضرت سے چڑھ ہے ۔آپ نے تو اعلیٰ حضرت کو مسجد کا امام بنا دیا۔ یہ سب سطحی باتیں ہیں جنہیں کوئی وزن نہیں ۔ ورنہ میں بھی الزامی جواب دے سکتا تھا کہ جس کی نگاہیں اعلیٰ حضرت کے لئے لفظ "امام" برداشت نہیں کرسکتیں اس کے دل میں کچھ کھوٹ معلوم ہوتا ہے ۔کیا ضرور ہے کہ جب کو اعلیٰ حضرت کہا جائے اس کو امام نہ کہا جائے۔ الخ [1]

حضور مفتی اعظم ہند سے عقیدت کا حیرت انگیز کرشمہ:

مفتیٔ اعظمِ ہند علامہ مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کی ذات عالی صفات سے پاسبان ملت کی محبت وعقیدت کے جو جذبات وابستہ ہیں انھیں احاطۂ تحریر

[1] پاسبان اپریل سنہ ۱۹۶۰ء ۔

میں نہیں لایا جاسکتا۔ موصوف کے لئے "آقائے نعمت" کا جملہ آپ ہی کا نذرانۂ عقیدت ہے۔ کلکتہ میں ایک شخص کے سوال کے جواب میں آپ نے ہی فرمایا تھا۔ "بہت اونچا ہو کر جس نے اپنے کو کچھ نہیں سمجھا اس حیثیت سے حضور مفتیٔ اعظم ہند سے متاثر ہوا۔"

یہی وجہ تھی کہ تقریر ہو یا تحریر ہر مقام پر حضور مفتیٔ اعظم ہند کا ذکر جمیل بے نہایت حسین اداب والقاب سے کرنا آپ کا ایک معمول بن چکا تھا۔

محب مکرم جناب الحاج حافظ و قاری لعل محمد صاحب قادری گونڈوی سفیر و معتمد دارالعلوم غریب نواز جنھوں نے اپنی زندگی کے بیشتر لمحات علامہ کی رفاقت و خدمت میں گزارے اور پوری دیانتداری و نیک نیتی کے ساتھ دارالعلوم کے فروغ وارتقاء میں علامہ مرحوم اور مولانا انوار احمد نظامی کے بازوئے ہمت بن کر قومی و ملی خدمت کرنے میں غیر معمولی محنتوں کا مظاہرہ کرتے رہے۔ جزاہ اللہ عنا و عن سائر المسلمین۔ الحاج موصوف نے علامہ کا ایک چشم دید واقعہ راقم سے یوں بیان کیا:

ایک دفعہ اجمیر شریف میں علامہ کی ملاقات حضور مفتیٔ اعظم ہند سے ہوئی۔ آپ نے فرمایا مشتاق! تمھیں میرے ساتھ بذریعۂ ہوائی جہاز بمبئی چلنا ہے، چونکہ علامہ پاسبان ملت "ہارٹ" کے مریض تھے اس لئے انھوں نے عرض کیا۔ حضور کے حکم سے مجالِ انکار نہیں لیکن ہوائی جہاز سے معذرت چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا مشتاق! گھبراؤ مت میرے ساتھ چلو۔ علامہ نے عرض کیا حضور! یہ بات ساری دنیا کہے مگر آپ نہ فرمائیں۔

بالآخر علامہ نے حضرت کو جے پور ہوائی اڈے سے بمبئی کے لئے رخصت کر دیا اور خود دوسرے یا تیسرے دن بذریعۂ کار بمبئی کے لئے چل پڑے جب کار "کھنڈالہ گھاٹ" پر پہونچی تو سوئے اتفاق اچانک ایک پہیّہ کار سے الگ ہو گیا۔ اب تو سارے مسافروں میں واویلا اور نفسی نفسی کا عالم پیدا ہو گیا

ٹھیک ۔ اسی وقت حضور مفتی اعظم ہند بمبئی میں چند افراد (جنمیں جناب سیٹھ ابراہیم بھی تھے) کے بیچ بیٹھ کر تعویذ نویسی میں مصروف تھے آپ نے فرمایا آپلوگ ہاتھ اٹھائیں اور دعا کریں ۔ "علامہ نظامی کی کار بے لائن ہو چکی ہے"۔ اللہ تعالے اپنے حفظ وامان میں رکھے غوث وخواجہ کرم فرمائیں ۔ عقیدت کا کرشمہ دیکھئے علامہ کی وہی کار جو قابو سے باہر ہو چکی تھی اور چند لمحوں میں کئی سو فٹ گہرائی میں گرنے والی تھی ایک درخت سے اس طرح جا لگی جیسے کسی نے اپنے ہاتھ سے اسے کنارے لگادیا ہو ۔ اور اس طرح علامہ بال بال بچے ۔

دوسرے دن جب علامہ بمبئی پہنچے تو انھوں نے سیٹھ ابراہیم اور دیگر کئی حضرات سے اپنی سرگذشت بتائی تو سیٹھ ابراہیم نے بھی حضور مفتی اعظم کی حیرت انگیز کرامت اور اجتماعی دعا سے باخبر کیا ۔ جسے سنکر علامہ نظامی کی آنکھیں نم ہو گئیں ۔

ع کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے

ایسا نہیں کہ موصوف صرف اپنے اساتذہ یا پیر ومرشد ہی کا احترام کرتے ہوں بلکہ اپنے وقت کے تمام اکابر اور طریقت ومعرفت کی تمام سنّی صحیح العقیدہ خانقاہوں سے انھیں عقیدت ونیازمندی حاصل تھی ۔ اور ان کے لئے اپنا دیدہ ودل اس طرح بچھادیتے تھے کہ لوگ دیکھ کر حیران رہجاتے ۔

آقائی حضور حافظ ملت مولانا الحاج عبدالعزیز صاحب قبلہ محدث مرادآبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ (عربی یونیورسٹی) مبارکپور کو اپنے استاذ کی طرح مانتے جانتے تھے ۔ وہ فرماتے تھے "جس کے اردگرد بیٹھنے والوں میں ہر ایک یہ سمجھتا ہو کہ یہ مجھ کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں ۔ اس لحاظ سے حضور حافظ ملت سے میں متأثر ہوا"[1] چونکہ حافظ ملت اصحاب فن کی حوصلہ افزائی کرنے میں بڑے فیاض تھے اسلئے وہ علامہ نظامی کی فنّی صلاحیتوں کی بڑی قدر افزائی فرماتے تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ علامہ ایک عرصے تک الجامعۃ الاشرفیہ کی اہم ترین

---

[1] پاسبان جنوری ۱۹۷۹ء

کمیٹی "مجلس شوریٰ" کے اہم اور باوزن رکن ہے بقول علامہ بدرالقادری ہالینڈ "آقائے نعمت حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کو "پاسبان" اور "علامہ نظامی" کے ساتھ سچا پیار تھا کبھی علامہ کا ذکر کرتے تو ان کی آنکھوں میں خوشی کی چمک ظاہر ہو جاتی تھی۔" [1]

الغرض علامہ نظامی جیسی نیازمندی، خاکساری اور انکساری کا جذبہ رکھنے والے مشکل ہی سے ملیں گے ظاہر ہے کہ عقیدت و نیازمندی اور انکساری جب اپنا روپ بدل کر عیاری و مکاری اور مصلحت پسندی کا بھیس اپنالے تو آج کوئی بھی شخص علامہ نظامی کیسے بن سکتا ہے؟

اخلاص

اخلاص کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جو بھی کام کرے صرف ادائے فرض اور خدا اور رسول (جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم) کی رضا کے لئے کرے اسمیں کسی ذاتی خواہش کا کوئی دخل نہ ہو عمل کی یہی صفت دراصل انسان کو فلاح وکامرانی سے لذت یاب کرتی ہے۔

علامہ نظامی کے تمام دینی خدمات ان کے اخلاص و نیک نیتی کے مظہر ہیں ان کی حرکت وعمل کی راہ میں دامن اخلاص پر ذاتی غرض اور دنیاوی مفاد کی ہلکی سی چھینٹ بھی نظر نہیں آتی۔ انھوں نے عرصۂ دراز تک ملک و بیرون ملک کی سیکڑوں معرکۃ الآرا کانفرنسوں سے قومی وملی خدمات انجام دیئے۔ اور یہ کانفرنس واجتماعات جہاں ملّت کیلئے ایک ضروری اجتماعی عمل ہیں۔ وہیں ایک آزمائش گاہ بھی ہے کہ یہ شہرت ودولت، نمود ونمائش، داد وتحسین اور تعریف وتوصیف کے علاوہ حصول اقتدار کے ذرائع بھی ہیں لیکن علامہ کو ان خدمات ومشاغل سے اس طرح کی کوئی امید نہیں تھی۔ نہ تو زراندوزی کی اور نہ ہی صدارت وریاست کی جبکہ عموماً قائدین ملت پہ اس طرح کی حرص وطمع ان کے اخلاص پر غالب آجاتی ہے۔

راز الہ آبادی کے ذریعہ علامہ سے لئے گئے ایک انٹرویو کے کچھ اقتباسات

---

[1] حجاز جدید جنوری. فروری ۱۹۹۱ء

ملاحظہ فرمائیے جو محض ان کے اخلاص و ایثار کے مظہر ہیں۔

رازالہ آبادی۔: سنی تبلیغی جماعت کے دورہ میں سفر خرچ اور نذرانے کی کیا صورت ہوگی؟

علامہ نظامی۔: یہ دورہ ملک گیر پیمانے پر محض تبلیغی ہوگا حسب ضرورت ہم مختلف صوبوں کے مختلف مقامات کا دورہ کریں گے اس میں سفر خرچ اور نذرانے کا کوئی سوال نہ ہوگا۔

رازالہ آبادی۔: اگر لوگوں نے سفر خرچ اور نذرانے کا انتظام کر دیا تو؟

علامہ نظامی۔: ایسی صورت میں وہ رقم جماعت کے فنڈ میں جمع کر دی جائیگی تاکہ دوسرے مبلغین کو اس رقم سے بھیجا جاسکے۔

رازالہ آبادی۔: اور اگر لوگوں نے کچھ نہ دیا تو؟

علامہ نظامی۔: تو ان سے کوئی مطالبہ نہ ہوگا۔ اگر ہم خود ان کی مدد کے قابل ہونگے تو ان کی مدد کریں گے۔ ورنہ ان کی مدد کے لئے دوسرے اہل خیر حضرات کو توجہ دلائیں گے۔

رازالہ آبادی۔: پھر آپ کے مصارف کی کیا شکل ہوگی؟

علامہ نظامی۔: خدا کی راہ میں جو نکلتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے۔ جبتک سوچتے رہیں گے کام نہ ہوگا۔

رازالہ آبادی۔: کیا بھیمڑی کے مناظرہ کمیٹی نے آپ کو مدعو کیا تھا؟

علامہ نظامی۔: کوئی دعوت نامہ تو نہیں آیا تھا مگر یہ جلسہ نہیں تھا مناظرہ تھا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ ناموس کا جہاں سوال ہو وہاں دعوت کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔

رازالہ آبادی۔: گویا آپ بن بلائے مہمان تھے؟ قہقہہ

نظامی۔: ایسا بھی نہیں۔ روانگی سے قبل مخدوم زادہ سید غلام جیلانی میاں کا دعوت نامہ مل گیا تھا۔[1]

---

[1] ہفت روزہ تاجدار کا شہید نمبر بمبئی۔

خُرد نوازی

چھوٹوں پر شفقت، ان کی حوصلہ افزائی اور اصحابِ علم و فن کی حسبِ صلاحیت قدر افزائی کرنے میں علامہ بہت مشہور تھے۔ حالانکہ آج کا عام ذہن اس چیز کو اپنے لئے کسرِ شان تصور کرتا ہے جبکہ علامہ اسی چیز کو اپنے اور اپنی جماعت کے لئے داروئے شفا سمجھتے تھے وہ حوصلہ شکنی یا تنقید برائے تنقیص کے مخالف ہی نہیں بلکہ اسے تنگ نظری اور جماعتی روگ سے تعبیر کرتے تھے۔ میرے خیال سے وہ چاہتے تھے کہ میرے بعد آنے والی نسل کا ہر فرد "نظامی" جیسا بن جائے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے ہر فنکار کو اپنے اپنے میدان میں اس کی استعداد اور مرتبے کے لحاظ سے اس طرح نوازا، ابھارا، اٹھایا کہ آپ کے اس اندازِ کرم اور زبانِ فیض اثر نے بے شمار فرزندوں کی مخفی صلاحیتوں کو بیدار کرنے میں تریاق کا کام کیا اور اپنے چشمۂ صافی سے سب کو سیراب کیا۔ بلکہ وہ قتیل کی زبان میں یہ چاہتے تھے کہ:

گر ملے آبِ بقا بھی تو اکیلا نہ پیوں
پیاس اب صرف مری پیاس نہیں ہے یارو

میرے استاذ گرامی علامہ یٰسین اختر مصباحی فرماتے ہیں:۔

"ایک بار آپ کی مجلس میں مولانا قمر الزماں اعظمی مصباحی ہالینڈ کا ذکر آیا جو اس وقت ایک سنجیدہ مقرر کی حیثیت سے ابھر رہے تھے۔ حضرت نظامی صاحب نے مجھ سے کہا کہ اسطرح کے با صلاحیت نوجوان کی تعریف نہ کی جائے اور انھیں آگے نہ بڑھایا جائے تو پھر کس کی تعریف کی جائے؟ یہی لوگ تو آگے چل کر ہماری جگہ سنبھالیں گے۔ اپنے نئے تعلیمی سال کے آغاز کے لئے جب میں الہ آباد سے لکھنؤ چلا گیا تو ۱۹۷۲ء میں میرے خط کا جواب دیتے ہوئے حضرت نظامی صاحب نے تحریر فرمایا آپ کے اندر آگے بڑھنے کی لیک ہے جس کی میں قدر کرتا ہوں اور آپکا یہ جملہ آج تک میرے دل پر نقش ہے آپ کی اس شفقت کو بھی تا زندگی فراموش نہیں کرسکتا جب میں نے اپنے والد مرحوم نور محمد یغفراللہ لہٗ ۱۳۹۱ھ کے انتقال

کی خبر ایک خط لکھ کر دی تو آپ نے بمبئی سے اس کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا:
کاش میں اس وقت آپ کے قریب ہوتا تو اپنے سینے سے لگا کر آپ کا شریکِ غم بن جاتا اور آپ کے دل کا بوجھ ہلکا کر دیتا۔ [1]

ڈاکٹر سید شمیم گوہر صاحب الہ آبادی رقمطراز ہیں:
حضرت علامہ نظامی چونکہ ذرّے کو آفتاب بنانے میں بڑا کشادہ دل رکھتے تھے اسلئے اپنی دیرینہ شفقت و عنایات کی بنیاد پر اس ناچیز کو بھی بے حد نوازا (چند سطروں بعد) میرے سلسلے میں حضرت علامہ کی یہ ہمیشہ خواہش رہی کہ میں مقرر بھی بن جاؤں جس کے تحت وہ متعدد جلسوں میں مجھے اپنے ہمراہ لے گئے تقریر کرنے کا جو بھی معمولی ڈھنگ اور جو بھی حوصلہ ملا وہ حضرت علامہ نظامی ہی کی حوصلہ افزائی کی بنیاد پر۔ میں ماہنامہ نمائندہ الہ آباد کا مدیر رہا ہوں، یا ماہنامہ اشرفیہ کا حضرت علامہ کی شفقت و عنایت اور حوصلہ افزائی ہر منزل پر میرے ساتھ رہی اور اس ناچیز کی حقیر ادارت و صحافت کی دلجوئی کرتی رہی"۔ [2]

اس سلسلے میں ڈاکٹر موصوف کے نام علامہ کا ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیے جس کا حرف حرف ان کی دریادلی اور خردہ نوازی کا آئینہ دار ہے۔

ڈاکٹر سید شمیم گوہر کے نام ایک خط

"ماہنامہ اشرفیہ"، مبارکپور ایک بلند پایہ معیاری جریدہ ہے جسکی ادارت فاضل گرامی مولانا بدرالقادری مصباحی سے متعلق ہے۔ اچانک ان کے ہالینڈ چلے جانے سے ایک خلا محسوس کیا جارہا تھا اور ہونا بھی چاہئے تھا۔ انھوں نے اپنی بھرپور صلاحیتوں سے اس پودے کو تناور درخت بنانے کی کوشش کی تھی لیکن جب یہ خبر سنی کہ ادارت کے لئے اب آپ کو منتخب کر لیا گیا اور آپ نے اپنی چند در چند مصروفیات کے باوجود اسے قبول ہی کر لیا تو برجستہ یہ مصرع زبان پر آ گیا

ع لیلی پھڑک اٹھی نگہ انتخاب کی

---

[1] ماہنامہ حجاز جدید۔ نئی دہلی دسمبر ۱۹۹۰ء [2] حجاز جدید ۱۹۹۱ء

ہم پر امید ہیں آپ کی نوع بنوع اور گوناگوں صلاحیتیں سونے پر سہاگہ کا کام کریں گی۔ آپ نے کسی اسکول میں اردو سیکھی نہیں بلکہ آپ اور آپ کے خاندان نے اسے بہت کچھ دیا ہے اور اتنا دیا ہے کہ اردو نواز طبقہ اگر محسن کش یا احسان فراموش نہ ثابت ہوا تو ان عطیات کے روبرو سجود نیاز لٹانے کی آرزو کرتا رہے گا۔ رہ گیا اسلامیات و دینیات کا مسئلہ تو یہ دولت بھی آپ کو خاندانی ورثہ میں اتنی وافر ملی ہے کہ مدتوں دونوں ہاتھوں سے لٹاتے رہنے کے باوجود وارفتگان طریقت وتشنگان شریعت کی نہ تو بھیڑ چھٹے گی اور نہ ہی میکدۂ ساقی کے ساغر کی کوئی بوند کم ہو گی۔ ہم سرکار آسی کی زبان میں یہ کہہ سکتے ہیں ؎

اس کا پتہ نہ پوچھو بس آگے بڑھے چلو
ہو گا کسی گلی میں تو میلہ لگا ہوا!

ہم بظاہر آپ سے دور ہیں مگر ہماری نیک خواہشات بلند آرزوئیں آپ سے بہت قریب ہیں۔ آپ کسی بھی منزل پر ہراساں نہ ہوں۔ آپ ماہنامہ "نمائندہ" کی ادارت میں جن نشیب و فراز سے گزر چکے ہیں اس روشنی میں ہم آپ کو ایک تجربہ کار صحافی کہہ سکتے ہیں۔ آپ اس راہ کے اناڑی ناآشنائے راہ مسافر نہیں بلکہ منزل آشنا و منزل بدوش امیر کارواں رہ چکے ہیں آپ اپنی غیر محسوس صلاحیتوں کو اجاگر کیجئے اور تازیانۂ قلم سے دشمنانِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے جسم کو خون آلود کرتے رہیئے۔ قلم میں سنجیدگی اور متانت کی بھرپور رعایت کرتے ہوئے شاتمانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکروہ و گندہ چہروں کو بے نقاب کرنے میں تغافل و تساہل سے کام نہ لیں۔ جماعتی سطح پر ہماری بہت سی ضروریات ہیں ان سے صرف نظر کرنا خود اپنے اور اپنی قوم کو فریب دینا ہے اسلئے ماہنامہ "اشرفیہ" کے ہر شمارے میں اس کا خیال رکھئے کہ ہم قوم کو وہی دے رہے ہیں جس کی اسے ضرورت ہے۔ یا ایسا ہے کہ کچھ مال ہم نے تیار کر رکھا ہے جسے مارکیٹ میں بہر حال لانا ہے۔ اگر آپ نے جماعت کے طبعی تقاضوں سے انحراف

نہیں کیا اور وقت کی نبض پر انگلی کی گرفت صحیح رہی تو قوم نہ تو آپ سے ملول خاطر ہو گی اور نہ ہی اسے کوئی شکوہ اور گلہ ہوگا میرے قلب و جگر کی ٹیس اور کرب و اضطراب کا دوسرا نام "سنی تبلیغی جماعت" ہے۔ خدا کرے یہی میرا اوڑھنا بچھونا ہو جائے۔ اگر اس دینی تحریک سے ذہنی ہم آہنگی ہو تو گاہے گاہے ماہنامہ "اشرفیہ" میں سنی تبلیغی جماعت کا ذکر آتا رہے۔ یہی میری طمانیت و تسکین کے لئے بہت کافی ہے۔ غالباً اتنے سے بھی مایوس کرنے میں آپ خود بھی کوئی انبساط و خوشی محسوس نہ کریں گے اب مجھے احساس ہوا کہ غیر شعوری طور پر خط بہت طویل ہو گیا۔ اس تقریر سے جو میرا تأثر تھا اسے چند جملوں میں اظہار کرنا ہی مقصود تھا مگر بسا اوقات بعض تصورات اتنے حسین و پرکشش ہوتے ہیں کہ مقصد مغلوب ہو جاتا ہے اور حاشیہ غالب آجاتے ہیں۔ مگر یہ واضح رہے کہ حاشیہ وہی ہے جو اصل متن سے وابستہ ہو اسلئے اسے غیر ضروری نہیں کہا جا سکتا۔

مولانا شمیم! آپ ایک علمی روحانی خاندان کے چشم و چراغ ہیں صبر و قناعت، حلم و بردباری، تواضع انکساری، مردم شناسی و معاملہ فہمی، خاندانی روایات کی پاسداری آپ کے مضبوط ہتھیار ہیں۔ اگر آپ ابھی اس سے مسلح رہے تو ہر میدان آپ کے ہاتھ ہوگا۔ ہر ہر قدم پر میری نیک و پر خلوص دعائیں آپ کے شریک حال ہیں جہاں بھی رہیئے باغ و بہار بن کے رہیئے۔

مشتاق احمد نظامی

۲۷ رنومبر ۱۹۷۸ء ۵

۱۹۵۴ء میں مناظرہ دھنتکی ڈیہہ میں اہلسنت کی فتح و کامرانی میں علامہ ارشد القادری کی حسن کارکردگی پر حضرت علامہ کی مسرت و شادمانی اور قلبی تأثرات ملاحظہ فرمائیے! اور ان کی وسعت قلبی کو داد دیجئے کہ انھوں نے فرزندان اہلسنت کی جوہر شناسی اور ان کی عزت افزائی میں کس قدر فراخ دلی کا مظاہرہ

---

۵ پاسبان۔ جنوری ۱۹۷۹ء

کیا ہے۔ ۲۹ ستمبر ۱۹۵۴ء کو عیدگاہ دھتکی ڈیہہ میں مولوی اشرف علی تھانوی کی کفری عبارت پر مناظرہ ہوا۔ اہلسنت کی طرف سے مولانا ارشد القادری دیوبندیوں کی طرف سے مولوی عبد اللطیف اعظمی کو مناظر منتخب کیا گیا۔ مولانا ارشد استاذ العلماء مولانا عبد العزیز صاحب محدث پاسبان کے چہیتے شاگرد اور نوجوانان اہلسنت میں امتیازی خصوصیت کے مالک ہیں۔ چنانچہ رزمگاہ اہلسنت کا یہ نوجوان فاضل ہنستے مسکراتے چٹکیوں بجاتے مولوی عبد اللطیف کی خوب خوب خبر لیتا رہا۔ میں نے جمشید پور کے دوران تقریر میں کہا تھا کہ اہلسنت مطمئن رہیں یہ تجربہ ہے کہ وہابیت دھیرے دھیرے چپکے چپکے پنپتی ہے۔ اور جس دن وہابیت سر اٹھائے کہ ان کا جنازہ ان کے کاندھوں پر اٹھے گا۔ اللہ کا شکر ہے، وہی رزلٹ آؤٹ ہوا۔ جمشید پور بہار کا مرکزی مقام ہے اس لئے میں اپنے بھائی مولانا ارشد کو "فاتح بہار" اور "محبوب ملت" کے خطاب سے یاد کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتا ہوں اور اپنے عزیز بھائی کو ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرتا ہوں۔ رب کریم مولانا ارشد کی عمر میں ترقی اور اقبال مندی عطا فرمائے اور بزم اہلسنت کا یہ روشن چراغ تا دیر قائم رہے۔

اب بھی موقع ہے کہ اہل جمشید پور اس قیمتی ہیرے کو پہچاننے کی کوشش کریں اور مولانا ارشد کی ہر آواز پر لبیک کہنے کو تیار ہو جائیں۔ [1]

غرض کہ حضرت پاسبانِ ملت فرزندان اہلسنت کے لئے طبیعت اس قدر فیاض اور اپنے الفاظ کا ظرف اس قدر وسیع رکھتے تھے کہ خردہ نوازی اور عزت افزائی ان کا شیوہ بن چکا تھا: ؎

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز!
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

---

[1] پاسبان۔ نومبر ۱۹۵۴ء

تدریسی خدمات

درسگاہوں پہ سوگ ہے طاری
ایک استاذِ علم و فن نہ رہا
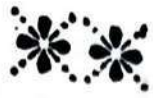
- تدریسی سفر
- تدریسی صلاحیت
- تفہیم
- تلامذہ

تدریسی سفر

مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں پڑھنے کے زمانے ہی سے آپ کو پڑھانے سے تعلق ہوچکا تھا۔ اس وقت جبکہ مدرسہ سبحانیہ کا تعلیمی معیار بہت اونچا اور بہتر تھا، آپ شرح جامی پڑھ رہے تھے اسی سال آپنے وہاں کے تیرہ بچوں کی جماعت کو شرح جامی پڑھانے کی ذمہ داری قبول کرلی تھی۔ اور پھر یہ سلسلہ فراغت تک جاری رہا۔

حضور مجاہد ملت اور شمس العلماء، آپ کے اندر پوشیدہ صلاحیتوں کو محسوس فرما چکے تھے یہی وجہ تھی کہ تکمیل تعلیم کے بعد دونوں اساتذہ کی خواہش ہوئی کہ مشتاق سے تدریسی کام لیا جائے۔ اسی کے پیش نظر آپ اپنے دونوں اساتذہ کے ایماء واشارے پر الہ آباد کی قدیم درسگاہ مدرسہ مصباح العلوم جو حضرت مولانا فخر الدین اور مولانا جلال الدین زینی جعفری کے زیر اہتمام چل رہا تھا اسمیں آپ مدرس ہو گئے۔ پھر الہ آباد ہی کی ایک قدیم درسگاہ "جامعہ حبیبیہ" میں تقریباً ایک سال تک تدریسی خدمات انجام دیئے۔ جس کے بانی آپ کے استاذ محترم حضرت مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ (متوفی ۱۹۸۱ء) ہیں۔

آپ کی تدریسی مہارت وصلاحیت کی شہرت مختلف مدارس عربیہ میں پھیل چکی تھی۔ بھلا ایسا کیوں نہ ہوتا حضور مجاہد ملت کے مایۂ ناز شاگرد ہونے کا شرف جو حاصل تھا۔ درس نظامیہ کے بیشتر علوم وفنون پر وسیع اور گہری نظر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ کچھ دنوں کے بعد "جامعہ فاروقیہ" بنارس کے اراکین نے آپ کو منصب صدارت کے لئے منتخب کیا اور وہاں تقریباً ۴ ماہ تک منصب صدارت پر فائز رہ کر شعبۂ تعلیمات کو چار چاند لگایا۔ اسی درمیان (مولانا صوفی شاہ عبد الکافی صاحب علیہ الرحمہ متولد ۱۲۷۵ھ متوفی ۱۳۵۰ھ) کا قائم کردہ قدیم ترین مدرسہ سبحانیہ الہ آباد جو کسی زمانے میں نہ صرف صوبہ بلکہ پورے ملک کی مرکزی ومعیاری درسگاہ تھی) کے اراکین کے اصرار پر مدرسہ سبحانیہ

چلے آئے اور یہاں تقریباً تین سال یا کچھ کم وبیش آپنے تدریسی جوہر دکھلائے۔

تدریسی صلاحیت

علامہ نظامی کی بہت سی خداداد صلاحیتوں میں تدریسی صلاحیت ویگانگت بھی مسلمات سے ہے گو کہ ایک عرصہ سے اُن کا تدریسی سلسلہ منقطع ہوچکا تھا اس کے باوجود مسائل اس قدر مستحضر تھے کہ جب کبھی کسی معاصر مدرس کی درسگاہ میں چند لمحوں کے لئے تشریف لے جاتے تو ان کی صلاحیتوں کو ایسے ہی پرکھ لیتے تھے جیسے کوئی جوہری سونے کو پرکھ لیتا ہے آپکی تدریسی صلاحیت کے معترف آپ کے اساتذہ بھی ہیں اور تلامذہ بھی۔ چنانچہ آپ کے استاذ گرامی حضرت شمس العلماء علامہ نظامی کی تدریسی کارگزاری کا ایک واقعہ یوں ذکر کرتے ہیں :۔

"مولانا مشتاق احمد نظامی جس زمانے میں "مدرسہ مصباح العلوم" میں پڑھا رہے تھے اس زمانے میں جناب شبیر احمد صاحب غوری مدارس عربیہ اتر پردیش کے رجسٹرار تھے غوری صاحب علوم نقلیہ کے ساتھ ساتھ علوم عقلیہ کے مسائل پر بھی عمیق نظر رکھتے تھے۔ وہ مدارس عربیہ اتر پردیش کے رجسٹرار کی حیثیت سے الہ آباد تشریف لائے۔ دیگر اور مدارس کا معائنہ کرتے ہوئے مدرسہ "مصباح العلوم"، میں بھی تشریف لائے۔ سارے مدرسین حسب معمول تعلیم دینے میں مصروف تھے۔

غوری صاحب کا طریقہ یہ تھا کہ وہ پہلے مدرس کی پڑھائی سنتے۔ پھر لڑکوں سے کچھ سوالات کرتے۔ جب لڑکے جواب نہ دے سکتے تو مدرس سے فرماتے تھے کہ ان بچوں کی تشفی آپ ہی فرمادیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اندازہ ہو جائے کہ مدرس کتنے پانی میں ہے۔ چنانچہ غوری صاحب تمام مدرسین کی درسگاہوں میں گئے اور آخر میں نظامی صاحب کے پاس آئے اور وہی طریقہ اختیار کیا جو کرتے تھے یعنی لڑکوں سے سوال کیا اور لڑکے جب لاجواب

ہو گئے تو نظامی صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ذرا آپ اس پر روشنی ڈالدیں ؟ جب نظامی صاحب نے ان کے سوالات کے جوابات پر روشنی ڈالنا شروع کیا تو نہ پوچھئے غوری صاحب حیرت سے ان کو دیکھنے لگے اور ایک ٹک دیکھتے رہے ۔ آخر میں ان سے پوچھا کہ آپ نے کس سے پڑھا ہے، تو آپ نے جواب دیا کہ حضور مجاہد ملت اور شمس العلماء مولانا نظام الدین سے پڑھا ہے ۔ اس کے بعد غوری صاحب نے "مدرسہ مصباح العلوم" کے معائنہ میں نظامی صاحب کی بہت تعریف لکھی اور اپنے گہرے تاثرات کا اظہار کیا۔

چونکہ غوری صاحب بہت ذی علم تھے اسلئے انھوں نے مولانا تقدس علی خاں صاحب سے (جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خاندان سے تھے) فرمایا کہ میں (مولانا) محمد نظام الدین سے ملنا چاہتا ہوں ۔ مولانا تقدس علی خاں نے وعدہ کر لیا اور میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ کو ایک اہل علم سے ملوانا چاہتا ہوں آپ میرے ساتھ چلیں ۔ چونکہ مولانا تقدس علی میرے لئے قابل احترام تھے میں ان کے ساتھ چل پڑا ۔ جب ہم لوگ غوری صاحب کے پاس پہنچے تو وہ بڑی خندہ پیشانی سے مجھ سے ملے اور کچھ علمی گفتگو شروع ہو گئی ۔ اس کے بعد جب تک غوری صاحب الہ آباد میں رہے ان کی بے پناہ مہربانیاں مجھ پر سایہ فگن رہیں ۔ ان میں سے "مدرسہ عالیہ" رام پور میں میرے تقرر اور مدرس اول ہونے کا واقعہ انھیں کے ایماواشارے پہ رونما ہوا ۔ جہاں میں گیارہ برس تک تعلیمی خدمات انجام دیتا رہا ۔

مذکورہ واقعہ سے نہ صرف علامہ نظامی کی تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے بلکہ ایک شاگرد اپنے استاذ کی نیک نامی اور شہرت وعزت کا باعث بھی بن رہا ہے ۔ اسی لئے حضرت شمس العلماء فرماتے تھے کہ مشتاق میری زندگی کی بہت بڑی کمائی ہے ۔

اسی طرح علامہ الذاراحمد صاحب نظامی ناظم اعلیٰ دار العلوم غریب نواز الہ آباد جو تادم حیات علامہ کی اطاعت شعاری اور خدمت گزاری کے لئے

کر بستہ رہے۔ رقمطراز ہیں:۔

بہت سے لوگوں نے علامہ نظامی صاحب کو محض ایک مقرر کی حیثیت سے جانا پہچانا مگر میں تو قواعد، منطق، فلسفہ، تفسیر، حدیث، فقہ کی بہت سی کتابوں کا ورق ورق سطر سطر پڑھ چکا ہوں۔ وہ ایک بہت ہی اعلیٰ پایہ کے کامیاب مدرس ہیں۔ [1]

تفہیم

تدریس ہو یا تقریر قدرتی طور پر انھیں گفتگو میں افہام و تفہیم کی مہارت حاصل تھی۔ ان کی تفہیم میں ان کے اساتذہ کی ہدایت اور اسلوب کی جھلک تھی۔ چونکہ حضور مجاہد ملت اور شمس العلما نے ان کو درس و تدریس ہی کے درمیان غیر شعوری طور پر افہام و تفہیم کی مشق کرا دی تھی یعنی علامہ نظامی کے ذمہ یہ کام سونپ دیا تھا کہ آنے والے سبق کا گہری نظر سے مطالعہ کر دیکھو۔ سبق پڑھو اور سبق پڑھنے کے بعد ساتھیوں کو پڑھتے ہوئے سبق کی تکرار کراؤ۔ اور ان چیزوں کی خود یہ حضرات نگرانی بھی کرتے رہے اور آپ کو اپنے اساتذہ کی ہدایت کی بدولت یہ دولت ملتی رہی اور انھیں محسوس بھی نہیں ہونے پایا کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے مگر ہو گیا ؎

ذرہ یہ بنے گا اک جہانِ رنگ و بو
چپکے چپکے ہو رہا ہے عہد و پیمان بہار

علامہ بدر القادری مصباحی ہالینڈ لکھتے ہیں:

مولائے قدیر نے ان کو شیریں بیانی و قادر الکلامی، علمی دسترس، بہت جاذب اور بالخصوص تفہیم کا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ باریک سے باریک مفہوم کو تمثیل کا جامہ پہنا کر سامعین کے قلوب میں اتار دینا ان کا خاصہ تھا۔ [2]

طبیعت دقت طلب اور مشکل پسند واقع ہوئی تھی اسلئے مخاطب خواہ طلبہ ہوں یا عوام و خواص ہر ایک کو اپنے ما فی الضمیر اور نقطۂ نظر کا یقین دلانے

---

[1] قہر آسمانی صفحہ ۱۳ [2] حجاز جدید جنوری فروری ۱۹۹۱ء

اور اس کی باریکیوں کی وضاحت کرنے میں کبھی کوئی تکلف محسوس نہیں کیا جب طلبہ کو پڑھاتے تو عبارت خوانی کے بعد حل لغات فرماتے۔ پھر نحوی و صرفی ترکیب بتاتے پھر عبارت کے مفہوم اور اس کی تشریح و توضیح پر مالہ' و ما علیہ کے ساتھ ساتھ مبسوط تقریر فرما دیتے۔ اور آخر میں سلیس و بامحاورہ ترجمہ کرتے۔ ترجمہ میں بھاری بھرکم اور بھونڈے الفاظ سے اکثر گریز فرماتے اور اس طرح دقیق سے دقیق مسائل بھی اشاروں میں طلبہ کے ذہن نشیں ہو جاتے۔ مثلاً ان کا مندرجہ ذیل کلام کا اقتباس ملاحظہ کیجئے۔ جو کہنے کو تو ایک تقریر ہے لیکن تقریر وہی ہے جو اصل تدریس سے وابستہ اور درسگاہ کا آئینہ دار ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

" حضرات ! آج کی تقریب میں مجھے کوئی مفصل گفتگو کرنی نہیں ہے محض اشارہ اور تمثیل میں ایک بات عرض کرنی ہے۔ ذہنی طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان حواس و عقل اور خرد و دانائی کے تمام تر اسلحہ کے باوجود پیغمبر کا محتاج کیوں ہے ؟ اور وہ کون سا خصوصی مقام ہے جہاں پیغمبر عام سطح انسانی سے الگ تھلگ نظر آتا ہے، یا وہ کون سے لوازمات نبوت ہیں جو عام انسانوں اور پیغمبروں کے درمیان خط امتیاز کھینچتے ہیں ؟

حضرات ! اس کا مختصر اور دوٹوک جواب تو صرف اتنا ہے کہ پیغمبر جہاں اپنے اور بہت سے خصوصی محاسن و فضائل سے ممتاز نظر آتا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ علوم غیبیہ پر مطلع ہوتا ہے۔ مثلاً خالق کائنات نے انسانوں کو چند حواس ظاہری سے نوازا ہے جن کو ہم اپنی اصطلاحی بول میں " حواس خمسہ" سے تعبیر کرتے ہیں ۱: قوت باصرہ ۲ :۔ قوت سامعہ ۳ :۔ قوت شامہ ۴ :۔ قوت ذائقہ ۵ :۔ قوت لامسہ۔

مثلاً یہ ہمارا اور آپ کا روزمرہ کا معمول ہے کہ ہم کسی شخص کو حسین و جمیل کہتے ہیں اور کسی کو کریہہ المنظر اور بدصورت۔ تو آیا یہ فیصلہ ہم نے کیوں کیا ؟ جس کا صاف اور سیدھا جواب یہ ہے کہ یہ ہماری قوت باصرہ کا فیصلہ ہے۔ ایسے ہی

ہم کسی کی آواز کو دل کش اور سریلی کہتے ہیں اور کسی کی آواز کو موٹی اور بھدّی تو کیا یہ ہماری
آنکھ کا فیصلہ ہے ؟ نہیں بلکہ یہ ہمارے سامعہ کا فیصلہ ہے۔ ایسے ہی ہم چمنستان میں
پہونچ کر خوشبو اور کوڑے خانے میں پہونچ کر بدبو محسوس کرتے ہیں تو کیا یہ فیصلہ
ہمارے کان کا ہے ؟ نہیں بلکہ یہ ہماری ناک قوت شامہ کا فیصلہ ہے۔ اسی طرح
ہم اور آپ انگور، انار، سیب، چاکلیٹ وغیرہ کو خوش ذائقہ کہتے ہیں اور نیم و
چرائتہ اور کریلا کو کڑوا اور بد ذائقہ کہتے ہیں۔ تو کیا یہ فیصلہ ہماری اور آپ کی
ناک قوت شامہ نے کیا ہے ؟ نہیں بلکہ یہ احساس ہماری زبان یعنی قوت ذائقہ
کا ہے۔ ایسے ہی ہم پتھر کو سخت اور موم کو نرم کہتے ہیں تو کیا یہ فیصلہ ہماری زبان
کا ہے ؟ نہیں بلکہ یہ فیصلہ ہماری قوت لامسہ کا ہے۔

حضرات! جب یہ بات ذہن نشیں ہو گئی کہ قدرت کائنات نے تمام ہی
انسانوں کو مندرجہ بالا پانچ طاقتوں سے آراستہ کیا ہے تو آئیے ہم اور آپ بھی
بارگاہِ نبوت کا جائزہ لیں اور یہ دریافت کریں کہ پیغمبر کی ضرورت ہم کہاں محسوس
کرتے ہیں ؟ کیا پیغمبر نے یہ بتا کر اعلان نبوت کیا کہ اے لوگو پھول میں رعنائی اور
ستاروں میں چمک ہوتی ہے، تو ساری دنیا کہہ دیتی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم نے کون
سی نئی بات بتائی یہ تو خود ہماری آنکھ کا فیصلہ ہے۔ اور اگر پیغمبر یہ کہتے کہ دیکھو
تم میں فلاں کی آواز بڑی ہی دل کش اور دل آویز ہے اور فلاں کی آواز انتہائی مکروہ
و ناپسندیدہ تو عرب کی بھرپور آبادی کہہ دیتی کہ اے محمد ابن عبداللہ اس فیصلے
میں ہم تمہارے محتاج نہیں ہیں۔ یہ خود ہمارے کان کا فیصلہ ہے۔ ایسے ہی اگر
پیغمبر یہ فرماتے کہ چمپا اور موتیا کے پھول میں خوشبو ہے مگر ببول کے پھولوں میں
کوئی خوشبو نہیں تو دنیا مذاق اڑاتی کہ اے آمنہ کے لال تم یہ کیا کہتے ہو یہ تو خود
ہمارا اپنا فیصلہ ہے۔ ایسے ہی اگر آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ
اے لوگو حلوے میں شیرینی اور اندرائن میں کڑواہٹ ہوتی ہے تو عرب کے
بڑے بوڑھے یہ کہتے کہ یہ کیسی شان پیغمبرانہ ہے کہ جس کو ہم خود اپنی زبان سے معلوم

کرلیں۔ اسکو آپ تعلیم نبوت قرار دے رہے ہیں اسی طرح اگر سرکار دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے کہ لوہے اور لکڑی میں صلابت وسختی اور موم کے ٹکڑے میں نرمی ہوتی ہے تو انسانیت ہنس پڑتی کہ آخر ش یہ بھی کچھ شانِ رسالت ہے جس کو ہم ہاتھوں سے ٹٹول کر معلوم کرلیں اس کو پیغمبر دلیل نبوت قرار دیتے ہیں۔

حضرات! جب آپ نے یہ باتیں سمجھ لیں کہ جن چیزوں کو ہم حواس ظاہری سے معلوم کر لیتے ہیں ان کی نشاندہی کے لئے پیغمبروں کو مبعوث نہیں کیا گیا تو از خود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر پیغمبر کا منصب کیا ہے؟ تو ہوسکتا ہے کہ آپ خیال فرمائیں کہ پروردگار عالم نے انسانوں کو حواس خمسہ کے علاوہ ایک چھٹی طاقت عطا فرمائی ہے جس کو ہم عقل یا قوت مدرکہ کہتے ہیں۔ لہٰذا پیغمبر صرف عقل ودانائی کی باتیں بتلانے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ تو اے محترم حضرات! یہ واضح رہے کہ عقل ودانش کے نہ جانے کتنے اصول وقوانین بڑے بڑے فلاسفر وسائنس داں متعین کر چکے ہیں تو کیا انھیں پیغمبر یا رسول سمجھا جائے؟ اور اگر ایسا ہی ہے تو بقراط وسقراط فارابی، بوعلی سینا، جالینوس کو نبوت ورسالت کا دعویٰ کرنا چاہئے تھا۔ اور آج جبکہ سائنس کی نئی نئی محیر العقول شاہکاریں ہمارے سامنے ہیں تو انھیں بھی نبوت کا دعویٰ کرنا چاہئے مگر ایسا نہیں ہے نہ تو اس گروہ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور نہ ہی ہوش وحواس رکھنے والوں نے ان کو پیغمبر کہا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ محض عقل ودانائی کی باتیں بتادینا دلیل نبوت نہیں ہوسکتی بلکہ پیغمبر کا منصب اس سے بلند وبالا ہے جہاں حواس کی رسائی نہ ہو اور عقل کے پر جل جاتے ہوں اور اسی کا نام ہے "پیغمبر کا مطلع علی الغیب" ہونا وہ ایک ٹوٹی ہوئی چٹائی پر بیٹھتا ہے مگر لوح محفوظ پر تبصرہ کرتا ہے۔ کبھی جنت ودوزخ کی باتیں بتاتا ہے تو کبھی پل صراط وحوض کوثر کا ذکر چھیڑتا ہے اس کی درسگاہ میں کبھی قبر کا تذکرہ ہے تو کبھی قیامت کا۔ آج کا فلسفی ریڈیائی لہریں پیدا کرسکتا ہے مگر اس کو نہیں معلوم کہ قبر میں اس کا کیا حشر ہوگا طبیب جڑی بوٹیوں کے خواص وتاثرات

بتا سکتا ہے مگر وہ یہ نہیں بتا سکتا کہ مریض کیا کھا کر آیا ہے اور کیا گھر چھوڑ کر آیا ہے نجومی چاند ستاروں کی گردش سے آنے والے حالات کا بطور اٹکل پچو جائزہ لے سکتا ہے مگر آسمان کے ستارے اس کی انگلیوں کے اشارے پر گھوم نہیں سکتے۔ چاند دو ٹکڑے ہو سکتا ہے اور نہ ہی ڈوبا ہوا سورج پلٹ سکتا ہے۔

حضرات! آپ نے مقصد گفتگو سمجھ لیا ہوگا کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں پیغمبری کی وہ بارگاہ ہے جس کے دروازے پر فلسفی، منطقی، نجومی سبھی دامن سوال پھیلائے کھڑے ہیں جبرئیل امیں الم، ن، والقلم، حم جیسے حروف مقطعات کی خبر دی۔ مگر وہ بھی رمز آشنا نہیں بلکہ لب ہائے نبوت کی جنبش کے منتظر رہے۔

انسانیت ہر حال میں پیغمبر کی محتاج ہے اور پیغمبر کا غیب داں ہونا ایک خصوصی وصف ہے۔ بلکہ لازمِ نبوت ہے۔ اسی لئے امام احمد رضا فاضل بریلوی نے یاایھا النبی کا ترجمہ فرمایا اے غیب کی خبر دینے والے (نبی) [1]

تلامذہ آپکی درسگاہ علم وحکمت سے بڑے بڑے مشاہیر علماء وفضلاء نکلے جنھوں نے اپنے اپنے اعتبار سے بڑا فضل وکمال حاصل کیا ہے چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:-

- مولانا انوار احمد نظامی۔ ناظم اعلیٰ دار العلوم غریب نواز الہ آباد
- عالیجناب ابوذر رمانی ایم اے ڈپٹی ڈائرکٹر اترپردیش وسابق رجسٹرار مدارس عربیہ اترپردیش۔
- مولانا نورالدین صاحب نظامی پرنسپل مدرسہ عالیہ رام پور یو۔پی
- مولانا عبدالحمید صاحب مرادآباد۔
- مولوی حافظ وقاری نعمت اللہ صاحب غازی پوری ثم الہ آبادی

اگر باضابطہ داخلہ رجسٹر وغیرہ سے طلبہ کا نام معلوم کیا جائے تو تلامذہ کی فہرست طویل ہو سکتی ہے

---

[1] پاسبان نومبر ۱۹۵۹ء

خطابت

اس دور کی اک معتبر آواز لئے جا

خطباتِ نظامی کو ذرا رآز لئے جا
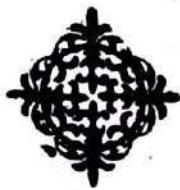
- آغاز تقریر اور کمسنی میں تقریر کی مقبولیت
- خطیبِ مشرق
- خصوصیات و محاسن
- کامیاب خطابت کیلئے خطیبِ مشرق کا مشورہ
- نظریۂ دعوت و اصلاح
- تقریر کی اثر انگیزی اور غیروں کے اعترافات

آغاز تقریر اور کمسنی میں تقریر کی مقبولیت

خطابت دنیا کا سب سے قدیم اور مؤثر ترین ذریعہ تبلیغ ہے ظاہر ہے کہ لکھنے کا فن ابھی رائج ہی نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا اگر انبیائے کرام اور دیگر محترم ہستیوں کو گم کردہ راہ بنی نوع انسان کی رہبری کی ضرورت پیش آئی ہو گی تو انھوں نے بھی رشد وہدایت کی تلقین خطابت ہی کے ذریعہ کی ہوگی۔ الغرض اللہ اور اس کے رسول کے پیغامات کو لوگوں تک زبانی گفتگو سے پہچانا۔ بالخصوص جب موضوع مشکل اور وضاحت طلب ہو تو افہام وتفہیم کا مرحلہ کس قدر دشوار ہوتا ہے یہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مقام ہر کس وناکس کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ قدرت جسے چاہے اپنے فضل سے نواز دے۔

این سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

عموماً انسان کے بچپن ہی سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ مستقبل میں کیا بننے والا ہے۔ یوں تو ابتداءً خطیب مشرق علامہ نظامی کا ذہن پڑھنے پڑھانے سے متعلق تھا لیکن قدرت کا منشا کچھ اور تھا خطابت کی دنیا ان کی منتظر تھی۔ فصاحت وبلاغت کا دروازہ ان کے لئے وا تھا، ملت ان کی خطابت کی چشم براہ تھی، انھیں حالات اور ماحول سے متأثر ہو کر کمسنی ہی سے تقریر پر توجہ دینے لگے تھے۔ شہر الہ آباد کی مسجدوں میں اکثر جمعہ کی نماز سے پہلے حاضرین کے سامنے وعظ کہا کرتے تھے۔ ان کی تعلیم کا وہ زمانہ جب ہندوستان کے بیشتر علاقوں میں شیر بیشۂ سنت، محدث اعظم ہند، حضور مجاہد ملت، حضرت جیلانی میاں، حضرت مفتی اعظم کانپور علیہم الرحمۃ والرضوان اور حضرت مولانا نظام الدین الہ آبادی وغیرہ علماء ومشائخ کی تقریروں کی

مثالیں خطیب مشرق کے سامنے آتی رہیں اور ان کی صحبت کیمیا اثر سے سابقہ پڑتے رہے تو ایسا ممکن نہیں تھا کہ ان پر اس صورتِ حال کا اثر نہ ہوتا اور ان کی اخاذ طبیعت اس فن کو تلاش نہ کرتی۔ چنانچہ مولانا نظام الدین صاحب فرماتے ہیں:۔

"چونکہ مولوی مشتاق نظامی کو تقریر اخذ کرنے کی صلاحیت ان کی تعلیمی زندگی ہی میں پیدا ہو گئی تھی کبھی ان کو اور کبھی مولانا کامل سہسرامی مرحوم کو اپنے ساتھ تقریروں میں لے جایا کرتا تھا اس کا اثر یہ ہوا کہ تقریری مواد اور جملوں کو ترتیب دینے کی صلاحیت دونوں میں بدرجۂ اتم پیدا ہو گئی۔"[1]

آپ کی سب سے پہلی تقریر صوبہ اتر پردیش کے ضلع بنارس کے ایک معروف قصبہ بھدوہی میں ہوئی اور پھر اس کے قرب وجوار کے علاقے مثلاً اردٹہاں، کھمریا، مادھو سنگھ وغیرہ میں تقریروں کا سلسلہ بندھ گیا۔ اور یہی علاقہ آپ کی تبلیغ وخطابت کا اکھاڑہ بن گیا اور اسی قصبہ بھدوہی میں آپ نے سب سے پہلا تعلیمی ادارہ قائم کیا جو آج مدینۃ العلم کے نام سے مشہور ہے۔[2] حالانکہ مذکورہ کارگزاری سے قبل ۱۹۴۶ء ہی سے خطیب مشرق جلسوں میں شریک ہونے لگے تھے۔ ظاہر ہے آپکی کم عمری کا دور تھا۔ ممکن ہے کہ ذمہ داران جلسہ و اراکین کمیٹی آپ کو دیکھ کر آپکی کمسنی سے مایوس ہوئے ہوں لیکن جب لوگوں نے آپ کی تقریر سنی۔ فن اور ورشن ان کے سامنے واضح ہوا تو یقیناً وہ مایوس نہیں ہوئے۔ بلکہ اس کے بعد مہینوں مہینوں، اور برسوں تک کے پروگرام کی درخواستیں پیش کیں۔

چنانچہ مولانا نظام الدین صاحب قبلہ ایک واقعہ ذکر فرماتے ہیں:

"بنارس کے بنیا پارک میں ایک عظیم الشان اجلاس ہوا کرتا تھا اسمیں مجھے مدعو کیا گیا۔ مولوی مشتاق نظامی کو بھی میں نے اپنے ساتھ لے لیا۔ جب

---

[1] غیر مطبوعہ بیان

[2] خطباتِ نظامی۔

میری تقریر کا وقت آیا تو وہاں کے انتظامیہ سے میں نے کہا کہ میں اپنے وقت میں سے کچھ وقت مشتاق نظامی کو دینا چاہتا ہوں میرے کہنے پر اراکین جلسہ نے برجستہ یہ کہا کہ کیا آپ ہمارے جلسہ کو خراب کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کے جلسے کو کامیاب بنانے ہی کے لئے یہ کہہ رہا ہوں۔ دیر تک بحث و مباحثہ کے بعد یہ کہتے ہوئے رضا مندی ظاہر کی کہ اچھا تو ان کے بعد جلسے کو سنبھالنا آپ کی ذمے داری ہوگی۔ میں نے اسے منظور کیا اور اپنے وقت میں سے صرف پندرہ [۱۵] منٹ دیدیا اور وہیں میں بیٹھ گیا۔ وہ کھڑے ہوئے تو میں کیا بتاؤں وہ تقریر تھی یا عشقِ رسول کی بوندوں کی بارش تھی۔ ان کی تقریر کے بعد میرا نمبر آیا تو خدا شاہد ہے کہ جن لوگوں نے نظامی کی تقریر سُنی وہ نظام کو بھول گئے اور نظامی کی تقریر کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ انتظامیہ کے وہی لوگ جہاں تھوڑا سا وقت دینے کو تیار نہیں تھے ان کو مسلسل ایک ماہ کی تقریر کے لئے روک لیا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء۔

خطیبِ مشرق

اب تدریجاً آپکے تقریری پروگرام کی ہماہمی بڑھتی گئی۔ اب زندگی صبح کہیں اور شام کہیں والی ہوگئی تھی۔ پڑھانے کی فرصت کہاں تھی اسلئے آپنے مدرسہ سبحانیہ سے استعفیٰ دیدیا اور ملک کے تمام صوبوں مثلاً مالا بار، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش، اتر پردیش، گجرات، بہار، بنگال، کرناٹک، آندھرا پردیش، راجستھان جیسے تمام علاقوں پر بادل بن کر چھا گئے اور اسی بنا پر آپ کو "خطیب مشرق" کا اعزازی خطاب دیا گیا۔ جیسا کہ حضرت شمس العلماء فرماتے ہیں۔

میں نے محرم کے مہینے میں حکیم فضل رحیم صاحب کی خدمت میں مولوی مشتاق نظامی کو تقریر کرنے کے لئے بھیجا اور ان سے یہ تاکید کر دی کہ بمبئی میں تقریر کے لئے سودے بازی ہوتی ہے تم اسمیں نہ پڑنا۔ کہنا کہ مجھے صرف تقریر کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ چنانچہ جب کبھی ان سے سودے بازی

کی بات کی گئی تو انھوں نے میری نصیحت
کو اپنے لئے مشعل راہ بنایا۔ نتیجۃً کسی نے ان کو نہیں پوچھا۔ بالآخر انھوں نے
مجھے ٹیلی گرام کیا کہ یہاں کی دنیا ہی دوسری ہے صورتِ حال یہ ہے کہ میں ویسے
ہی واپس آؤں گا۔ میں نے فوراً بذریعہ تار منی آرڈر روپیہ بھیجا کہ تم جلد چلے
آؤ۔ اس تار کے جانے اور آنے کے دوران ایک مقرر مولانا صاحب علیل
ہو گئے۔ اور وہاں کے لوگوں نے بادل ناخواستہ خانہ پری کے لئے مولانا
مشتاق نظامی کو حکیم فضل رحیم کے مشورے کے مطابق منظور کر لیا۔ پھر نہ
پوچھئے کہ مشتاق نظامی نے کیا گل کھلایا کہ اراکین جلسہ ان کے گرویدہ ہو گئے
اور اپنے یہاں کے لئے ہر سال کے لئے ان کو مقرر منتخب کر لیا اور وہیں
سے کلکتہ، بمبئی، مدراس وغیرہ بڑے بڑے شہروں میں یہ بلائے جانے لگے
اور "خطیب مشرق" کے خطاب سے سرفراز کئے گئے[1] اور ہندوستان کے
چپے چپے، گوشے گوشے میں اپنی تقریر کی دھوم مچادی۔ اس مقبولیت اور
ہر دل عزیزی کو دیکھ کر مولانا ظفر ادیبی صاحب مبارکپوری فرمانے لگے، کہ
مشتاق نظامی مولانا نظام الدین صاحب کا ایک علمی شاہکار ہے۔

خصوصیات و محاسن

جماعت حقہ اہلسنت وجماعت میں
ہمیشہ سحر انگیز خطباء کی ایک معتد بہ تعداد رہی ہے لیکن ان میں خطیب مشرق
کی خصوصیات کی بنیاد پر ان کی انفرادیت اور یگانگت نمایاں رہی۔
آپ کی تقریر مفکرانہ طریقۂ استدلال کی مظہر اور "کلموا الناس
علیٰ قدرِ عقولِہم" کی آئینہ دار ہوتی۔ آپ ہی کی خصوصیت تھی کہ شرکائے مجلس
آپ کے سارے خیالات اچھی طرح سمجھ لیتے تھے۔ اور ان پر عمل کرنے

[1] غیر مطبوعہ

میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتے تھے۔ آپ کی بیش تر تقریروں میں اپنے اکابر و مشائخ کا نیاز مندانہ و عقیدت مندانہ تذکرہ ضرور شامل ہوتا جلسے کا بنیادی تقاضہ جو بھی ہو اپنے "مشن" کو کسی موقع پر نظر انداز نہیں کرتے تھے خطیب مشرق نے خطابت کو بحیثیت فن نہیں بلکہ بطور مشن استعمال کیا خطابت کے پس منظر میں عقائد اہلسنت اور اعلیٰ حضرت کے مکتبۂ فکر کی نمائندگی کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اور یہی ان کی عوامی شہرت و مقبولیت کا سبب بنتا گیا۔ آپ اپنے معاصرین میں فن خطابت کے ایسے پیش رو امام تھے جس کی گرد راہ نے اوج ثریا کو منزلوں پیچھے چھوڑ دیا۔ اسی لئے آپ کو یہ خصوصیت بھی حاصل رہی کہ آپ کی تقاریر کو نمائندگی اور خطابت کا نمونہ قرار دیتے ہوئے جماعت کے خطباء نے دینی و تبلیغی خدمات کے لئے سنگ میل اور محور قرار دیا۔

آپ کی تقریر کی ایک بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ جو کچھ فرماتے اسے عوام و خواص یکساں طور پر سمجھ لیتے تھے۔ مثلاً فلسفۂ بشریت، علم غیب نبی، امتناع نظیر جیسے خالص علمی بحثوں میں ان کا کمال یہ تھا کہ اہم سے اہم مفہوم کو اشارہ و تمثیل میں سامعین کے دل و دماغ میں اتار دیتے تھے۔ اپنے عقیدے اور مسلک کے فلسفیانہ اسلوب کو محبت کی زبان دینے والے ایک منفرد خطیب تھے۔ آپ کی تقریریں زبان و ادب اور شعر و سخن کی بھی شاہکار ہوتیں خطیب مشرق جس وقت ممبر خطابت پر تشریف لاتے تو ان کے رس گھولتے ہوئے الفاظ اور کھنکتے ہوئے جملوں سے ایسا محسوس ہوتا کہ سامعین کسی جلسے یا کانفرنس میں نہیں بلکہ رزمگاہ حق و باطل میں بیٹھے ہیں۔ الغرض آپ کی خطابت کی یہ وہ خوبیاں ہیں جو دیگر خطباء اور مقررین کے درمیان خط امتیاز کھینچتی ہیں۔

کامیاب خطابت کے لئے علامہ کا مشورہ

ایک کامیاب مقرر کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے قدرت

نے وہ سارے اوصاف خطیب مشرق کو عطا کئے تھے۔ مثلاً لب و لہجہ کی شیرینی، زبان کی پاکیزگی، افہام و تفہیم کا ملکہ، فصاحت و بلاغت، نکتہ آفرینی، قادر الکلامی، علمی تبحر، طلاقت لسانی، ذہانت اور حافظے کی بے مثال نعمت، مردانہ حسن، نفیس طبیعت کیا نہیں تھا ان کی ذات میں۔ یہی چیزیں ایک خطیب کی کامیابی کے اہم اجزا ہیں۔

اس سلسلے میں اپنی ایک آپ بیتی یاد آئی میری خوبی قسمت کہیے کہ ۱۹۷۶ء میں بمبئی کی مجالس محرم میں مسلسل ایک ماہ تک حضرت کی رفاقت نصیب ہوئی۔ بہت قریب سے ان کی فنی صلاحیت کو دیکھنے کا موقع ملا۔ لیکن اس ایک ماہ کے بعد حضرت کی مسلسل علالت کے باعث حقیر کو اکتساب فیض کا موقع نہیں مل سکا۔ ۵

سمیٹ لیتا ہر ایک گل کی خوشبوئیں ناصر
بہار میں اگر اندیشۂ خزاں ہوتا

اسی موقع پر ناچیز راقم الحروف نے انتہائی ادب سے عرض کیا، کہ آخر کسی خطیب کی کامیابی کے اسباب کیا ہو سکتے ہیں تو موصوف نے فرمایا کہ:

خطیب کا پہلا مقصد سامعین کو اپنا ہم خیال بنانا یا انھیں اپنی رائے پر متفق کرنا ہے لیکن یہ کام آسان نہیں اسکے لئے کئی چیزیں ضروری ہیں:۔

۱:۔۔۔ تقریر کا موضوع ایسا ہو جسکی اہمیت کا ہر شخص قائل ہو اور لوگ اسے مقاصد زندگی میں سے خیال کرتے ہوں۔

۲:۔۔۔ مقرر موضوع کے ہر گوشے پر حاوی ہے۔

۳:۔۔۔ موضوع کے مخالف دلائل کی تردید و تغلیط میں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اور خود اپنے خیالات میں کوئی تذبذب نہ ہو۔

۴:۔۔۔ مقرر کو بسا اوقات اپنی گفتگو کو طویل کرنا ناگزیر ہوتا ہے لیکن اگر ایسا نہ کر کے اپنے خیالات کو مدلل طریقے سے مختصر الفاظ میں سامعین کے سامنے رکھ سکے تو اس کا اثر کہیں بہتر ہوگا۔

۵ ـــــ اگر مقرر کو اپنے خیالات مؤثر طریقے سے پیش کرنے میں اتنی مہارت ہے کہ ہر مخاطب سن کر یہ محسوس کرنے لگے کہ گویا وہ خود اس کے دل کی ترجمانی کر رہا ہے تو اس کی کامیابی میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی۔

موصوف کے یہ ملفوظات بظاہر چند جملے ہیں لیکن وہ رہ روانِ خطابت کے لئے ایک نسخۂ کیمیا اثر ہے۔

قلیل منک یکفینی ولٰکن
قلیلک لا یقال لہ قلیل

اسی سلسلے میں خطیب مشرق کے کچھ اور انتہائی مفید اور کار آمد مشورے ملاحظہ فرمائیے جو بالخصوص مدارس کے طلبہ کے لئے خطابت کے باب میں مستقل ایک قابل یادداشت سبق ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

۱:ـــــ تقریر ایک فن ہے مگر فن برائے فن نہ استعمال کیا جائے بلکہ فن برائے مشن مذہب کا فروغ اور مسلک رضویت کی تشہیر سب پر مقدم رکھا جائے۔

۲:ـــــ تقریر کثرت مشق کا نام ہے علم اور معلومات کی زیادتی سے تقریر نہیں آتی بلکہ عوام کی بھیڑ بھاڑ میں اس کے استعمال سے آتی ہے۔

۳:ـــــ وقت اور ماحول کا جو شرعی تقاضا ہو اس کی مناسبت سے عنوان منتخب کرنا چاہیئے۔ تقریر فروشی اور ضمیر فروشی سے دامن کو داغدار نہیں کرنا چاہیئے۔

۴:ـــــ تقریر میں وہی بات کہی جائے جس کا عند الضرورۃ حوالہ پیش کیا جا سکے۔

۵:ـــــ تقریر بہت ہی صاف و شستہ زبان میں کیجئے اور اس کو روزمرہ کی زبان بنا لیجئے۔ تاکہ دوران تقریر اچھے الفاظ کی تلاش میں لکنت نہ پیدا ہو۔

۶:ـــــ زبان میں تذکیر و تانیث کا بہت خیال رکھئے تاکہ سامعین آپ کے بارے میں یہ گمان نہ کریں کہ دس برس کی طالب علمانہ زندگی میں جب اردو زبان نہ سیکھ سکے تو فارسی و عربی کیا سیکھی ہو گی۔

۷:ـــــ خواہ آپ اپنے فن میں کتنے ہی کامیاب ہوں مگر کبر و غرور آپ کے تلوے

تک نہ پہونچے۔ یہ زوال کا پہلا زینہ ہے۔ تواضع و انکساری ہی میں سربلندی و سرفرازی ہے۔

۸:۔۔۔ شروع ہی سے ذہن کو لطائف و ظرائف، قصص و حکایات اور چٹکلے نما واقعات سے دور رکھئے اور علمی نکات و باریکی میں ذہن کو اتارنے کا عادی بنئے۔ اس طرح اعلیٰ اسطح کے کامیاب مقرر بن جائیں گے۔

۹:۔۔۔ تقریر عوام کے لئے کی جاتی ہے نہ کہ اسٹیج کے علماء اکابر و مشائخ کے لئے اس لئے آپ دوران تقریر عوام سے مخاطب ہوں نہ کہ علماء سے۔ آپ ہلکی اس غلطی میں مبتلا نہ ہوں کہ یہ طبقہ آپ سے استفادہ کے لئے بیٹھا ہے۔

۱۰:۔۔۔ آغاز تقریر ہی سے آپ نذرانہ کے خواہشمند نہ ہوں بلکہ اپنے فن کے فروغ کے لئے اپنے اکابر سے تقریر کرنے کے مواقع حاصل کیجئے۔ اگر تقریر کامیاب ہو جائے تو اسی کو اپنی تقریر کا بہترین نذرانہ تصور کیجئے ویسے آپ کا جیسا معمول ہو اپنی صوابدید پر عمل پیرا ہوں۔

۱۱:۔۔۔ اپنے اسلاف تقریر و تبلیغ کی راہ میں عوام اور انجمنوں پر بوجھ بننا پسند نہ فرماتے۔ لہٰذا چاہیے دشواریاں جھیلنی پڑیں اپنی طرف سے بھی عوام کی سہولتیں دی جائیں تاکہ اصلاحی و تبلیغی جلسے زیادہ سے زیادہ ہو سکیں۔

۱۲:۔۔۔ تقریری مواد کے لئے کسی بھی غیر معتبر و غیر مستند کتاب کا مطالعہ ہرگز ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔

۱۳:۔۔۔ ایک مقرر کو مجمع کے ہجوم سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ بلکہ بلا جھجک نڈر ہو کر تقریر کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ ورنہ آپ اصل میٹر نہیں بولیں گے بہکی بہکی تقریر ہوگی۔ گویا بے جوڑ کا پیوند۔

۱۴:۔۔۔ ایسا اجلاس جو کئی رخا سے یک رخا کرنے کی کوشش کی جائے اس سلسلے میں حکمت عملی اور مصالح شرعیہ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔

۱۵:۔۔۔ تقریر خواہ کسی عنوان پر کیجئے لیکن ہر تقریر میں یہ سمجھانے کی ضرور کوشش

کیجئے کہ ہمارا اور ہمارے حریف کے عقائد میں بنیادی اختلاف کیا ہے وقت کی یہ بہت اہم ضرورت ہے۔ [1]

نظریۂ دعوت و اصلاح

انسان فطرۃً مختلف المزاج واقع ہوا ہے۔ کچھ لوگ نرم مزاج اور کچھ متشدد اور سخت گیر ہوتے ہیں اور ایسے حالات میں جبکہ ہر شخص مختلف عادت وخصلت اور جداگانہ فکر ونظر کا مالک ہے تو آخر مذہب اسلام کی تعلیمات کی دعوت وتبلیغ کا کون سا طریقہ اپنایا جائے جو تمام انسانوں کے درد کا درماں بن سکے۔ کیا ہماری دعوت صرف "اشداء علی الکفار" کی آئینہ دار ہونی چاہیئے یا صرف "ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة" کی تصویر ہونی چاہیئے۔ یا دونوں کی عملی تفسیر ہو؟

اس سلسلے میں خطیب مشرق کی تبلیغی زندگی کا جائزہ لیجئے تو یہ محسوس ہو گا کہ موصوف نے اس ابتلا وآزمائش کے دور میں

ع مردے از غیب بروں آمد وکارے بکند

کا مظہر بن کر یہ ثابت کر دیا کہ قرآن وسنت پر مبنی عقائد حقہ کی خاطر خالد وش مجاہد کی طرح قربانی دینے والے افراد کی کمی نہیں جس کا عملی ثبوت ایک یہ ہے کہ جن دنوں سرزمین ہند پر قوم کے ضمیر فروش اور دین فروش حضرات مصلحت کوشی کا بھاشن دے رہے تھے۔ انھیں دنوں خطیب مشرق اعلائے کلمۃ الحق، اور تحفظ ناموس رسول کے لئے انگاروں اور پانی کے دھاروں سے کھیل رہے تھے اور دین میں چکنی چپڑی باتوں اور مصلحت کوشی کو ٹھکرا کر ڈنکے کی چوٹ پر بدعقیدگی کے خاتمہ کے لئے قوم پر حق وباطل واضح کر رہے تھے۔

ایسا نہیں کہ تبلیغ وتوضیح میں صرف سختی ہی کے قائل تھے یا صرف نرمی ہی اختیار کرتے تھے بلکہ ان کی تبلیغ دونوں چیزوں کی مظہر تھی۔ گویا وہ

---

[1] خطبات نظامی

ایک جماعت کو اس گھر کی طرح سمجھتے تھے۔ جسے آگ اور پانی دونوں کی ضرورت پڑتی ہے اگر گھر میں آگ میسر نہ ہو تو چولھے کی ہانڈی میں ابال نہ آئے۔ اور اگر پانی نہ ہو تو بھی ہر لمحہ جل کر خاک ہو جانے کا اندیشہ رہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ حالات اور تقاضوں کے مطابق کبھی حکمت و موعظت کا انداز اپناتے اور کبھی شدت و غلظت سے کام لیتے تھے گویا وہ دعوت کے مخاطب کے مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے بعض کو سمجھا سمجھا کر اور بعض کو ڈانٹ ڈپٹ کر راہ راست پر لانے کے حق میں تھے وہ ایک مقام پر رقم طراز ہیں:۔

"جماعت کے جمہوری نظام میں ڈکٹیٹر شپ سے کام نہیں چلتا جماعت کو نرم گرم دونوں افراد کی ضرورت پڑتی ہے۔ کہیں اشداء علی الکفار پر عمل کیا جاتا ہے۔ اور کہیں حکمت و موعظت کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ یہ اپنے اپنے طریق فکر اور حالات کے تقاضے پر مبنی ہے۔"[1]

خطیب مشرق نے اپنی زبان و قلم کا سب سے زیادہ زور عقیدے کی اصلاح پر صرف کیا کیوں کہ انھوں نے ایک دور اندیش مصلح اور ماہر طبیب کی طرح قوم کی نباضی کی اور یہ محسوس کیا کہ ایمان صالحہ کی پوری دیوار اور بنیاد ہی عقائد صحیحہ پر کھڑی ہے اور جب تک قوم میں ایمان و عقیدے کا آئینی و اصولی اختلاف رہے گا اس وقت تک کردار و عمل کا اتحاد ہو ہی نہیں سکتا اسلئے ان کی نظر دیوار کے بیل بوٹوں اور نقش و نگار کے بجائے اس کی بنیاد پر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے پہلے مذہبی حقائق اور مابہ النزاع اصولی مسائل سے قوم کو آشنا کیا۔ البتہ کچھ لوگ آپ کے انداز تکلم بدل جانے اور شدت اختیار کر لینے پر ناراض رہتے تھے حالانکہ ایسے افراد اگر ان کی دعوت کے تقاضوں اور پس منظر پر غور کریں تو اس کا فلسفہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ

منظور ہے اس بزم میں اصلاح مفاسد
نشتر جو لگاتا ہے وہ دشمن نہیں ہوتا

---

[1] پاسبان مارچ ۱۹۵۵ء

تقریر کی اثر انگیزی اور غیروں کے اعترافات

تقریباً نصف صدی تک خطیب مشرق مذہبی فروغ واستحکام اور ایمان کی روشنی عام و تام کرنے کے لئے قوم و ملت سے خطاب فرماتے رہے۔ زبان و بیان کی تاثیر، مناظرانہ لب و لہجہ اور عقل و نقل کے مستحکم دلائل کے علاوہ عظمت و احترام مصطفےٰ و توقیر اولیاء امت پر مخالفین کے کس بل ڈھیلے کر دینے والی ناقابل انکار اور عام فہم دلیلوں نے سامعین کے خاص و عام کو متاثر کیا۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کی کوئی محفل و مجلس ایسے بدعقیدہ افراد سے کبھی خالی نہیں رہی جو آپ کی تقریر سن کر اپنی بدعقیدگی سے تائب نہ ہوئے ہوں یا ضعیف الاعتقاد سنی ایمان کی پختگی سے مشرف ہوئے ہوں۔ اسی لئے اغیار بھی آپ کی فنی مہارت کا اعلانیہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے اور کچھ مصلحتاً خاموش رہے۔ یقیناً یہ سب آپ کی سحر طرازی اور اپنے مشن کے ساتھ انتہائی خلوص کا ثمرہ ہے کیونکہ موصوف اپنے مشن کا اظہار ہر مقام پر بغیر کسی رو رعایت کے کیا کرتے تھے۔ خواہ داد و تحسین ملے یا طعن و تشنیع ؎

نہ مرا نوش ز تحسیں نہ مرا نیش ز طعن !!

نہ مرا گوش بمدحے نہ مرا ہوش ذمے

جناب ولی محمد گورجی لکھتے ہیں :

میرے پاس ایسے خطوط موجود ہیں جن میں لوگوں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ مولانا نظامی کی تقریر سن کر میں وہابیت سے تائب ہوا۔ اب مجھ پر حقیقت واضح ہو گئی۔ • علامہ کے ایک جلسے میں کسی وہابی نے کہا "مولانا باتیں سچ فرماتے ہیں اور دلیلیں تو ایسی ہیں کہ دل پر نقش ہو جاتی ہیں مگر یہ ہمارے مولویوں کو برا کہتے ہیں • گجرات کے وہابیوں اور دیوبندیوں کو بھی اس کا اقرار ہے کہ مختلف فیہ

مسائل پر ایسے مضبوط دلائل سے بولنا یہ مولانا مشتاق نظامی کا اپنا حق ہے۔

• مولانا کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ایسے مقامات جہاں ۲۵ برس سے کسی سنّی عالم کی تقریر نہ ہوئی تھی وہاں آپ کے بیانات ہوئے ہیں۔ • "مونڈا فلیہ گجرات"، شہر بھڑوچ میں جب آپ کے جلسے کا اعلان ہوا تو دیوبندیوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ آپ کی تقریر نہ ہو سکے مگر نوجوانوں کے جوش و خروش کا یہ عالم کہ بھانجے نے ماموں سے کہا "آج سے تو میرا ماموں نہیں اور میں تیرا بھانجہ نہیں • دِلن ضلع بڑودہ میں ۲۰ برس سے کسی سنّی عالم کا بیان نہیں ہوا تھا۔ آپ نے ڈھائی گھنٹہ مسلسل تقریر کی تو گجرات کی وہابیت میں کھلبلی مچ گئی۔ وہاں کے سنیوں کا کہنا ہے کہ آج ۲۰ برس کے بعد ہم لوگوں نے سلام کھڑے ہو کر پڑھا ہے۔ [۱]

بقول حضور حافظ ملت بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور۔ آپ نے ایک وہابی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر نظامی جیسا خطیب ہمیں مل جائے تو پورے ہندوستان کو ہم وہابی بنا دیں۔ [۲]

"آل راجستھان سیرت کانفرنس" میں علامہ نظامی کی شہادت کے موضوع پر تقریر کرنے کے بعد بوہرہ جماعت کے لوگوں نے کہا اگر نظامی صاحب! ہماری جماعت کے عالم ہوتے تو ہم ان کے قدموں کے نیچے اشرفی بچھاتے [۳] اسی طرح کوٹہ میں آپکی تقریر کے بعد ایک شیعہ نے کہا "اگر یہ ہماری جماعت کے خطیب ہوتے تو انھیں ہم سونے سے تولتے [۴] ایسے ہی ایک شخص نے کہا اگر نظامی ہمارے اسٹیج پر ۵ منٹ کے لئے بیٹھ جائیں تو ہم چالیس ہزار کی نذر گذاریں [۵] الغرض انھیں دولت کے علاوہ اقتدار وحکومت کی بھی لالچ دی گئی مگر موصوف کو خوف تھا تو صرف اللہ کا۔ اور لالچ تھی تو صرف اسکی رضا کی۔ اور بس اسکے علاوہ خوف و للچ کا کوئی حربہ ان پر غالب نہ آسکا۔

تزول الجبال الراسیات وقلبهم ∴ علی العهد لا یلوی ولا یتغیر

---

[۱] تا [۵] پاسبان اکتوبر ۱۹۶۱ء

دارالعلوم غریب نواز الہ آباد

مرکزِ علم و ادب میں کھول کر دارالعلوم
کردیا ثابت الہ آباد ہے شہرِ اصیل
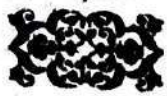
- قیامِ دار العلوم اور اس کا تصور
- تعلیمی و تنظیمی امور اور علامہ انوار احمد نظامیؒ
- نظریہ تعلیم و تربیت اور جدید نصاب تعلیم
- شعبۂ صنعت
- دار العلوم کے ابنائے قدیم سے
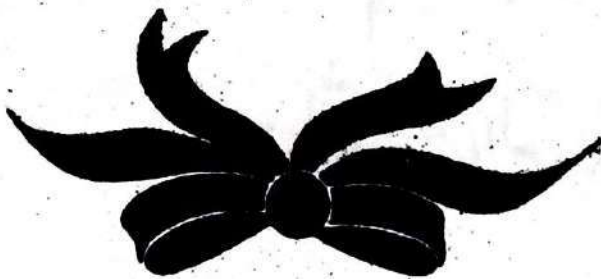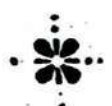
قیامِ دارالعلوم اور اس کا تصور

الٰہ آباد ہمیشہ سے علم و ادب کا گہوارہ رہا۔ یہاں کے دینی مدارس اور خانقاہوں نے علمی و روحانی فضا ہموار کرنے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ چنانچہ صاحب مآثر الکرام الٰہ آباد کے بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں:۔

"اگرچہ صوبہ جات ہند بوجوہ حاملان مسلّم تفاخر دارند اما صوبۂ الٰہ آباد و اودھ الٰہ آباد خصوصیتے دارد کہ ہیچ صوبہ نتواں یافت چہ در تمام صوبہ اودھ مراکز صوبۂ الٰہ آباد لبفاصلۂ پنج کردہ آبادی شرفاء و نجباست کہ از سلاطین و حکام وظائف و زمین بد معاش داشتہ اند و مساجد و مدارس، و خانقاہات، بنا نہادہ و مدرساں عصر در ہرجا ابواب علم بر روئے دانش شروہاں کشادہ و عبائے علم خیل خیل می روند و ہرجا موافقت دست بہم داد بہ تحصیل علوم مشغول شوند و صاحب توفیقات ہر معمورہ طلبہ علم را نگاہ می دارند و خدمت ایں جماعت را سعادت عظمٰی می دانند"[1]

الحمد للہ! آج تو یہاں جگہ جگہ تعلیمی ادارے قائم ہو چکے ہیں اور ان کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی ہے لیکن ان میں دارالعلوم غریب نواز الٰہ آباد کا قیام امتیازی مقام رکھتا ہے۔

حالانکہ تقریر و تبلیغ کی بے پناہ مصروف زندگی میں علامہ کو اس کی فرصت ہی کہاں تھی کہ وہ کسی درسگاہ کے قیام و تاسیس کا خیال دل میں لاتے لیکن خواجہ کی روحانی تائید، ایک مرد مجاہد کی دعا اور خود خطیب مشرق کے بے پناہ شدید دینی جذبے نے انھیں جماعتی بدحالی سے بے خبر نہیں رکھا اور جب انھوں نے محسوس کیا کہ ہماری جماعت میں مدارس کی تعداد تو بڑھتی جا رہی ہے لیکن ان کی حالت و کیفیت جاں بلب مریض کی طرح ہے۔ یعنی ہماری درسگاہوں میں ہمارے اسلاف کے بنیادی تصورات کی آبیاری کے بجائے ان اہم امور سے

---

[1] مآثر الکرام

بے اعتنائی برتی جارہی ہے جس کے قیامت خیز نتائج سے ہم دوچار ہیں۔ یعنی ۱: عربی ادب ۲: فن قرأت ۳: شعبۂ تحقیقات جیسے اہم شعبوں کو نظرانداز کیا جارہا ہے جس کے باعث ہمارے طلبہ غیروں کا دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور ہیں۔

اس کے علاوہ خود الہ آباد میں باطل فرقوں کی شہ زوری نے بھی انھیں بیتاب کیا۔ مثلاً ایک مرتبہ الہ آباد کے ایک محلہ اکبرپور کے ایک سنّی بھائی جب آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آپ کا بچہ کہاں پڑھتا ہے؟ تو جواب میں انھوں نے بد دینوں اور گمراہوں کے کسی مدرسے کا تذکرہ کیا۔ یہ سن کر آپ کے دل کو سخت چوٹ لگی اور آپ نے فرمایا کہ جامعہ حبیبیہ یا جامعہ نظامیہ میں اپنے بچوں کو بھیجئے تو انھوں نے کہا کہ حضرت یہ دونوں مدرسے بہت دور ہیں۔ [1]

یہی وہ بنیادی تقاضے تھے جنھوں نے خطیب مشرق کو بے سروسامانی اور ناموافق حالات میں بھی دارالعلوم کے قیام و تاسیس کا تلخ گھونٹ پینے پر مجبور کیا اور اتر پردیش کے اس علاقے میں دارالعلوم کی ضرورت کا احساس دلایا۔ چنانچہ ایک عرصے تک دارالعلوم کا تصور اور اس کا نقشہ آپ کے سطح ذہن پر ابھرتا رہا اور مٹتا رہا۔ اور ایک ایسا بھی وقت آیا کہ آپ نے حالات اور تقاضوں کے پیش نظر وہ زمین جو آپ نے اپنے آبائی وطن سرائے عنی سے منتقلی کے بعد شہر الہ آباد میں ذاتی مکان بنانے کے لئے خریدی تھی دارالعلوم غریب نواز کے نام وقف فرمادیا۔ اور ۱۹۶۵ء/۱۳۸۵ھ میں شہر الہ آباد کے قلب میں ایک عظیم دینی علمی قلعہ کی داغ بیل ڈالدی جس کا نام ہندوستان کے روحانی شہنشاہ و فرمانروا حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز سے منسوب کیا جو نسبت دارالعلوم کے عروج و ارتقاء کے لئے فال نیک ثابت ہوئی۔ نہ جانے وہ کون سی مبارک گھڑی تھی جب علامہ نظامی رشید لئے خواجہ حضرت مولانا

---

[1] خطبات نظامی

جہاں دارالعلوم کا نام دارالعلوم غریب نواز آپ کے دل و دماغ میں القاکیا گیا۔
شرف الدین گانگی ہاٹ پورنیہ کے آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے تھے

تعلیمی و تنظیمی امور اور علامہ انوار احمد نظامی

علامہ نظامی فرماتے ہیں:- آپ سبھی جانتے ہیں کہ میری زندگی پروگراموں میں گذری۔

ع صبح کہیں شام کہیں دن کہیں رات کہیں

بیک وقت میں دارالعلوم کے امور خارجہ و امور داخلہ کو نہیں سنبھال سکتا تھا اسلئے اپنے حالات کے پیش نظر میں نے امور خارجہ اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور امور داخلہ مولانا انوار احمد نظامی کے سپرد کیا۔ بحمدہ تعالے مولانا انوار سے جو مجھے توقع تھی میری امیدوں سے زیادہ وہ کام کے ثابت ہوئے۔ دین اور دیانت میں وہ میرے بالکل معتمد ہیں اگر ایسا دیانتدار شخص مجھے نصیب نہ ہوتا تو میں اپنے مقصد سے کوسوں دور ہوتا۔ لیکن مولانا انوار کی دیانت، تعلیمی و تنظیمی امور کی خداداد صلاحیتوں نے مجھ کو داخلی امور سے بالکل مطمئن کر دیا۔ اور میں شہر شہر نگر نگر دارالعلوم کا پرچار کرتا رہا۔ ایک ایک تنکا میں نے آپ کے ہاتھوں سے اپنے دامن میں لیا اور انھیں تنکوں کو مولانا انوار احمد نظامی کے ہاتھوں میں دیدیا۔ ان تنکوں سے جو نشیمن تیار ہوا اسی کا دوسرا نام دارالعلوم غریب نواز ہے[1]

دنیائے سنیت کی معروف شخصیت علامہ نظامی کے معاون و مددگار علامہ انوار احمد نظامی کے تعارف میں علامہ کے ان کلمات کے بعد میرا کچھ تبصرہ کرنا گویا سورج کے سامنے چراغ دکھلانے کے مرادف ہوگا۔ البتہ اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مولانا مفتی نظام الدین اور علامہ مشتاق احمد نظامی کی درسگاہ تعلیم و تربیت نے موصوف کو بہت سی صالح اور صحتمند صلاحیتوں

---

[1] دارالعلوم کی مختصر رپورٹ ۱۹۹۰ء

کا مالک بنا دیا ہے۔ درس و تدریس سے لاتعلقی کے باوجود درس نظامیہ کے علوم و فنون پر اچھی دسترس رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اساتذہ اور طلبہ کی علمی لیاقت اور استعداد کا اندازہ لگانے میں انھیں دیر نہیں لگتی۔ ایک نامی گرامی صحافی اور دانشور کی حیثیت سے ہفت روزہ تاجدار بمبئی، ماہنامہ پاسبان الہ آباد، دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کے ذریعہ جو انھوں نے خدمات انجام دیئے ہیں یہی انھیں زندہ جاوید رکھنے کے لئے کافی ہیں۔ آپ کی اس سعادت مندی کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کو علامہ سے بڑی قربت اور ان کا بے پناہ فیضان حاصل رہا۔ اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز جانا۔ اسی لئے بہت سے لوگ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ گنگ و جمن کا سنگم تو ختم ہو سکتا ہے لیکن علامہ اور مولانا انوار احمد نظامی کا قلبی لگاؤ ختم نہیں ہو سکتا۔ [1]

البتہ کچھ حاسدوں نے آپ کو اس سعادت سے محروم کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ منتقم حقیقی کے سامنے کس کی چلی ہے۔ بہر حال اکابر سے عقیدت دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ کے ساتھ خوش خلقی، انتظامی صلاحیت، سیاسی بصیرت، مہمان نوازی خردہ نوازی، صبر و ضبط، حلم و بردباری، سعی پیہم اپنے مشن سے خلوص و محبت یہ آپ کے مشہور روزگار صفات ہیں۔

فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ آج موصوف کی قیادت و نظامت میں دارالعلوم غریب نواز کا پورا قافلہ رواں دواں ہے اور موصوف اپنی تعمیری سرگرمیوں میں مصروف ہیں، طلبہ کا ہجوم، اساتذہ کی ہماہمی، درس و تدریس کی مصروفیات، کتابت و انشاء کا نظم و نسق، فتویٰ نویسی کا اہتمام، تحریر و تقریر کی مشق، مناظرہ و مباحثہ کا مقابلہ، مطبخ میں صبح و شام طلبہ کے خورد و نوش کا منظر، بیرونی مہمانوں کی آمد و رفت اور ہجوم خلائق نے دارالعلوم کو سدا بہار

---

[1] پاسبان اگست ۱۹۸۰ء

شاداب چمن بنا دیا ہے۔

نظریۂ تعلیم وتربیت اور جدید نصاب تعلیم

علامہ نظامی دارالعلوم غریب نواز کو تعلیم و تربیت کے لحاظ سے اس قدر معیاری اور بلند دیکھنا چاہتے تھے جہاں تک معاندین اور ناقدوں کی کمند کی رسائی نہ ہو سکے اور جہاں کے فارغین وقت کے تمام تقاضوں کا جواب دے سکیں۔

انھوں نے ملکی پیمانے پر سیر و سیاحت اور سیکڑوں مدارسِ عربیہ کی نگرانی اور سرپرستی کے تجربات سے یہ محسوس کیا کہ یہ صحیح ہے کہ ہمارے مدارس میں "قدیم نصاب تعلیم" رائج ہے جسے اگر کما حقہٗ پڑھنے پڑھانے والا مل جائے تو قرآن وحدیث اور تفسیر پر مبنی اس نصاب سے بہتر جامع اور مفید کوئی نصاب نہیں لیکن اس پر ایک طویل عرصہ گذر چکا ہے اور اب قوم کے ذہن وفکر کا رخ مختلف ہو چکا ہے وقت کے نئے نئے مسائل نے ذہنی رجحان اور انداز سوال کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ ان حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری درسگاہوں سے قوم کو ایسے ذی استعداد اور صحتمند علماء دیئے جائیں جو وقت کی دکھتی نبض پر اپنا ہاتھ رکھ سکیں اور ہماری درسگاہوں سے قحط الرجال کا منحوس سایہ ختم ہو جائے۔

یہی وہ بنیادی تقاضے تھے جن کی بنیاد پر موصوف نے نصاب قدیم پر کئی زاویوں سے غور و فکر کیا اور سیکڑوں مدارس کے علماء و مشائخ کے باہمی مشوروں سے اس میں کچھ ترمیم و تنسیخ کر کے اسے آسان اور مفید تر کرنے کے لئے ایک "جدید نصاب تعلیم" مرتب فرمایا تاکہ دارالعلوم غریب نواز، قدیم وجدید نصاب تعلیم کی مثالی درسگاہ ہو اور تمام مدارس کے طریق تعلیم

اساتذہ اور طلبہ کے مضبوط اور کمزور پہلوؤں کو واضح کر کے اپنی قابل قدر فکر وبصیرت سے ان کی اصلاحات پر زور دیا اور قوم کا خادمانہ حق ادا کیا۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

"یہ ایک حقیقت ہے کہ مدارس عربیہ نظامیہ ایک بہت ہی جامع اور مکمل نصاب تعلیم کے حامل ہیں لیکن اس نصاب پر صدیاں بیت گئیں۔ اور نت نئے مسائل نے ذہن وفکر کا رخ بدل دیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن وحدیث ہی ہمارے اصل ماخذ ہیں اور سرچشمۂ حیات ہیں لیکن اسلام نے اجتہاد کا دروازہ بند نہیں کیا۔ آج بھی نہ صرف رازی وغزالی بلکہ وقت کے ابوحنیفہؒ وشافعیؒ پیدا ہو سکتے ہیں بشرطیکہ اس راہ میں نفس کی بے راہ روی اور مطلق العنانی حائل نہ ہونے پائے۔ ورنہ اس نشہ میں بے لگام شرابی کی طرح آدمی وہی کہے گا جو ملک کی بعض گمراہ جماعتیں کہتی اور لکھتی ہیں۔

کہنا یہ ہے کہ آج کے مسائل نے انداز فکر بدل دیا ہے۔ مثلاً

۱:— ٹیلیفون اور ریڈیو کی اطلاع سے رویت ہلال کی تصدیق ہو گی یا نہیں؟

۲:— لاؤڈ اسپیکر پر نماز درست ہے یا نہیں؟

۳:— بینک اور ڈاکخانہ کی جمع شدہ رقم سے زائد روپیہ وہ تجارتی منافع ہے یا سود؟

۴:— پھر اس کا لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر لے بھی لیا تو اس کا مصرف کیا ہے؟

۵:— ہومیوپیتھک دوا کا استعمال درست ہے یا نہیں؟ چونکہ اسمیں الکحل ہوتا ہے۔ الکحل کیا ہے اور اس کا حکم کیا ہے؟

۶:— چلتی ہوئی ٹرین پر اگر نماز پڑھ لی تو ہو جائے گی یا واجب الاعادہ[۵] ہے؟

۷:— ٹرین اور ہوائی جہاز کو کشتی پر قیاس کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

لے یعنی ان کی یاد تازہ ہو سکتی ہے۔

۸: مصلی کے لئے استمداد بالغیر درست ہے یا نہیں ؟ اس جزیے کے تحت برقی پنکھے بھی آتے ہیں یا نہیں ؟

۹: انجکشن سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں ۔ وغیر ذالک ایسے ہی بہت سے عقلی مسائل ہیں ۔ مثلاً

۱۰: آج سے پہلے آسمان میں خرق والتیام کا انکار کیا گیا اور آج کی سائنس کا کہنا ہے کہ آسمان کوئی شئی نہیں ۔ یہ تو حد نگاہ ہے ۔

۱۱: چاند میں ایک دنیا آباد ہے ۔ وغیرہ وغیرہ

اس کے یہ معنی نہیں کہ ان سوالات کے جوابات نہیں مقصود نگارش یہ ہے کہ آج کے مسائل نے ذہن کا رخ موڑ دیا ہے لہٰذا ہمیں بھی سوچنا چاہئے کہ وہ کونسی راہ اختیار کی جائے کہ اپنی درس گاہ کے فاضل طلبہ اسلام پر ہونے والے سوالات کے تحقیقی جوابات دے سکیں ۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ ہم اپنے مضبوط اور کمزور دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیں مضبوط کو اور زیادہ مستحکم بنائیں اور کمزوریوں کا ازالہ کریں ۔

اب اس ضمن میں ہم اپنے بعض کمزور پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔ مثلاً ہماری درسگاہ کے طلبہ گرامر میں کئی برس صرف کرتے ہیں مگر عربی بولنے اور لکھنے پر قادر نہیں ہوتے حالانکہ سند فراغت لیتے وقت انھیں زبان پر قدرت تام ہونی چاہئے ۔ ایسے ہی صرف میں اس کا بھی امکان ہے کہ علم الصیغہ اور فصول اکبری کی جگہ صرف ایک ہی کتاب داخل نصاب ہو مگر اسمیں کسی صاحب کو محنت کرنی پڑے گی علم الصیغہ کی بحث اسمائے مشتقات اصول مہموز اور اصول معتل کو لے لیا جائے اور فصول اکبری سے خاصیت ابواب اسمیں کورس بھی ہلکا ہو جائیگا ۔ طلبہ زیر بار بھی نہ ہوں گے ۔ اور کم وقت میں اتنی ہی استعداد بھی پیدا ہو جائے گی ۔

ایسے ہی مقامات حریری سبعہ معلقہ حماسہ اور متنبی جیسی کتابیں محض تحفظ زبان کی خاطر ہیں لیکن اب وہ رائج الوقت زبان نہیں ہے لہٰذا ان کی جگہ آج کا رائج الوقت ادب داخل نصاب کیا جائے تاکہ طلباء عربی اخبارات و رسائل کو

بآسانی پڑھ سکیں اور سمجھ سکیں۔ اگر زبان میں یہ صلاحیت پیدا ہوگئی تو اسی کے سہارے طلبہ خود اپنی قوتِ مطالعہ سے کہیں سے کہیں پہنچ جائیں گے ایسے ہی معقولات کی کچھ کتابوں کے خلاصے ترتیب دیئے جائیں جس سے تھوڑی مدت میں طلبہ ایک معیاری صلاحیت کے مالک ہو جائیں۔ مقصد یہ ہے کہ نصاب کو سہل العمل و سہل الحصول بنایا جائے۔

الانسان اس کا دشمن ہوتا ہے جو اسے نہیں آتا ہماری درسگاہ کے جو اساتذہ ادب میں کمزور ہوتے ہیں وہ اس فن میں کیڑے نکالتے ہیں۔ ارے بھائی اسمیں کیا رکھا ہے رکھا تو بہت کچھ ہے مگر چونکہ یہ فن آپ کو نہیں آتا اسلئے اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کی یہی حسین صورت ہوسکتی ہے کہ اس فن ہی کو کنڈم دکھلا دیا جائے ایسے ہی جن لوگوں کو معقولات سے دلچسپی نہیں وہ تو یہ کہہ کر اپنا دامن بچا لیتے ہیں

ع علم دین فقہ است تفسیر و حدیث

جن کو نحو سے دلچسپی ہے وہ یہ کہا کرتے ہیں نحویاں را مغز باید چو شہسال بہر کیف ان لطائف و ظرائف سے درسگاہوں کا معیار اونچا نہیں ہوسکتا۔

ایسے تعلیم کے ساتھ ہماری درسگاہیں ایک مخصوص انداز تربیت چاہتی ہیں۔ اسکول اور کالج کے طلبہ کالج کے باہر خواہ کچھ بھی ہوں مگر ان کی کالج کی زندگی ایک دستور و ضابطے کی پابند ہوتی ہے وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر کالج کے قانون کے خلاف ورزی اور کالج سے نکال دیئے گئے۔ تو اس وقت تک دوسرے کالج میں داخلہ نہ ہوسکے گا تا وقتیکہ یہ کالج ہمارے چال چلن کی تصدیق نہ کر دے لیکن افسوس کہ ہماری درسگاہوں میں اس کا یکسر فقدان ہے ایک درسگاہ کا طالب علم خواہ کتنی ہی قبیح حرکت کیوں نہ کر بیٹھے مگر دوسرا مدرسہ اس کی چال چلن کی تصدیق کئے بغیر اس کا داخلہ کر لے گا۔ سوچیئے کہ قانون کی ایک دفعہ سے لاپروائی برتنے سے فواحش کے کتنے دروازے کھل جاتے ہیں۔

ایسے ہی ہماری درسگاہ کے طلبہ دورۂ حدیث میں ہوتے ہوئے بھی یہ

نہیں جانتے کہ ہمیں آئندہ زندگی میں کیا کرنا ہے۔ حالانکہ ہوش و گوش کے بعد طالبعلم کو اپنی راہ متعین کرلینی چاہیے اور اس میں ہمارے اساتذہ کی بھی ذمہ داری کو دخل ہے کہ وہ طالب علم کی صلاحیت پرکھ لینے کے بعد اسی فن کا کمال پیدا کریں تاکہ وہ اس توانائی سے سند فراغت ہاتھ میں لے کہ میں ہر اونچی سے اونچی درسگاہ سنبھال سکتا ہوں۔ یا منصب افتا کی ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دے سکتا ہوں یا لاکھوں کے مجمع میں خطابت کے جوہر دکھا سکتا ہوں یا شائستہ و صحتمند لٹریچر سے قوم کا ذہن و فکر بدل سکتا ہوں۔ میں اس بات کا قطعاً قائل نہیں کہ ہماری درسگاہ کا شیخ الحدیث ہر فن کا ماہر ہوتا ہے اس کو مہارت کسی اور ہی فن میں ہوتی ہے۔ بقیہ دوسرے فنون پر اس کی ذیلی نگاہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر طلبہ میں یہ شعور بیدار کر دیا جائے تو کچھ دنوں بعد ہماری درسگاہوں سے علیحدہ علیحدہ فن میں ماہرین نکل سکتے ہیں جن پر ہم بجا طور پر فخر کر سکیں گے۔

یہ کچھ ضروری نہیں کہ میری زندگی ہی میں یہ سب کچھ ہو جائے اگر مرنے کے بعد بھی ہماری درسگاہوں کا الجھا ہوا مسئلہ سلجھ گیا اور حالات کے تحت انھوں نے کوئی عمدہ راہ بنائی تو میری روح آسودہ خاک ہوگی۔ [1]

شعبۂ صنعت:۔ موصوف مدارس عربیہ میں صنعت و حرفت سے متعلق واضح اور غیر مبہم نظریہ کے حامل تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مدارس میں ایسی چیزوں کو جگہ دی جائے جن سے دار العلوم اور جامعہ کے بجائے دار العلوم اور جامعہ کو فیکٹری اور کارخانہ کہنا پڑے۔ اگر صنعت و حرفت کو یہاں جگہ دیدی گئی تو مدرس، مبلغ، مفتی، اور خطیب و مناظر تو پیدا نہیں ہوں گے البتہ درزی، کشیدہ کار، بڑھئی اور سنار جیسے کاریگر مل جائیں گے۔ جو ہو سکتا ہے بہشتی زیور بنالیں لیکن بہار شریعت یا قانون شریعت بالکل نہ لکھ سکیں گے۔ اور اس طرح

---

[1] ماہنامہ پاسبان جون ۱۹۶۳ء

قیام مدارس کا مقصد و منشا فوت ہو جائے گا۔ اسلئے ان چیزوں کے لئے علیحدہ ادارے قائم کئے جا سکتے ہیں لیکن مدارس عربیہ ان چیزوں کے متحمل نہیں ہو سکتے یہاں تو خالص علمی ماحول پیدا کرنا چاہئے تاکہ طلبہ پوری ذہنی یکسوئی سے اپنے نصاب کی تکمیل کر سکیں اگر ایسا نہیں کیا گیا تو ان کا ذہن بٹ جائیگا اور ذہنی انتشار کی وجہ سے پوری توجہ سے کام نہیں لے سکیں گے اور یہ جماعت کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوگا اور تعلیمی طریقہ کی کمزوری سے ہمارے تدریسی تبلیغی مشن کو دھکا پہنچے گا۔[۱]

دار العلوم کے ابنائے قدیم سے

ازراہِ خلوص مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ آپ کی زندگی کا ایک اہم دور آپ کے مادرِ علمی دار العلوم غریب نواز کی تاریخ سے وابستہ ہے اسلئے آپ حضرات دار العلوم کے بارے میں خاموشی و سرد مہری سے کام نہ لیں آپ اپنی حیثیت خود جانتے ہیں اسلئے آپ اس بات سے پہلو تہی نہیں کر سکتے کہ عوام کی جماعت یا خواص کے ماحول میں آپ کا جو کچھ وقار ہے عظمت ہے تو یہ سب دار العلوم غریب نواز کا علمی فیضان اور اس کے اراکین کی دین ہے۔ وسعتِ فکر و نظر پیدا کیجئے اور یہ جان لیجئے کہ آپ دار العلوم کے سرمایۂ افتخار ہی نہیں بلکہ اس کے کارناموں کے ترجمان اور نمائندہ بھی ہیں۔ آپ سبھی حضرات جانتے ہیں کہ اب حضرت خطیب مشرق کی شخصیت سے دار العلوم محروم ہو چکا ہے اب دار العلوم کی تعمیر و ترقی اور اس کے مشن کے فروغ کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اپنے ابنائے قدیم کو پکارا جائے۔

ظاہر ہے آپ کی تعلیمی و تربیتی زندگی جس ادارے کی رہین منت ہے یا جس کے آپ نمک خوار ہیں بھلا اس کے ساتھ بے وفائی یا زبان پر کچھ اور

---

[۱] پاسبان جون ۱۹۶۰ء

دل میں کچھ جیسا برتاؤ کرنا آپ کیسے گوارہ کریں گے۔ رہی بات دار العلوم کے ان بدخواہوں کی جن کا بال بال دار العلوم اور اس کے اراکین کا احسان مند ہے۔ پھر بھی وہ اگر اپنی بد باطنی کی بنیاد پر اپنے غلط تاثرات سے دار العلوم کو داغدار کر رہے ہیں تو ایسے عناصر کو منہ لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ورنہ اپنی متحرک اور فعال مشینری میں بریک لگ جانے کا اندیشہ ہے۔ خدا نے چاہا تو ع

چاہ کن راچاہ در پیش

کے مطابق وہ رسوائی خود ان کے پاؤں کی زنجیر بن جائے گی اور ان کی بدباطنی آج نہیں تو کل میدان محشر میں انھیں ضرور ننگا کرے گی لیکن آپ کی وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ آپ دار العلوم کے ہر معاملے اور ہر آواز پر اخلاص و محبت کے ساتھ شانہ بشانہ چلنے کی کوشش کریں۔ اپنوں سے کٹ کر الگ ہونے کے بجائے متحد ہو کر علامہ نظامی کے منصوبوں کی تکمیل کیجیے۔ آپ کے اسی ایثار و قربانی پر دار العلوم کے تابناک مستقبل کی تعمیر ہو سکتی ہے اور علامہ نظامی اور مولانا انوار احمد نظامی کے خوابوں کی تعبیر بھی یہی ہے ؂

مشتاق نظامی ہوں کہ انوار نظامی
ان مرد خدا دوست کے خوابوں کی ہے تعبیر
اخلاص و محبت تری جولان گہ تبلیغ
ایثار و صداقت ہے ترے قصر کی تعمیر

ادارۂ تحقیقات

پورے ملک میں اہلسنت کے ریسرچ کا کوئی ادارہ نہیں ہے میری آرزو تھی کہ میری زندگی میں چند کمروں ہی کی عمارت اس کے لئے بن جاتی۔ پھر میرے بعد کمیٹی دیکھ بھال کرتی رہتی۔ میں ابھی تک زمین کی حصول یابی کی کوشش کر رہا ہوں۔ چراغ جل جاتا تیل بتی لوگ کرتے رہتے۔ سرِ دست دار العلوم غریب نواز ہی میں یہ شعبہ جاری ہے۔ (علامہ نظامی)

آج کا عرس

"آج" کا عرس عوام کے ہاتھوں میں جا چکا ہے جسمیں روحانیت کی گنجائش بھی نہیں لیکن نفس پرستی کا سامان زیادہ ہے کل تک جہاں ایک ٹوٹی ہوئی قبر تھی آج اسی جگہ قبر، چادر، گاگر، پھول، اگربتی کا پورا اہتمام ہے۔ صاحب مزار کے شجرۂ نسب اور سلسلۂ طریقت کا کوئی پتہ نہیں مگر قوالی کا انتظام پوری آن و بان سے ہے ۔۔۔ اب انھیں کون سمجھائے کہ "مسئلۂ سماع" خود بزرگوں کا مابہ النزاع مسئلہ رہا ۔۔۔ بتایئے کہاں اللہ والوں کی محفلِ سماع اور کہاں ہم جیسے نفس کے بندوں کی مجلس سوز و ساز ۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر — گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر
شیر آں باشد کہ مردم می دَرد ! — شیر آں باشد کہ مردم می خورند

بزرگوں کے کام پر اپنے کام کو قیاس مت کرو، شیر و شیر لکھنے میں یکساں ہوتا ہے مگر شیر وہ ہے جو آدمی کو کھا جاتا ہے اور شیر یعنی دودھ وہ ہے جسے آدمی کھاتا پیتا ہے ۔ دوستو ! تم اپنی موجودہ قوالی کو بزرگوں کی اُس محفلِ سماع پر مت قیاس کرو۔ جس پر اللہ کی رحمتیں برستی تھیں۔ دوستو عرس اور قوالی کے نام پر علماء اور بزرگوں کو بدنام نہ کرو۔ وہ عرس جسمیں بدعات و منکرات ہوں اس کو عرس نہ کہو اور پارک و چوراہے والی قوالی کو بزرگوں کی محفلِ سماع مت کہو۔ آج اپنے علماء بہت ہی کٹھن اور دشوار گذار مراحل سے گذر رہے ہیں۔ ان کے راستے میں کانٹے نہ بچھاؤ۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ تمہارا فعل حجت و دلیل نہیں مگر تم اپنے ہوا سلئے دیوبندیت تمہاری معمولی سی خطا کو جھنڈا بنا کر نگر نگر پھرتی ہے۔ نظامی ۔

(ہفت روزہ تاجدار ۵ جنوری ۷۳ء)

ادبی خدمات

ہو گیا نقشِ دل پہ جو لکھا
قلم اس کا تھا اور اس کی دوات

❋ ـــــــ صاحب طرز ادیب

❋ ـــــــ ماہنامہ پاسبان الہ آباد (اجرا، پس منظر اور کارگذاریاں)

❋ ـــــــ ہفت روزہ تاجدار کلیمی (اجرا، پالیسی اور مولانا انوار احمد نظامی کی مسلسل اسیری)

❋ ـــــــ تصنیفات

❋ ـــــــ شاعری

❋ ـــــــ نمونۂ کلام

صاحب طرز ادیب

زبان و قلم کی پختگی ہی خطیب مشرق کی انفرادیت کی روشن دلیل ہے۔ چنانچہ جب وہ اپنا خنجر قلم لے کر حق و باطل کی رزمگاہ میں اترے تو وقت کے کسی بھی موضوع کو تشنۂ تحریر نہیں چھوڑا۔ اور الحاد و بے دینی کفر و شرک کی مہیب فضا میں ان کے قلم کی قوت راسخہ نے عقائد حقہ و عقائد باطلہ کے درمیان خط امتیاز کھینچ دیا۔ ان کی اس خداداد صلاحیت کو دیکھ کر اپنوں نے تو اپنا دیدہ و دل فرش راہ کیا ہی غیروں نے بھی گھٹنے ٹیک دیئے۔ یقیناً یہ خداوند قدوس کی بخشی ہوئی وہ طاقت و نعمت ہے جو قرآن و سنت کے تحفظ و بقا کے لئے انھیں عطا کی گئی تھی۔

آپ کی تحریر کا جو بھی اسلوب و انداز ہے اس پر کما حقہٗ نقد و نظر یہ راقم الحروف کا دعویٰ غلط ہوگا۔ البتہ یہ کہنے میں احقر حق بجانب ہے کہ موصوف جس طرح اپنے فکر و فن اور ذوق نظر میں امتیازی مقام رکھتے تھے اسی طرح تحریر میں بھی منفرد طرز کے مالک تھے یعنی انھوں نے اپنی نگارشات میں توضیح مطالب یا ترکیب الفاظ میں کسی کی تقلید نہیں فرمائی۔ بلکہ ایک فطری اور جداگانہ روش تھی۔ جس میں کسی طرح کی تصنع، بناوٹ اور کسب و تکلف کا کوئی دخل نہیں تھا تحریروں میں حکیمانہ و فاضلانہ غور و فکر، علم و فن کے معرکۃ الآرا مباحث، ادب و انشاء کی رنگ آفرینی، فکر کی نقش آرائی، انداز تغلیط و تردید کی یگانگت، شعر و سخن کی بزم آرائی، خیال کی رنگارنگی، وسعت تخیل، قلم کی بے تکلفی و بے ساختگی نے وقت کے بڑے بڑے ادباء اور عقلاء سے داد و تحسین حاصل کیا۔ مثلاً

مولانا منشا تابش قصوری لاہور لکھتے ہیں:۔

خطیب مشرق رحمۃ اللہ علیہ ان خوش قسمت مصنفین کی صف میں ممتاز مقام رکھتے ہیں جنھیں ہر جگہ قدر و منزلت حاصل رہی۔[1]

مولانا ضیاء جالوی پٹنہ لکھتے ہیں:۔

حضرت موصوف کا قلمی جہاد ان مردان کار آزمودہ سے تھا جن کا قلم

---

[1] تعزیتی مکتوب۔

اپنی آوارگی کے لئے خاصی شہرت رکھتا ہے۔ [1]

مولانا بدر القادری مصباحی ہالینڈ رقمطراز ہیں:۔

زبان و بیان میں وہ ایسی مہارت رکھتے تھے کہ ان کی دل نشیں تحریروں کی طرح خطبات و تقاریر بھی ادب عالی کا شاہکار ہوا کرتی تھیں [2]

میرے دیرینہ کرم فرما مولانا غلام یحییٰ انجم بستوی لکچرار جامعہ ہمدرد دہلی یوں رقم فرماتے ہیں:۔

یقیناً وہ صاحب طرز ادیب اور منفرد لب و لہجہ کے خطیب تھے تحریر میں انکی یگانگت مسلم تھی۔ [3]

مولانا شبیہ القادری مظفر پور کا بیان ہے:

میں نے بہت سے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ علامہ نظامی کی تحریر کبھی کبھی مولانا ابو الکلام آزاد کی تحریر کا مزہ دے جاتی ہے [4]

علامہ کے انداز تحریر کی خصوصیت یہ ہے کہ اپنی تحریر کو شاعری سے مربوط و مخلوط کر کے ترتیب دیا کرتے تھے یعنی اپنی تحریروں میں جو اشعار درج فرماتے تو اس طرح کہ مضمون سے اس کی کبھی جزوی مناسبت ہوتی یا پھر کبھی وہ شعر مضمون کا ایک لازمی ٹکڑا اور جزو لاینفک ہوتا۔ گویا شاعر نے جو شعر کہا تھا خاص اسی موقع کے لئے یا یہ کہ مضمون کی وضاحت اور ادھوری بات کو مکمل کرنے کے لئے اس شعر کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ تحریر کا یہ اسلوب و انداز اگر اس بات کا متقاضی ہے کہ محرر و انشاپرداز شاعرانہ فکر کا حامل ہو تو دوسری طرف یہ بھی ضروری ہے کہ بے شمار اشعار اور وہ بھی اعلیٰ معیار کے اپنے معانی و مفاہیم کے ساتھ حافظہ میں موجود ہوں۔ اور حضرت علامہ نظامی کو اس پر کمال حاصل تھا۔ وہ جہاں

---

[1] قہر آسمانی [2] حجاز جدید دہلی جنوری فروری ۱۹۹۱ء [3] تعزیتی مکتوب [4] پاسبان نومبر ۱۹۸۰ء

کہیں ضرورت محسوس کرتے اشعار کو مضامین میں نگینے کی طرح جڑ دیا کرتے تھے مثلاً ان کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے اور ان کے ذوق صحافت کو داد دیجئے۔

> "افراد و جماعت کے لب و لہجہ میں خواہ کتنا ہی اتار چڑھاؤ ہو یہ رنگارنگی تو جماعت کا ایک طبعی تقاضا ہے جس پر کوئی پہرہ نہیں بٹھایا جا سکتا اور سچ پوچھئے تو اس قسم کا تنوع ہی جماعت میں نکھار پیدا کرتا ہے کتنی پیاری بات کہی ذوق نے
>
> گلہائے رنگارنگ سے ہے رونق بہار
>
> اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے"[1]

آپ کی تصنیفوں میں جا بجا طنز و مزاح کا انداز بھی نمایاں ہے لیکن ظرافت ایسی جو بے داغ لطافت کی آئینہ دار ہے یعنی وہی پیمائش فکر اور وہی معیار فکر و نظر کی ارجمندی جو ایک ذمہ دار تاجدار قلم کا مقتضیٰ ہے، کہیں سے اخلاقی پہلو متاثر ہوتا نظر نہیں آتا۔ توضیح مدعا کے لئے ان کی یہ عبارت دیکھتے چلئے:۔

> "فاضل بریلوی کا حقہ تڑ تڑاتا تھا یا شیخ اسد علی کا حقہ گڑگڑاتا تھا۔؟ پھر یہ بھی سوال ہوگا کہ سیدنا (اعلیٰ حضرت) امام احمد رضا نے دیوبند کی چلم کیوں استعمال کی؟ اور شیخ اسد علی نے بریلی شریف کا نیچہ کیوں پسند کیا؟ اور مولوی قاسم نانوتوی صاحب اپنے والد کے حقہ کی چلم بھرتے تو آگ کوئلے کی ہوتی یا اُپلے کی؟ اور اُپلے کس جانور کے گوبر سے تیار ہوتے تھے؟ اب جب آپ کی مرضی یہی تو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا، اس میدان میں بھی اپنے کو آزما دیکھئے اور فیصلہ کیجئے کہ حقہ کے دامن

---

[1] مجرم کون۔

میں پناہ ملی یا نہیں ؟ [1]

یہ تو مسلمہ حقیقت ہے کہ موصوف کا قلم ایوانِ باطل کی جاسوسی و سراغرسانی اوران کے اکابرو اعاظم کے دامِ تزویر کو چاک کرنے میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔ نہ جانے وقت کی کتنی ملت فروشی کی مجرمانہ ذہنیت کو بے نقاب کیا اور دین میں بلیک مارکٹنگ کا راج پاٹ ختم کیا۔ یہی وجہ تھی کہ اغیار کے لئے ان کا قلم نہایت تیکھا اور زہر ہلاہل ثابت ہوا۔ بلکہ جب قلم کا تیور بدلتا تو وہ تقریر ہی کی طرح تحریر میں بھی باطل قوتوں کو چیلنج دینے سے گریز نہیں فرماتے۔ فرماتے ہیں :

> آج دیوبند کو چیلنج ہے کہ وہ شرک کی ایسی جامع مانع تعریف کر دے جس سے خود اس کے اکابر و عمائد کا دامن بال بال محفوظ رہ سکے۔ یاد رہے ! قیامت گذر جائے گی مگر ان سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا۔ بات بات پر شرک و بدعت کے فتاوے دے کر وہ خود اس دلدل میں اس بری طرح پھنس گئے ہیں کہ ایک عمر گذر جائے گی پاؤں کی کیچڑ نہ دھل سکے گی۔ یہ بھی ایک عتاب الٰہی ہے کہ قوم کو دجل وفریب میں مبتلا کرنے والے خود اپنے ہی تیر کے نشانہ بن گئے۔ [2]

ان کے طرز تحریر کی اس انفرادیت نے آنے والی نسل کو ادب و صحافت کی ایک مشعل عطا کیا اور ساتھ ہی ساتھ اردو ادب کے فروغ وارتقا کا بھی کام کیا۔ انھیں اردو ادب اور اردو نواز طبقہ سے دلی ہمدردی اور قلبی رابطہ تھا جس کا اندازہ آپ ان کے چند جملوں سے بخوبی کر سکتے ہیں :۔

> ضرورت ہے کہ پاکیزہ اخلاق اور شائستہ ادب سے اردو کے دامن کو بھر پور کر دیا جائے زبان کی موت محض زبان کی نہیں بلکہ اپنے کلچر و تہذیب و تمدن کی موت ہے۔ ہمیں پورے استقلال و ثبات قدمی سے

---

[1] خون کے آنسو [2] مجرم کون ؟ صـ ۶۴

زبانِ اردو کے تحفظ و بقا کی صورتیں پیدا کرنی چاہئیں۔

مجھے اس بات کا صدمہ ہے کہ ارکانِ بزمِ اردو اور جناب شکیل بدایونی صاحب کے درمیان ایک خلیج حائل ہو گئی ہے حالانکہ اردو ادب کا یہ نازک دور اس قسم کے باہمی اختلافات کا متحمل نہیں! اسلئے مکرمی جناب خمار صاحب بارہ بنکوی سے میری درخواست ہے کہ وہ بحیثیت ثالث اس معاملے کو حسن اسلوبی سے ختم کرادیں اور جناب صبا صاحب افغانی سے میری مخلصانہ اپیل ہے کہ ادارہ فروغ ادب کو اپنی نگرانی میں لے کر نوجوانوں کو آگے بڑھنے کا موقع دیں۔ [1]

یوں تو ایسی کوئی روایت راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزری جہاں ان کے قلم نے کوئی لغزش کھائی ہو البتہ اس ضمن میں جون ۱۹۶۳ء کے ماہنامہ پاسبان کا شذرات جو دار العلوم غریب نواز الہ آباد کے زیر عنوان تھا اسمیں تعلیمی و تربیتی امور کی ایک اہم اور علمی بحث کو بڑی خوش اسلوبی سے سمیٹا۔ اس کے ایک جملہ میں شک و شبہ کی گنجائش ضرور پیدا ہو سکتی تھی۔

چنانچہ آپ نے اسی میں کہیں پر یہ لکھدیا تھا کہ:

"آج کی درسگاہیں ابو حنیفہ اور شافعی پیدا کر سکتی ہیں۔"

حالانکہ پاسبان ملت کا اس جملے سے مقصود و مدعا صرف اتنا تھا کہ اگر ہماری درسگاہوں کا معیار بڑھ جائے تو سیدنا امام اعظم اور سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کی یاد تازہ ہو جائے نہ یہ کہ مجتہد کا پیدا کرنا مگر پھر بھی اس عبارت سے لوگ غلط فہمی اور شک و شبہ میں مبتلا ہو سکتے تھے۔ غالباً اسی کے تحت حضرت موصوف کے استاذِ محترم مرشد برحق حضور مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ (جو ان دنوں پاسبان کے سرپرست بھی تھے) نے کٹک سے ایک ہدایتی مکتوب علامہ نظامی علیہ الرحمہ کے پاس ارسال فرمایا کہ "شامی میں طبقات فقہا رسم المفتی دیکھو"۔ چنانچہ

---

[1] پاسبان نومبر ۱۹۵۴ء و مارچ ۱۹۵۵ء

جب پاسبان ملت نے دیکھا تو یہ صراحت ملی کہ چوتھی صدی کے بعد قیاس معتبر ہی نہیں اسلئے موصوف نے فرمایا کہ ہم لوگوں کا مسلک ہے کہ ممتنع العقل نہ ہونے کے باوجود اب مجتہد کا پیدا ہونا عادۃً و شرعاً یقیناً ممتنع ہے۔ [1]

اس طرح آپ نے ازالۂ شبہ کر کے علمی دیانت و تقویٰ کا ثبوت پیش فرمایا۔

ماہنامہ پاسبان الہ آباد

اجراء، پس منظر اور کارگذاریاں

جنگ آزادی کے بعد اگرچہ ملک کے بہت سے اخبارات و رسائل موجود تھے لیکن بدقسمتی سے وہ سب حکومت کی غلامی اور سیاسی مفاد پرستی کے دلدل میں پھنسے ہوئے تھے، اہلسنت کا خالص مذہبی و جماعتی سطح پہ ایسا کوئی رسالہ نہیں تھا جو مسلک کی اشاعت اور دین کی ترویج کا طریق فکر دے سکے چنانچہ ان حالات میں پاسبان ملت نے ۱۹۴۸ء میں ماہنامہ پاسبان الہ آباد کا اجراء فرمایا بقول مولانا بدر القادری ہالینڈ آپ نے پاسبان اس دور میں جاری کیا۔ جب اردو داں سنّی دنیا صحافت کی نزاکتوں سے ناآشنا تھی۔ انھوں نے جب اس راہ میں قدم رکھا تو میر کارواں ثابت ہوئے اس جریدے کے بانی ہونے کی حیثیت سے آپ کو "پاسبان ملت" کا خطاب دیا گیا۔ یہ مبارک جریدہ آپ کی جماعتی زندگی اور صحافتی سرگرمیوں کا وہ پہلا پودا ہے جسے آپ نے فراغت کے بعد سب سے پہلے نصب کیا تھا۔ یہ جس قدر عوام کو محبوب تھا اس سے کہیں زیادہ خود پاسبان ملت کو عزیز تھا جس زمانے میں اہلسنت کا یہ موقر ماہنامہ علامہ کی ادارت اور مولانا انوار احمد نظامی کی نگرانی میں شائع ہو رہا تھا اس دور کے قارئین خوب جانتے ہیں کہ یہ ملک کی ایک مشترکہ آواز، اہلسنت کے معمولات و مراسم کا بے باک

---

[1] پاسبان ستمبر ۱۹۶۳ء

ترجمان اور خود علامہ کی جماعتی تجاویز کی تشہیر و اشاعت کا اہم ذریعہ بھی تھا جس نے انتہائی برق رفتاری سے ملک و بیرون ملک میں اپنی مقبولیت و ہر دل عزیزی کا نمایاں مقام حاصل کر لیا تھا تقریباً چالیس سال تک اس کی ایک ایک سطر میں فکر و نظر کے موتی پروئے رہے اور قوم کی تطہیر فکر و طہارت شعور کر کے ایک صحتمند اور صالح معاشرہ کی تشکیل دینے میں اپنے اعلیٰ ترین ذوقِ صحافت کا مظاہرہ فرمایا ان کے اس قلمی جہاد اور بالغ نظری سے متاثر ہو کر کسی نے کیا خوب کہا۔ یہ وہ شعر ہے جو پاسبان کے ہر شمارے کے سرورق پیشانی پر نقش ہوا کرتا تھا ؎

جو پایا تھا ہر مسلماں اک میر کارواں کا
مشتاق تھا زمانہ ملت کے پاسباں کا
فیضِ حبیبِ حق ہے ظاہر نظام پایا،
یارب تو پاسباں رہ ملّت کے پاسباں کا

پاسبان کے شذرات اور اداریئے، ان کی بے قرار روح اور مسلک و ملت کے درد کا آئینہ دار ہیں۔ ان نقوش کو اگر ایک قلمی جہاد کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا آج بھی اگر آپ انہیں ملاحظہ کیجئے تو ان میں کہیں جماعتی درد و کرب کی فغاں سنجیاں ملیں گی۔ اپنے مسلک کی دعوت و تبلیغ کا نیا اسلوب ملے گا کہیں ان کی چشم خونیں سے رنگی ہوئی داستانیں ملیں گی، کہیں سواد حروف پر ان کے دل و جگر کے ٹکڑے بچھے ملیں گے۔ انبیائے کرام صحابۂ عظام، شہداء اور اپنے اکابر سے ان کی روحانی عشق و محبت، وارفتگی و شیفتگی کا ذکر جمیل ملے گا۔ حرکت و عمل اور اصلاح و انتباہ کے طرق بھی ملیں گے۔ غرض کہ "پاسبان"، علامہ کے لئے قوم و جماعت کے مابین ایک ایسا ہتھیار تھا جس کے بغیر وہ اپنے کو نہتے محسوس کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے سفر و حضر میں بھی اس کے بیشتر اداریئے لکھے ہیں۔

علامہ نظامی ایک اعتدال پسند اور مثبت فکر کے مالک تھے۔ انھوں نے اپنی صحافتی خدمات سے ایک ٹھوس اور مثبت فکر کی بنیاد ڈالی۔ ان کی ان مشکلات

اور مصیبتوں کے جھیلنے کا ایک ہی بنیادی مقصد تھا اور وہ یہ کہ اپنی قوم کو تعمیری ذہن دینے کے علاوہ دین کے دشمنوں کو ترکی بہ ترکی جواب دے کر ان کی کمر ہمت توڑ دی جائے اور اپنے خیالات و معتقدات کو ایسی معتدل پالیسی پر پیش کیا جائے جو افراط و تفریط سے خالی ہو۔ ہاں کچھ لوگ ان کے قلم اور زبان کی شدت پسندی اور سخت گیری پر چیں بہ جبیں تھے۔ حالانکہ ایسا نہیں وہ خواہ مخواہ کسی کی نیت و ارادے پر حملہ کرنا یا عقائد و خیالات پر نقد و نظر کرنا اپنے لئے تضیع اوقات سمجھتے تھے وہ اس سلسلے میں اکثر فرماتے تھے۔

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا
کئے جاؤ مے خوار و کام اپنا اپنا

البتہ جب کوئی دشمنِ دین و سنیت بے وقت کی شہنائی کی طرح ان کے عقائد و مسلک پر چور دروازے سے حملہ کرنے کی کوشش کرتا تو وہ خاموشی سے اس ظلم کو برداشت نہیں کر سکتے تھے بلکہ اس کے جارحانہ حملے کی مدافعت کے لئے سینہ سپر ہو کر زبان و قلم سے انگارے اور گولہ بارود برسانے پر مجبور ہو جایا کرتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں:

ہم ایسے معاملات میں حتی الوسع پہل کرنے سے گریز کرتے ہیں لیکن جب بات آ ہی جاتی ہے تو زبان کا جواب زبان اور قلم کا جواب اس قلم سے دینا جانتے ہیں جو نوکِ خنجر سے کم نہیں۔[1]

ماہنامہ پاسبان الہ آباد کی اشاعتی جد و جہد کی یہ کارگزاری بھی بھلائی نہیں جا سکتی کہ اس نے بحیثیت آرگن کے اپنے مسلک کا پوری طرح احتساب کیا اور اہلسنت کی روزمرہ کی تعلیمات سے عوام کو روشناس کیا۔ اس کے علاوہ بہت سے سنی رسالوں، مدرسوں، تنظیموں اور وقت کی مایۂ ناز شخصیتوں کی تشہیر و تعارف میں قابل قدر کردار ادا کیا۔ مثلاً ماہنامہ نوری کرن

---

[1] پاسبان۔ دسمبر ۱۹۸۳ء

بریلی، سنی دنیا لکھنؤ، "اعلیٰحضرت" بریلی، ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور، ماہنامہ تاجدار کائنات چھپرہ وغیرہ اور بہت سے مدارس جنھیں اگرچہ وسعت و شہرت حاصل تھی لیکن بہت سے علاقوں میں لوگ انھیں نہیں جانتے تھے لوگوں نے انھیں بھی ماہنامہ پاسبان ہی کے ذریعہ جانا پہچانا۔ اور موقع بموقع وقت کے متعدد پیشوایان مذہب و عمائدین ملت کی شخصیت پر عظیم و فخیم متعدد نمبر بھی شائع کئے جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک مستند تاریخی دستاویز ہے جو آج بھی کتب خانوں کی زینت اور اہل ذوق کے قلب و نظر کی تسکین کا سامان ہے۔ مثلاً

رسول نمبر، معراج نمبر، سیرت نمبر، عقائد نمبر، غوث نمبر، امام احمد رضا نمبر مجدد اعظم نمبر، محدث اعظم نمبر، حسین نمبر، شہید نمبر، اکابر ملت نمبر، مجاہد ملت نمبر، شیخ ملت نمبر، فتاوی پاسبان وغیرہ۔

ہفت روزہ تاجدار بمبئی

اجراء، پالیسی اور مولانا انوار احمد نظامی کی مسلسل اسیری

یوں تو ہفت روزہ تاجدار کے اجراء کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس وقت اہلسنت کا کوئی معیاری اخبار نہیں تھا جو ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں کے حقوق اور ان کے حق بجانب انصاف و دادرسی کرتا اور حکومت وقت کو اسلامی نقطۂ نظر سے جمہوریت کے مفہوم کا احساس دلاتا لیکن بنگلور کے ہفت روزہ اخبار "نشیمن" کی جانبدار کھلی پالیسی" تاجدار" کے اجراء کا اصل محرک اور داعیہ ہے جس کا مدیر فرقہ مہدویہ سے تعلق رکھتا تھا جو فرقۂ قادیانیت ہی کی طرح ایک گمراہ کن فرقہ ہے۔ اس ابن الوقت مدیر نے خالص مذہبی مسائل کو سیاسی رنگ دے کر نشیمن کے ذریعہ دین کی راہ میں بلیک مارکٹنگ کو فروغ دینے کی مذموم کوشش کی اس کے مضامین بالخصوص "تھپیڑا خیں"، کے عنوان کے دل سوز و دل آزار مضامین میں بوجہلی فخر کے انداز میں انبیاء

واولیاء اور اسلاف کا مذاق اڑانا گویا مدیر مذکور کا شیوۂ زندگی تھا اسکے علاوہ مذہبی تضاد بیانی، سیاسی ہتھکنڈہ اور باطل فرقوں کی تائید وحمایت، اسلام دشمنی اور گستاخی رسول کے بڑھتے جرائم کی شہ زوری کے پیش نظر عوام وخواص میں غم وغصے کی لہر دوڑ جانا ایک قدرتی امر ہے۔ چنانچہ ان حالات اور لوگوں کے پیہم اصرار اور تقاضوں کو دیکھتے ہوئے خطیب مشرق علامہ نظامی علیہ الرحمہ نے نشیمن کے جواب ۱۹۷۱ئہ میں ہفت روزہ تاجدار بمبئی کا اجراء فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو تاجدار ملت بھی کہا جاتا ہے۔ مولانا محمد میاں کامل سہسرامی علیہ الرحمہ اس کے مدیر اعلیٰ تو مولانا انوار احمد نظامی ناظم اعلیٰ دار العلوم غریب نواز الہ آباد اس اخبار کے مدیر مسئول اور ادیب شہیر مولانا ضیاء جالوی و مولانا نسیم بستوی مدیر اعزازی منتخب کئے گئے۔

اہلسنت کے ان ارباب فکر وفن اور اصحاب قلم نے اپنی پوری صلاحیت سے نشیمن کے خلاف بھرپور جہاد بالقلم کیا۔ اور پھر یہ تاجدار پورے ملک کے مسلمانوں کا رہبر بن کر افق عالم پر نمودار ہوا۔ اس کی منور کرنوں نے مذہب وملت، سیاست ومعیشت، سماجی واقتصادی اور تعلیمی تمام گوشوں کو منور ومجلیٰ کر دیا۔ اور اپنی انتہائی دانشمندی کے ساتھ جائز اور جمہوری طریقہ اختیار کر کے اس گمراہ کن اخبار نشیمن سے نفرت وبیزاری کا اظہار کیا اور اس کی آغوش میں پرورش پانے والے بہت سے باطل فرقوں مثلاً "فرقہ چکڑالویت جو جا بجا اپنی تقریر وتحریر سے عوام کو گمراہ کرتا پھر رہا تھا اور اقامت دین کی دعویدار مودودی تحریک کے سیاسی ہتھکنڈوں کے لئے علمائے ملت کو لمحۂ فکریہ دیا اور عوام کو روشناس کرایا سماجی مجرموں اور سامراجی طاقتوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اور وہابیت کے عظیم فتنوں سے غیر ممالک کو باخبر کیا۔

یوں تو تاجدار کا ہر شمارہ نہایت معیاری، زبان وادب کا چٹخارہ، اور فکر وفن کا شہ پارہ ہوا کرتا تھا لیکن خصوصیت کے ساتھ اس کا ایک مستقل کالم تو پڑھتے ہی بنتا ہے جو نشیمن کے "تھپڑا خیں" کے جواب میں "شرارے" کے عنوان

صیاد کے قلم سے شائع ہوتا تھا۔ جس کا آغاز اس شعر سے ہوا کرتا تھا ؎

خوشا نصیب کہ پھر حق کی بجلیاں کوندیں
جہالتوں کے نشیمن کی اب تو خیر نہیں

تاجدار نے جہاں ایمان و عقیدے کا تحفظ، دین فروشوں کی مجرمانہ ذہنیت کی نقاب کشائی اور بلند پایہ علمی و فکری مضامین کا التزام کیا۔ وہیں ملکی اور بین الاقوامی سیاست پر بے لاگ تبصرہ کر کے ذہن و فکر کی صحیح تربیت کا فریضہ بھی ادا کیا۔ تاکہ ایمان و عقیدے کی پختگی کے ساتھ ساتھ ایسا سیاسی شعور بیدار ہو جس سے ملک کی تعمیر و ترقی میں مسلمان اپنی تعمیری صلاحیتوں کا مظاہرہ کر سکیں۔

ایک غیر جانبدار اخبار کی حیثیت سے اس نے نہ تو کبھی فرقہ پرستی، کو مودادی اور نہ بھارت دشمنی کو اپنا پیشہ بنایا۔ بلکہ ملک دوستی اور جمہوری رسم و روایات کی حفاظت و امانتداری کے لئے ہر جتن کیا البتہ ظلم کے خلاف حق و انصاف کی خاطر اپنی صدائے احتجاج ضرور بلند کی لیکن کچھ امن دشمن عناصر کے لئے اس کی مقبولیت اور کثرت اشاعت پریشانی کا باعث بن گئی۔ اور حکومت کو ورغلا کر کبھی " ۱۵۳ الف" اور کبھی دوسری دفعات کا چکر چلا کر مدیر مسئول مولانا انوار احمد نظامی کو ان کی حق گوئی و بے باکی کے پاداش میں جیل کی آہنی سلاخوں میں دھکیل دیا گیا۔ موصوف دو مرتبہ جیل کی قید و بند سے دوچار ہوئے اور دو مرتبہ " ۱۵۳ الف " کا پھندا ان کے گلے میں ڈالا گیا لیکن دار و رسن کی یہ آزمائشیں موصوف کے عزم و ارادے کی راہ میں حائل نہ ہو سکیں۔ اور اپنی پالیسی میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں کی حسب معمول آمریت اور نام نہاد جمہوریت کا پردہ چاک کرتے رہے جیسا کہ روزن زنداں سے عوام کے نام بھیجا ہوا یہ پیغام شاہد ہے:

" یہ صحیح ہے کہ ہم پہلے کی طرح آزاد نہیں رہے کچھ پابندیاں ہم پر پریس لانے عائد کر دی ہیں۔ کچھ حکومت کی سخت گیریوں نے۔ لیکن ہمارے حوصلے اب بھی جوان ہیں، ہم نے ضمیر کا سودا نہیں کیا ہے۔ ہم نے اپنی دماغی

فکری صلاحیتیں نہیں بیچی ہیں ہمارے قلم پر آج بھی کوئی پہرہ نہیں بٹھایا جاسکا ہے قلم کے محاذ پر ہم نے شکست نہیں کھائی ہے۔ ہم حالات کی سنگینوں سے ہراساں نہیں ہوتے۔ اس لئے ہم رات کو دن کبھی نہیں کہہ سکتے۔ ہم سے گدھے کو اسپ تازی اور قفس کو آشیانہ نہیں لکھا جائیگا۔ چاہے ہم پر قیامت ہی کیوں نہ گذر جائے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تاجدار اسی وقار اور تمکنت اور شان و اہتمام سے نکلتا رہے گا جو اس کی روایت رہی ہے اور جس طرح ہزار بندشوں کے باوجود پھول کی خوشبو غنچوں کی قید سے باہر نکل آتی ہے۔ جس طرح چاندنی تاریکی کے دبیز اور تہہ در تہہ پردوں کو شگاف کر کے روئے زمین پر پہنچ ہی جاتی ہے اسی طرح ہماری آواز بھی انشاء اللہ آپ تک پہنچے گی اور آپ گھر بیٹھے سن سکیں گے۔ [1]

اے کاش! آج کی نئی نسل کے جمود و تعطل کو توڑنے کے لئے پاسبان اور تاجدار کی نشأۃ ثانیہ کی جاسکتی ہے۔ ویسے کم از کم پاسبان کے اجرا کیلئے ذہنی راہیں متعین کی جارہی ہیں۔ اگر حضرت مولانا انوار احمد نظامی نے پوری طرح آمادگی ظاہر کی، تو انشاء اللہ العزیز ہم بہت جلد اس کے اجراء کی عملی راہوں پر بھی قابو پا جائیں گے۔

تصنیفات

حضرت پاسبان ملت نے ایک ماہر طبیب کی طرح وقت اور حالات کی صحیح نباضی کی اور تصنیف و تالیف کی جانب اپنی پوری توجہ مبذول کر کے اپنے گراں قدر تحقیقات و خیالات اور پیغامات کو قلم کے ذریعہ اس طرح محفوظ فرما دیا کہ آنے والی تمام نسلیں ہر زمانے میں ان سے مستفید ہوتی رہیں گی، اور مدتوں تک ان کی تحریریں دین و اسلام اور مسلک ملت کی تبلیغ و اشاعت و نصرت و حمایت کرتی رہیں گی آپ ان کی تصنیفات کی ایک نامکمل فہرست ملاحظہ کیجیے جس سے اندازہ ہو گا موصوف نے اس میدان میں ذہن و فکر اور قلم کی کتنی جولانیاں دکھائی ہیں۔

• خون کے آنسو اول و دوم • قہر آسمانی • کربلا کا مسافر • تنویر الایمان

---

[1] تاجدار ۱۴ جولائی ۱۹۷۲ء

فی فضائل شعبان • دیوبند کا نیا دین • انکشافات • دیوبند کی خانہ تلاشی • مجرم کون • جماعت اسلامی کا شیش محل • ہند کے راجہ • دیندار کے بے نقاب چہرے۔
• مینارۂ ہدایت • نسیم رحمت اول، دوم، سوم • فردوس ادب اول، دوم، سوم چہارم۔

کچھ ایسی بھی تصنیفات ہیں جو زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں اور اب ان کے مسودے بھی محفوظ نہیں ہیں۔ مثلاً
• تذکرہ • دو مجاہد • مبادیات منطق، معیار حق، تبلیغی جماعت کے ڈھول کا پول، مسئلہ تقلید شخصی • جائزہ • تازیانہ۔

شاعری

شاعری کیا ہے اور شاعری کے بارے میں کیا نقطۂ نظر رکھتے تھے خود علامہ نظامی کی زبانی سنئے وہ اردو شاعری کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" آج میز پر بکھری ہوئی کتابوں کا بے ترتیبی سے مطالعہ کر رہا تھا کہ حسن اتفاق سے سید مسعود حسن رضوی کا ایک چھوٹا سا ادبی مقالہ میری نظر سے گزرا جس کے بعض حصے مجھے بہت پسند آئے۔ خیال آیا کہ اپنی مسرت میں قارئین پاسبان کو شریک کر لوں۔ ہو سکتا ہے ذیل کی چند سطریں آپ کو بھی پسند آئیں۔

دنیا میں جو کچھ رونق اور چہل پہل ہے وہ جذبات کی بدولت ہے۔ اگر خوشی، غم، محبت، عداوت، نفرت، خوف، ہمدردی وغیرہ یہ سب جذبے نابید ہو جائیں تو دنیا میں ایک سناٹا چھا جائے نہ گلاب کے چمن سے فرحت ہو، نہ ببول کے کانٹوں سے وحشت، نہ شاما کے سحری نغموں سے روح بیدار ہو نہ کوے کی بے ہنگام صدا کانوں پہ بار ہو، نہ کسی سے ملنے کا اشتیاق ہو نہ کسی سے چھٹنا شاق ہو، ایک بے امتیازی بے تعلقی کا عالم پیدا ہو جائے مختصر یہ کہ اگر جذبات فنا ہو جائیں تو رشتے ٹوٹ جائیں، تعلق چھوٹ جائیں، زندگی کی دلچسپیاں مٹ جائیں، سوسائٹی کی بنیادیں ہل جائیں، معاشرت کی کلیں بگڑ جائیں، تہذیب و تمدن کے کارخانے

بند ہو جائیں اور انسانیت و حیوانیت کے بیچ میں ایک حد فاصل باقی رہ جائے۔ عقل کے علاوہ جذبات بھی انسانیت کا طرۂ امتیاز ہے یہی جذبات جب لفظوں کا لباس پہن لیتے ہیں تو شعر کہلاتے ہیں جو حضرات شعر و شاعری کو محض بیکاری کا مشغلہ جانتے ہیں ان کی خدمت میں مولانا صفی لکھنوی کا شعر حاضر ہے ؎

شاعری کیا ہے مری جذبات کا اظہار ہے
دل اگر بیکار ہے تو شاعری بیکار ہے

علمی دنیا میں ڈارون کا نام کون نہیں جانتا۔ ابتدائے عمر میں اسے شعر و سخن سے بڑی دلچسپی تھی مگر بعد کو مسئلہ ارتقاء کی تحقیق نے اسے ایسا محو کرلیا کہ کسی اور طرف توجہ کا موقع نہ دیا، آخر عمر میں اس نے اپنی سوانح عمری میں خود لکھا۔ اس میں اپنے جذبات کے مردہ ہو جانے پر اظہار افسوس کیا کہ ۳۰ برس کی عمر تک بلکہ اس کے بعد تک شاعری کی اکثر صنعتوں میں مجھے بہت لذت ملتی تھی لیکن اب کئی سال سے ایک مصرع بھی پڑھنا میری قوت برداشت سے باہر ہے۔ اگر مجھے اپنی زندگی پھر سے مل جاتی تو کم سے کم ہفتے میں ایک دفعہ کچھ شعر کا پڑھ لینا اپنا معمول بنا لیتا۔ امریکہ کا مشہور ماہر نفسیات پروفیسر جیمس لکھتا ہے کہ ڈارون کے اس بیان سے لوگوں کو سبق لینا چاہیئے اور ہر شخص کو کم سے کم دس منٹ روز شاعری کے لئے وقف کر دینا چاہیئے۔ تاکہ جذبات مردہ نہ ہونے پائیں۔

میری نگاہ میں اس قول کو یوں بھی اہمیت ہے کہ وہ کسی شاعر کی زبان سے نہیں بلکہ ایک مشہور فلسفی کے غور و فکر کا نتیجہ اور ایک مشہور سائنس داں کے ذاتی تجربوں کا خلاصہ ہے اور یہ واضح رہے کہ فلسفہ اور سائنس یہی دو شعر کے بڑے دشمن ہیں مگر انھیں بھی شعر و شاعری کے مفید ہونے سے انکار نہیں۔ شاعری بے حس قوتوں کو چونکاتی ہے، سوئے احساس کو جگاتی ہے، دلوں کو گرماتی ہے، حوصلوں کو بڑھاتی ہے، مصیبت میں تسکین دیتی ہے، مشکل میں استقلال سکھاتی ہے۔ بگڑے ہوئے اخلاق کو سنوارتی ہے، اور گری ہوئی قوموں کو

ابھارتی ہے۔ ؎۱

علامہ کے ان تاثرات اور اظہار خیال سے خوب واضح ہے کہ وہ شاعری سے کس حد تک شغف رکھتے تھے حالانکہ وہ کہتے ہیں ؎

اے نظامی چھوڑ دے افسانۂ شعر و سخن
یہ تری منزل نہیں اور یہ ترا عالم نہیں

شاعری کی دنیا میں فکر و نظر کے کتنے نشیب و فراز سے دوچار ہونا پڑتا ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ بالخصوص نعتیہ شاعری کی دنیا میں تو وہی لوگ قدم رکھتے ہیں جن کا دل و دماغ توفیق الٰہی اور عشقِ رسول سے آباد و مزین ہوتا ہے ورنہ بغیر تائید ربانی و اعانت رسول کے یہ وادی از ابتدا تا انتہا وادیٔ خارزار ہے۔ جہاں کانٹوں کی دست درازیاں ہیں کیونکہ یہ وہ مقام ہے جہاں حسن صورت و حسن سیرت کے القاب و آداب سے ممدوح کو نہیں مداح اپنے کلام کو سجاتا ہے۔

ما ان مدحت محمداً بمقالتی
لکن مدحت مقالتی بمحمد

علامہ نے اس کی اہمیت کی جانب کتنا لطیف اشارہ فرمایا ہے۔

یہاں تو ہر بات جچی تلی کہی جاتی ہے نہ تو عشق و محبت کے غلو میں رسالت کا ڈانڈا توحید سے ملایا جائے اور نہ ہی خبث باطنی کے تحت محبوب خدا کو اپنے جیسا بشر کہا جائے۔ بر وقت کسی کا ایک مصرع یاد آیا۔ کہنے والے نے کہا اور بڑی احتیاط سے کہا۔

؏ گو لاکھ بشر اپنے کو کہو کچھ اور گمانِ عالم ہے

وضاحت نہ کرتے ہوئے اور گمان نے اس مصرع میں جان ڈال دی ہے، ابہام و تنکیر نے مصرع کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا ہے۔ گویا ایک سوالیہ نشان ہے جس میں تلاشِ معنی کے لئے ذوقِ تجسس کو دعوت امتحان ہے۔ ؎۲

؎۱ ماہنامہ پاسبان مارچ ۱۹۵۵ئہ ؎۲ نشاط زندگی۔

علامہ نظامی اپنے ذوقِ شاعری کے بارے میں ایک مقام پر یوں رقم طراز ہیں
اگر آپ مجھ سے پوچھئے کہ کیا تم شاعر ہو؟ تو ایک بار نہیں کئی بار
یہ کہتے ہوئے تامل نہیں کروں گا کہ نہ شاعر ہوں نہ شاعری سے دور کا رشتہ ہے
البتہ دوسروں کے اشعار سے دل بہلا لیتا ہوں۔ کبھی کبھی تو یہ حال ہوتا
ہے کہ ایک ہی شعر ہفتوں گنگناتا رہتا ہوں۔ مولانا ابوالوفا فصیحی کا یہ
نعتیہ شعر ہفتوں میری زبان پہ رہا۔

وہ ہر عالم کی رحمت ہیں کسی عالم میں رہ جاتے
یہ ان کی مہربانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا

مجھے اتنا یاد ہے کہ ۱۹۴۲ء میں شعر و شاعری کا ہلکا سا ذوق
پیدا ہوا پینسل کا ایک ٹکڑا اور کاغذ کے چند پرزے ہر وقت
میری جیب میں رہتے۔ اگر مصرع اول کہہ لیتا تو مصرع ثانی کی تک بندی
میں گھنٹوں بیت جاتے اور دماغ اسی ذہنی کشمکش میں الجھا رہتا۔
یہ اس وقت کی بات ہے جب استاذ محترم مولانا محمد نظام الدین صاحب قبلہ
مفتیٔ پاسبان کی درسگاہ میں ترمذی شریف کا درس ہو رہا تھا بسا اوقات
ایسا ہوتا کہ استاذ محترم پوری تقریر فرما جاتے مگر ردیف و قافیہ کی
جوڑ گانٹھ میں میرے پلے کچھ نہ پڑتا۔ طبیعت کا بگڑتا ہوا رنگ دیکھ
کر اساتذہ کو اصلاح کرنی پڑی یہاں تک کہ دماغ کا رخ بدل دیا۔
اور فطرت کے ابھرتے ہوئے جذبات سرد پڑ گئے۔
پھر تعلیمی سرگرمیوں میں منہمک ہو گیا۔ الہ آباد یونیورسٹی سے
فاضل ادب کی کامیابی پر شکیلؔ بدایونی کی غزل پر ایک طرحی مشاعرہ
منعقد کیا مصرع طرح تھا

ع شراب مست نظر سے پلائی جاتی ہے

مجھے اپنی غزل کا ایک شعر یاد ہے :ے

کسی کے عارض رخ پر بکھر گئیں زلفیں
بیاضِ صبح پہ ظلمت سی چھائی جاتی ہے

نہیں جانتا کہ یہ شعر کس بحر میں ہے اور کیا تقطیع ہے اور واقعہ تو یہ ہے کہ ہم لوگوں کی شاعری بحر و تقطیع سے بے نیاز ہے ابھی تھوڑے دنوں کی بات ہے، پرشدے پور ضلع رائے بریلی میں مسئلۂ قیام و میلاد پر عبد السلام لکھنوی سے مناظرہ تھا جسمیں میں بھی شریک تھا۔ پرشدے پور کی کسی نشست میں حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ہم لوگ طالب علمی کے زمانے میں خود بزم مشاعرہ منعقد کرتے اور دوسرے مشاعروں میں بھی شریک ہوتے سید العلماء مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی بھی نعت و غزل پر طبع آزمائی فرماتے مگر ایک ہی شعر کا کوئی مصرع چھوٹا ہوتا کوئی بڑا۔ جب لوگ مولانا سے عرض کرتے کہ فلاں مصرع بڑھ گیا ہے تو مولانا بڑی بے تکلفی سے جواب دیتے "کیا مضائقہ ہے بڑھ گیا ہے چھوٹا تو نہیں ہے۔ سید العلماء میرے سلسلۂ اساتذہ میں ہیں۔

ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا [1]

یہ تو آپ کا کمال انکساری ہے ورنہ بقول جناب خورشید جان قریشی۔ سری نگر کشمیر۔

"برصغیر ہند و پاک میں اسلامی علم و ادب اور شاعری کے پرانے اور نئے رجحانات، نئے حالات و نئے تقاضوں پر ان کی گہری نظر تھی۔ ادب و شاعری کسی بھی موضوع پر لکھتے تھے تو بلا جھجھک۔ شاعری کے فن پر عبور حاصل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان موضوعات پر علامہ نظامی کے دوست احباب ان کے خیالات سننے کے لئے ہمیشہ

---

[1] ماہنامہ پاسبان مارچ ۱۹۵۵ء

بے تاب رہتے تھے۔ [1]

نمونۂ کلام

علامہ نظامی کو خواہ مخواہ شعر کہنے کا شوق نہیں تھا۔ البتہ حسب فرصت جب اشعار کہتے تو کلام کا ہر شعر انتہائی موزوں، بااثر، ہوتا۔ اگر آپ کے کلام کا فن عروض کے اعتبار سے تجزیہ کیا جائے تو ہر شعر کسی نہ کسی بحر میں ضرور پالیا جائے گا۔ بے جھجک، برجستہ اور بے تکلف ہو کر اشعار کہتے۔ جذبات آفرینی، سوز و گداز، عشق و وارفتگی کے ساتھ ساتھ اپنے احساسات و خیالات کو روزمرہ کے سہل ترین الفاظ کا جامہ پہنا کر شاعری کا رنگ دینا آپ کی خصوصیات سے ہے۔

ان کے نعتیہ کلام کے جس شعر نے مجھے سب سے زیادہ متأثر کیا وہ ہے عشقِ رسول میں ڈوبا ہوا یہ شعر ؎

طواف کعبہ بھی کرنا ہے مجھ کو اے حرم والو!
اگر فرصت ملی مجھ کو طواف کوئے جاناں سے

لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ وہ اس وارفتگی کے باوجود جس رسول دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق اور اس کی شورش و سرمستی ان کے دل میں تاحیات تہلکہ مچاتی رہی۔ اور اس محبوب کے دامن ناز کو پکڑنے کے لئے تا زندگی اپنا گریبان وحشت چاک کرتے رہے اسی محبوب کے سنگ در کی زیارت نہ ہو سکی اور نہ ہی فریضۂ حج سے سبکدوش ہوئے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس حرماں نصیبی کا باعث کیا ہے۔ آیا تحفظ ناموس توحید و رسالت اور جماعتی و دینی مشاغل و مصروفیات کا ہجوم حائل تھا یا موصوف کا وہ عارضۂ قلب اس شرف کو حاصل کرنے سے مانع رہا جو تادم حیات آپ کو ایروپلین سے سفر کرنے سے معذور رکھا یا یہ کہ مسلسل علالتوں کے باعث وقت اور حالات سازگار نہ ہو سکے۔

بہرحال حضرت موصوف اپنی اس نامرادی و ناکامی پر پوری زندگی کف افسوس

---

[1] حجاز مارچ اپریل ۱۹۹۱ء

ملتے رہے۔ اور اس امید پر جیتے رہے کہ کبھی تو درِ محبوب کی حاضری نصیب ہو گی۔

فرماتے ہیں :—

ناکامِ تمنّا ہوں مگر آس بندھی ہے
سنگِ درِ جاناں پہ کبھی اپنی جبیں ہو

آپ کے کلام میں حمد، قطعہ، منقبت، غزل، سبھی کچھ پائے جاتے ہیں لیکن غزلیں ایسی ہیں جنہیں نعت کا پہلو بھی نمایاں ہے بلکہ اگر انھیں نعتیہ غزل کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا جن پر تبصرہ کرنا مجھ کمترین کی مجال نہیں۔ البتہ ان کے کلام کے چند منتخبات حاضر ہیں۔ قارئین ان کے فن کی پختگی، زبان و بیان کی قدرت کا خود فیصلہ کریں۔

دل میں تم کو لے آیا ہوں، نرالے بھیس میں
تم ہمارے دیس میں ہو ہم تمہارے دیس میں

در بدر کوچہ بہ کوچہ انتہائے شوق میں
میں تمھیں کو ڈھونڈتا تھا کل تمہارے دیس میں

میں نے مانا حسن کی رعنائیاں تھیں ہر طرف
کون جچتا ہے تمہارے بن تمہارے دیس میں

عشق آتے ہی بساطِ زندگی جاتا رہا!
پھول کانٹے بن گئے ہیں اب تمہارے دیس میں

کون جانے کب مٹے گا کاروانِ زندگی
ہر نظر بیگانہ اٹھتی ہے تمہارے دیس میں

اک تمہارا آسرا تھا تم نے آنکھیں پھیر لیں
کون اپنا بن سکے گا اب تمہارے دیس میں

گرم آنسو، سرد آہیں، داغِ دل، خونِ جگر
یہ متاعِ عشق لایا ہوں تمہارے دیس میں

تم نہ مجھ کو مل سکے تو ہر در و دیوار سے
میں گلے مل مل کے رویا کل تمہارے دیس میں

•

زلفوں کو اپنی آپ پریشاں نہ کیجئے
صحنِ چمن میں خونِ بہاراں نہ کیجئے

ناکامیوں کے ہاتھ جو دنیا سے چل بسا
مرقد پہ اس کے جشنِ چراغاں نہ کیجئے

کہنے کو دل مرا ہے، مگر آپ ہی کا ہے
اپنے چمن کو آپ بیاباں نہ کیجئے

دامن نہ چھوٹ جائے کہیں صبر و ضبط کا
اتنا کسی کو آپ پریشاں نہ کیجئے

اپنی جفا کو چھیڑ کر میری وفا کے ساتھ
اپنے کو آپ خود ہی پشیماں نہ کیجئے

توہینِ عشق ہے یہ نظامی سمجھ لیں آپ
دامن کو تار چاک گریباں نہ کیجئے

•

بتائے کوئی دیوانہ کبھی اسرارِ پنہاں کو
جنونِ عشق میں ایسا کبھی عالم نہیں ہوتا

بھڑک جاتی ہے جب یہ آگ تو بجھنے نہیں پاتی
چراغِ عشق جل جاتا ہے تو مدھم نہیں ہوتا

نشیمن خاک ہو جائے متاعِ زیست لٹ جائے
مگر اہلِ وفا کی بزم میں ماتم نہیں ہوتا

کسی کا راز رکھنے کو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
کہ آنسو جھلملاتے ہیں، دامن نم نہیں ہوتا

خلوص دوستی اس میں کہاں دھوکا ہی دھوکا ہے
جو اپنا ہو کے بھی اپنا شریکِ غم نہیں ہوتا

پریشانی مری سن کر جو کل تک سر دھنتے تھے
اب ان کو میری بربادی کا کوئی غم نہیں ہوتا

فقط عشق ہی کو نہ مجبور سمجھو ارے حسن بھی تو ہے مجبور توبہ ! ! !
سمجھتے رہے عمر بھر مجھ کو اپنا زباں سے مگر وہ کبھی کہہ نہ پائے
وہ آئیں تو بن بات کے روٹھ جائیں وہ جائیں تو دل ہی سے مجھ کو بھلائیں
میں گویا ہوں ان بدنصیبوں میں جسکو خوشی راس آئے نہ غم راس آئے
تری چشم ترکش کے قربان جاؤں جو ساغر کا ساغر لئے سو رہی ہے
پلا دے اسے آنکھ سے آج ایسی قدم ڈگمگائے پھسلنے نہ پائے
سفینہ محبت کا کب ڈوب جاتا مگر وہ تو کہئے کہ ضبط کام آیا !
سلامت رہے حوصلہ میرے دل کا اسی کو یہ چاہے جو اس کو ستائے
وہ کیا مجھ سے روٹھے زمانہ خفا ہے نہ غیروں سے شکوہ نہ اس سے گلہ ہے
وہی جیت پائے محبت کی دنیا زباں پہ جو حرف شکایت نہ لائے
مجھے چپ ہی رہنے دے مت چھیڑ ناصح میرے حال دل سے تو واقف نہیں ہے
وہ کیا تجھ سے بولے گا تو ہی بتا دے جو ہر بات پر صرف آنسو بہائے
نظامی بس اپنا مقولہ وہی ہے جو رومی و جامی نے اکثر کہا ہے
نصیبے کا اس کو سکندر کہوں گا جو اپنے کو کھو کر انھیں ڈھونڈ پائے

•

کیا ابھی پُر درد میری داستانِ غم نہیں
سننے والے سن رہے ہیں اور آنکھیں نم نہیں

چاہئے ایسی خلش جو دل کو تڑپاتی رہے
وہ بھی کوئی زندگی ہے جس میں کوئی غم نہیں

بارگاہ حسن پر جھکتی ہے دل کی کائنات
وہ بڑا سرکش ہے جس کا سر یہاں پر خم نہیں

دست نازک سے دیا ساقی نے مجھ کو جام مے
لاؤ اس کو چوم لوں یہ جامِ جم سے کم نہیں

یہ دل خود جلوہ گاہ یار ہے پھر اس کا کیا کہنا
یہاں کی صبح پر اب شام کا عالم نہیں ہوتا
محبت کی یہ دنیا بھی عجب پر کیف دنیا ہے
متاع دو جہاں کھو کر بھی کوئی غم نہیں ہوتا

تمھیں پا کر نظامی بھول بیٹھا ہے زمانے کو
اب اس کو شکوۂ احباب کا بھی غم نہیں ہوتا

●

وہ آئے مرے سازِ ہستی کو چھیڑے کبھی گنگنائے کبھی مسکرائے
پھر ایسے مجھے بھول بیٹھے ہیں جا کر نہ پیغام بھیجے نہ خود ہی وہ آئے
یہی بات بس حاصلِ زندگی ہے رہے دل میں لیکن زباں پر نہ آئے
بڑا قیمتی ہے وہ پلکوں کا آنسو زمیں پر نہ ٹپکے مگر جھلملائے
اسے کس طرح کوئی پہچان پائے جو دل میں تو آئے سمجھ میں نہ آئے
اسے دیکھ پائے کوئی آنکھ کیسے۔ جو پردہ اٹھائے نہ پردہ گرائے
یہ اس کا کرم ہے کہ دل ایسا بخشا کبھی یاد سے تیری فرصت نہ پائے
ملی ہے وہی آنکھ مجھ کو ازل میں تری رہگذر میں جو پلکیں بچھائے
نہ جانے مرے دل کا آزار کیا ہے بڑھے دل کی دھڑکن جو کوئل پکارے
کلیجہ پکڑ کے وہیں ہم بھی روئے پپیہا کہاں پی کے جب گیت گائے
ترے حسنِ معصوم کے میں تصدق جسے دیکھتے ہی کلی مسکرائے ! ! !
تری مسکراہٹ کے قربان جاؤں جو بجلی گرائے نشیمن جلائے
وہی کامیابِ محبت ہے ناصح جو دھاروں سے الجھے جفاؤں سے کھیلے
وہ کیا کر سکے گا جو پھولوں سے کھیلے مگر اپنا کانٹوں سے دامن بچائے
مری آرزو تھی انھیں ہم جو پاتے تو گلے مل کے روتے، غمِ دل سُناتے
نہ جانے ہوا کیا انھیں دیکھتے ہی قدم ڈگمگائے تو لب تھرتھرائے

تم نہ بدلو بس یہی ہے مدعائے زندگی،
پھیر لے رخ ساری دنیا مجھ کو اس کا غم نہیں

اشک بن کر ڈھل رہا ہے خونِ دل خونِ جگر
یہ متاعِ عشق ہے پانی نہیں شبنم نہیں

فرق صرف اتنا ہے میرے اور ان کے درمیاں
مجھ کو ان کا غم ہے لیکن ان کو میرا غم نہیں!

کوئی دیکھے تو صحیح کتنا ہے محکم رابطہ
غم برائے دل نہیں یا دل برائے غم نہیں

اے نظامی چھوڑ دے افسانۂ شعر و سخن
یہ تری منزل نہیں اور یہ ترا عالم نہیں،

●

ترے حسنِ ازل کے سب پجاری
نہ پوچھو رفعت انساں کا عالم
تمھیں دیکھا ہے یا سوچا ہے جب بھی
بس اتنا جانتا ہوں تم نے لوٹا
جو کل تک تھے شریکِ غم ہمارے
وہ دل جسمیں جلی تھی شمع الفت
تری الفت میں ہر کوچے سے گذرا
وسیلہ بھی بڑی شے ہے خدایا

کوئی شیخ حرم ہو یا برہمن
وہاں پہنچا جہاں چلمن پہ چلمن
نہ جانے کیوں اٹھی ہے دل میں دھڑکن
تمہارا بانکپن ہو یا، لڑکپن
انھیں ہاتھوں نے پھونکا ہے نشیمن
وہی اب آرزوؤں کا ہے مدفن
نہ دیکھا میں نے صحرا اور نہ گلشن
میں پہنچا تو مگر دامن بہ دامن

بڑا نادان ہے تو بھی نظامی
اسی کو دل دیا جو دل کا دشمن،

●

نہ جانے کتنی رعنائی کو تم میں جلوہ گر دیکھا
کبھی لعل و گہر دیکھا کبھی شام و سحر دیکھا

کبھی بجلی سی کوندی تھی بس اتنا یاد آتا ہے
نہ جانے ان کو دیکھا یا کوئی برق و شرر دیکھا

میں قرباں حسن جاناں تیری اس جلوہ نمائی کے !!
تجھے جب بھی جہاں دیکھا با انداز دگر دیکھا

تبسّم زیرِ لب، آنکھیں تو بہ جھکیں شکن زلفیں
قیامت در بغل گذرے ادھر دیکھا ادھر دیکھا

لب لعلیں، درِ دنداں، رخ زیبا، قدرِ رعنا
زمیں پر اک فرشتے کو بہ انداز بشر دیکھا

تمھیں دل میں مکیں پا کر نظامی کا یہ عالم ہے،
نہ کوئی رہ گذر دیکھا نہ کوئی بام و در دیکھا

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ کی شان میں علامہ کی ایک منقبت ملاحظہ کیجیے جسمیں انھوں نے اپنے قاشہائے دل کو پیش کر دیا ہے :ے

آج آیا ہوں میں اک ایسے بشر کے سامنے !!
صف بصف قدسی کھڑے ہیں جن کے در کے سامنے

یہ شہنشاہی نہیں تو اور اس کو کیا کہیں
ساری دنیا بھیک مانگے ان کے در کے سامنے

ہے گریباں چاک، دامن تار، آنکھیں اشکبار
کیسے دیوانے کھڑے ہیں تیرے در کے سامنے

تیرے جلووں میں نہائی آنکھ اپنی مدتوں!
اب کوئی جچتا نہیں میری نظر کے سامنے

کوئی راجہ ہے نہ پرجا آستاں ایسا ہے یہ
سب گدایانہ کھڑے ہیں ان کے دَر کے سامنے

دیدہ و دل روتے روتے تھک گئے اپنے حضور
اب تو ہم کو بھیج دو خیر البشر کے سامنے

چاند شرمندہ ہوا سورج بھی پھیکا پڑ گیا،
جب کبھی تم آگئے شمس و قمر کے سامنے

اے مفسر، اے محدث، اے مجاہد اے فقیہ
کون ٹک سکتا تھا تیرے اس ہنر کے سامنے

میر صاحب، عبدالرب، ملا نظام، عبدالوحید
کون آئے گا تیرے لعل و گہر کے سامنے

حشر میں مجھ کو چھپانا اپنے دامن میں حضور
میری رسوائی نہ ہو خیر البشر کے سامنے

نام سنتے ہی ترا باطل نے اپنی راہ لی!
تیرا ایسا دبدبہ تھا کم نظر کے سامنے

سرخروئی، سرفرازی، سربلندی ہو عطا
بھیک لینے آگیا ہوں تیرے در کے سامنے

قادری، چشتی، نظامی سب ہیں تیرے جاں نثار
عشق کا میلا لگا ہے تیرے در کے سامنے

قاشہائے دل کو لایا آستاں پہ اسلیے
اشک کام آتا نہیں خونِ جگر کے سامنے

سینہ بریاں، چشم گریاں، آستیں بھیگی ہوئی
آگیا تیرا نظامی تیرے دَر کے سامنے

مخیّر حضرات کے نام علامہ نظامی کا پیغام

آج ہماری درسگاہوں کے طلبہ سے بعض دولت مند طبقہ نے یک گونہ بے اعتنائی برت لی ہے حالانکہ انھیں سوچنا چاہیئے کہ مستقبل میں ملّت اسلامیہ کے نشر واشاعت کی ذمّہ داری انھیں کے کاندھے پر ہوگی۔ اور کسی وقت یہی قوم کے ہادی و رہنما ہوں گے۔ اسلئے مسلمانوں سے اپیل ہے کہ میری دو تین باتیں جلتے جاتے یاد رکھیں پہلی یہ کہ اپنے مدارس کو مضبوط بناؤ۔ اور عربی طلبہ کی قدر کرو۔ دوسری یہ کہ آج وہابی دیوبندی علماء سنّیت کا لبادہ پہن کر آرہے ہیں لہٰذا انھیں پہچاننے کی کوشش کرو۔ تیسری یہ کہ اس وقت علمائے اہلسنت دشمنوں کے نرغے میں ہیں۔ لہٰذا انھیں پورے طور پر تمہارا تعاون حاصل ہونا چاہیئے۔ تمہاری زبانوں پر کبھی بھی حوصلہ شکن کلمات نہ آنے چاہیئے۔ [1]

دار العلوم غریب نواز الہ آباد

اہل خیر سے گذارش ہے کہ دار العلوم کے مختصر سے کام باقی رہ گئے ہیں مثلاً سلیپ، ڈیزل گاڑی، دو گیٹ، ایک گنبد، بڑی گھڑی، اور بعض کمروں کی آئل پینٹ سے رنگائی، آپ حضرات کی امداد و اعانت سے میں نے اتنا کیا اب میں چراغ سحری ہوں سانس کا دھاگہ کب ٹوٹ جائے کس کو کیا خبر؟ آرزو تھی کہ جیتے جی دار العلوم کو اپنی تمناؤں کے ساتھ دیکھ لیتا۔ میرے پاس شکستہ دعاؤں کے علاوہ اور کیا ہے۔ کاش میں اپنے نیک خواب کی حسین تعبیر دیکھ لیتا [2]

علامہ نظامی

---

[1] ماہنامہ پا[illegible]بات نومبر ۱۹۵۹ء [2] دار العلوم کی مختصر رپورٹ۔

۷

مناظرہ

گر حلقۂ یاراں ہو تو ریشم کی طرح نرم

رزمِ حق و باطل ہے تو فولاد ہے مومن

❋—— مناظرہ کی تربیت

❋—— مُناظرانہ ذہن اور حاضر جوابی

❋—— محکم گرفت اور مخالف کی شکست

❋—— ایک سفید ریش کا تأثر۔

❋—— مُناظرے

❋—— شرائط مُناظرہ

ارشاد! تم مُناظرہ کی خوراک ہو اور مناظرہ میری خوراک ہے۔
(نظامی)

مناظرہ کی تربیت

ہندوستانی مسلمانوں کی یہ بہت بڑی بدنصیبی رہی کہ انگریزی سامراجیت کے بعد وہ بہت سے نت نئے مسائل میں الجھ کر رہ گئے۔ انگریزوں نے اپنی پوری ہوشمندی و دانائی سے کچھ ایسے دین فروش و ضمیر فروش علماء کو اپنا ایجنٹ بنالیا جن کے ہاتھوں اسلام میں رخنے پڑ گئے۔ علمائے سو کی اس جماعت نے اسلامی عقائد کی بلیک مارکیٹنگ کرنی شروع کر دی جس کے باعث پوری ملت اسلامیہ ایک دلدل میں پھنس کر رہ گئی۔ کہیں میلاد و قیام کا جھگڑا اور کہیں عرس و نیاز زیر مباحثہ تو کہیں امکان کذب باری تعالیٰ اور مسئلہ علم غیب پر مناظرہ۔ چنانچہ دیوبندیوں کی کفری عبارات کے خلاف جہاں علمائے حق نے جہاد بالقلم واللسان کئے، وہیں پاسبان ملت نے بھی احقاق حق اور ابطال باطل کے اس میدان میں ناقابل تسخیر جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا۔

میرے خیال سے ہندوستان میں علامہ موصوف نے جس قدر بھی مناظرے کئے ہیں ان میں اشرف علی تھانوی کی چند ورقی کتاب "حفظ الایمان" کی وہ کفری عبارات جنہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو جانوروں، چوپایوں، مجنوں اور پاگلوں کے علم سے تشبیہ دی گئی ہے اور جن کی حضرت علامہ نظامی نے دھجیاں اڑائی ہیں تمام مناظروں میں وہ عبارتیں سر فہرست آتی ہیں۔ آج بھی حضرت پاسبان ملت کے مناظرانہ کردار کا ذکر کرتے ہوئے یہ شعر یاد آتا ہے :؎

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے ،
رن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے

یوں تو ابتدا ہی سے انھوں نے بحث و مباحثہ کا ذہن پایا تھا لیکن آپ نے جن اکابر و مشائخ کے زیر سایہ باضابطہ مناظرہ کی تربیت پائی ان میں شیر بیشۂ سنت حضور مجاہد ملت حضور حافظ ملت اور مفتی اعظم کا نپور علیہم الرحمۃ والرضوان کی شفقتیں

قابل ذکر ہیں ۔

حضرت شیر بیشۂ اہلسنت علیہ الرحمۃ والرضوان کی تائید وحمایت اور علمی فیضان نے علامہ نظامی کو اس میدان میں بہت کچھ دیا جس کے لئے علامہ کی یہ تحریر کھلی ہوئی شہادت ہے۔ وہ فرماتے ہیں :

متعدد مقامات پر حضرت علیہ الرحمۃ کے ساتھ بیانات میں ساتھ رہا۔ مثلاً بھوجپور، سنبھل، بمبئی، احمد آباد، گورکھ پور، تلسی پور، فیض آباد، گھوسی، ویدہا، بڑ گاؤں، مغربی دیناجپور، وغیرہ۔ بسا اوقات مجھے استفادہ کا بھی موقع ملا۔ تحذیر الناس، اور حفظ الایمان کی عبارت پر مجھے کچھ شکوک وشبہات تھے میں نے اپنے شبہات پیش کئے اور حضرت علیہ الرحمۃ نے تسلی بخش جوابات دیئے[1]

یوں ہی حضور مجاہد ملت نے پاسبان ملت کو مناظرہ کے سلسلے میں بے پناہ فیض پہنچایا۔ چنانچہ ۱۹۵۴ء یا ۱۹۵۳ء کا واقعہ ہے کہ بھدرک اسٹیشن پر حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ نے پاسبان ملت سے فرمایا اگر مرتے مرتے میں چپکے سے کسی کے کان میں دو کتابوں کا نام کہہ دوں تو وہ اپنے وقت کا بہترین مناظر ہو جائے ۔ پاسبان ملت نے عرض کیا آخر وہ دو کتابیں کون کونسی ہیں ؟ مجاہد ملت نے فرمایا وہ دو کتابیں یہ ہیں (۱) الفضل الموہبی (۲) رسالہ الاستمداد اس کے علاوہ آپ نے حضرت کے ساتھ متعدد مناظروں میں شرکت کی اور حضرت نے آپ کو اپنی بیش بہا رائے، مشوروں اور فیوض وبرکات سے نوازا۔ اسی لئے علامہ نظامی فرماتے ہیں :-

عرض کہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سرکار مجاہد ملت کی نگاہِ کرم اور فیض بخشیوں کا نتیجہ ہے گویا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجاہد ملت کی درسگاہ میں ہم لوگوں کو فن مناظرہ پڑھایا نہیں بلکہ پلایا گیا ہے ۔ یہ جرأت وہمت انھیں کی عطا کردہ ہے جس کی بنیاد پر جھریا کے تاریخی مناظرہ میں مبلغ دیوبند مولانا ارشاد احمد فیض آبادی

---

[1] پاسبان اگست وستمبر ۱۹۶۰ء

کو میں نے گرجتی آواز میں کہا تھا ارشاد! ہمارا تمہارا یہی فرق ہے کہ تم مناظرہ کی خوراک ہو اور مناظرہ ہم لوگوں کی خوراک ہے۔ یہ سنتے ہی ارشاد کا چہرہ فق ہو گیا تھا اور روسیاہ دیوبندیوں کے چہرے پر مزید سیاہی دوڑ گئی تھی۔ میرا یہ وہ جگر شگاف نعرہ ہے جو آج تک ایوان دیوبندیت میں گونج رہا ہے۔ یہ ان کا کرم نہیں تو اور کیا ہے؟ [1]

ایسے ہی حضور مفتی اعظم کانپور علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی مناظرے کے سلسلے میں بڑی حوصلہ افزائی فرمائی اور پاسبان ملت کو اس میدان میں آگے بڑھنے کی ہمت وجرأت اور تربیت سے نوازا۔

چنانچہ علامہ نظامی حضرت مفتی اعظم کانپور کے ساتھ مناظرہ پر شدرے پور کے بعد جالس کے پاس ایک موضع کریمن پور کے مناظرے میں جب شریک ہوئے جہاں غیر مقلدین سے مناظرہ تھا۔ اصل مناظر تو حضرت مفتی اعظم کانپور تھے لیکن مخالف کا مناظر چونکہ کمسن اور کمزور تھا اور علامہ نظامی بھی ابھی نوجوانی کے عالم میں تھے جب ان سے نہ رہا جاتا تو یہ بے ضابطہ کھڑے ہو کر سوال وجواب میں الجھا لیتے تھے یہ دیکھ کر مخالف مناظر کا بوڑھا باپ شور مچا کر کہتا کہ کوئی بھی اٹھے مگر یہ چشمے والا (علامہ نظامی) نہ اٹھے یہ سن کر علامہ بے ساختہ ہنس پڑتے اور غضب ناک بھی ہو جاتے۔

یہ مناظرہ "تقلید شخصی" کے موضوع پر تھا چونکہ غیر مقلد کا مناظر کمزور تھا اس لئے جب وہ لاجواب ہو جاتا تو وہ اپنے بوڑھے باپ کو بلاتا۔ باپ بھی کوئی زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا بالآخر دونوں باپ بیٹے ہی میں مناظرہ شروع ہو جاتا۔ علامہ کچھ دیر بیٹھے دونوں کی نوک جھونک سنتے رہتے تھے اور پھر بوڑھے سے مخاطب ہو کر کہتے "دیکھو تم بے ضابطہ بول رہے ہو مگر میں خاموش ہوں۔ لہٰذا جب میں مائک پر آؤں گا تو تم بھی خاموش رہنا۔ علامہ کی یہ بات سن کر پورا مجمع قہقہہ لگاتا۔

---

[1] دیوبند کی خانہ تلاشی۔

اور جب علامہ یہ بات کہتے تو بوڑھا بھاگ کر اپنی جگہ چلا جاتا اور علامہ پھر شور مچاتے کہ بھاگنے سے کام نہیں چلے گا جتنی دیر تم بولے ہو اتنی دیر تک میں بھی بولوں گا مجمع یہ سن کر پھر قہقہہ لگاتا۔ الغرض علامہ نظامی بے ضابطہ مائک پر تشریف لاتے تو بوڑھا کچھ دیر خاموش رہ کر چلّاتا ادھیشہے والے تم زیادہ بول رہے ہو۔ علامہ جواباً کہتے او بڑے میاں! جب بے ضابطگی ہی ٹھہری تو کم اور زیادہ کا سوال ہی کیا؟ گھڑی دیکھتے رہو میں جتنی دیر بولوں اپنے وقت میں تم بھی اس قدر بول لینا مگر اب مجھے روک نہیں سکتے۔" علامہ اس طرح بولنے کا وقت بڑھا لیتے اور مخالف کو اس کا شعور بھی نہ ہو پاتا۔ اور ادھر حضرت مفتیٔ اعظم کان پور علیہ الرحمہ مسکرا مسکرا کر پان کھاتے، بٹوا کھول کر چھالیا، تمبا کو کھاتے۔ اور علامہ کی تیزی اور چابک دستی کو داد دیتے۔ اس کے بعد علامہ لکھتے ہیں:۔

گویا میں اس طرح ان (مفتیٔ اعظم کان پور) کے دامن کرم میں مناظرہ کی ٹریننگ حاصل کرتا رہا۔ زندگی کے یہی وہ قیمتی لمحات ہیں جو خاک اور ذروں کو کندن بناتے ہیں۔ [1]

مناظرانہ ذہن اور حاضر جوابی

ایک کامیاب مناظر کے لئے اگر یہ ضروری ہے کہ وہ نہایت ذہین وطباع اور حاضر جواب ہو وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ اسے مروجہ تمام علوم وفنون پر دستگاہ کامل ہو۔ کیونکہ میدان مناظرہ میں اس کا بھی بہت زیادہ احتمال رہتا ہے کہ قرآن وحدیث، فقہ واصول فقہ، تفسیر واصول تفسیر، ادب، نحو، صرف معانی وبیان اور منطق وفلسفہ وغیرہ کے مباحث چھڑ جائیں۔ علامہ نظامی جہاں ان علوم وفنون کے ماہر روزگار تھے وہیں انھوں نے مناظرانہ ذہن ودماغ، اور طبیعت کی تیزی بھی پائی تھی۔ جس کا ثبوت آپ کی زندگی کے درجنوں کامیاب مناظرے اور مباحثے ہیں۔ آپ میدان مناظرہ کے ان شہسواروں میں سے تھے۔

---

[1] پاسبان جنوری فروری ۱۹۸۴ء

جن کی گرد راہ کی بھی خبر لوگوں کو نہیں ہو پاتی تھی۔ اور ذہن تو اس قدر حاضر جواب اور نکتہ رس کہ بھیونڈی کے مناظرہ میں ایک موقع پر آپ نے ایسا نکتہ پیش کیا جسے سن کر حضور مجاہد ملت نے فرمایا:

"اگر مجھے وسعت ہوتی تو میں مولانا مشتاق احمد نظامی کو ہیرے جواہرات سے وزن کر دیتا۔" (یا باختلاف روایت سونے سے)

یوں ہی حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب قبلہ لکھتے ہیں :۔

قدرت نے انھیں السار رسا ذہن عطا فرمایا تھا کہ مخاطب نے کوئی بات کہی تو وہ فوراً مضمون کی تہ تک پہنچ جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی وہ میدان مناظرہ میں اترے تو مخالف نے گھنٹوں نہیں بلکہ منٹوں میں اپنی شکست کا زبانِ حال سے اقرار کر لیا۔ اور ان کی اس کامیابی پر اور قدرتی نصرت پر سامعین اور حاضرین میں دھوم مچ جاتی۔ کبھی کبھی تو لوگ ان کو گود میں اٹھا لینے کی تمنائیں کرتے۔ [1]

غرض کہ عوام و خواص کا یہ تأثر رہا کہ مناظرہ کے اسٹیج پر علامہ نظامی کی موجودگی بہت ہی ضروری اور اہم سمجھی جاتی ہے کیونکہ وہ حریف کے حملہ اور دفاع دونوں سے بہت دور تک واقف ہو جاتے ہیں۔ آپ جب کبھی کہیں بسلسلۂ مناظرہ پہنچتے اور وہابی حضرات اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر حکم امتناعی نافذ کرا دیتے تو اس پر پاسبان ملت کو بڑا قلق ہوتا اور مناظرہ نہ ہونے پر ایسے ہی بپھر جاتے جیسے کسی بھوکے شیر کے سامنے سے اس کا شکار غائب کر دیا جائے۔ اور فرماتے کہ "بنارس کی ساڑی پہننے والے بھلا چلمن سے کیا باہر آئیں گے۔"

میرا خیال ہے کہ مناظرہ کے سلسلے میں یہ علامہ نظامی کی خداداد صلاحیت تھی جس پر منطق و فلسفہ کی مہارت نے چار چاند لگا دیا ہے۔

ان کی حاضر جوابی کی متعدد مثالیں موجود ہیں مثلاً صوبہ گجرات مقام

---

[1] غیر مطبوعہ بیان

بولیہ کے ایک باغ میں منعقدہ مناظرہ جسمیں حضور مجاہد ملت، مفتی اعظم کان پور، اور علامہ نظامی علیہم الرحمہ بھی شریک تھے۔ مناظرہ کے دوران مخالف کے اسٹیج سے جب سوال کیا گیا :

ارشاد : مولوی مشتاق! آپ کے اعلیٰحضرت نے تو قرآن میں تحریف کی ہے (اتفاق سے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی کتاب "الملفوظ" میں قرآن کی ایک آیت کہیں منقول تھی جسمیں کاتب کی غلطی سے آیت کا کوئی لفظ چھوٹ گیا تھا) مخالف کے اس اعتراض وسوال پہ

مجاہد ملت: مشتاق تم کہہ دو کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔

نظامی: حضور اگر میں کاتب کی غلطی کی بات کروں تو ارشاد میری بات فوراً تسلیم کرلے گا اور پلٹ کر یہ کہدے گا اچھا چلو مان لیتے ہیں کہ یہ کاتب کی غلطی ہے لیکن حفظ الایمان کی کفری عبارات بھی مولانا اشرفعلی تھانوی کی نہیں ہیں بلکہ کاتب کی غلطی ہے۔ ارشاد نے اگر ایسا کیا تو تالی پٹ جائے گی اور مناظرہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔

مجاہد ملت: تو پھر مرتب کی غلطی مان لو۔ (الملفوظ کے مرتب حضور مفتی اعظم ہند ہیں)

نظامی: ایسا کرنے سے اعلیٰحضرت کا دامن تو بے غبار ہو جائے گا۔ لیکن حضور مفتی اعظم ہند کی شخصیت مجروح ہو کر رہ جائے گی۔ اور جیتے جی مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ بات تو وہ کہی جائے جس سے کسی کا دامن داغدار نہ ہو۔

مجاہد ملت: تو پھر کوئی ایسا جواب دو کہ ارشاد لاجواب ہو کر پٹ جائے۔

علامہ نے عرض کیا حضور دعا چاہئے۔ بس

یہی ہوا کہ علامہ نظامی بپھرے ہوئے شیر کی مانند انتہائی جرأت دلیری کے ساتھ اسٹیج پہ کھڑے ہوئے اور للکارتے ہوئے کہا :

نظامی: ارشاد! یہ کوئی درسگاہ یا پڑھنے پڑھانے کی منزل نہیں جہاں
تمھیں پڑھایا جائے گا۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ہمیں قرآن
پاک کا کوئی ایسا نسخہ دکھاؤ جس میں اعلیٰحضرت نے تحریف کی ہو۔
ارشاد: نے شور مچایا اور کہنا شروع کیا۔ مولوی مشتاق! آپ کی یہ بات مانی
نہیں جائے گی۔
نظامی:۔ (گرجتی آواز میں) میں کہتا ہوں وہ قرآن دکھاؤ جس میں اعلیٰحضرت
نے تحریف کی ہو۔ اور تو کہتا ہے بات نہیں مانی جائے گی۔
اتنا کہنا تھا کہ پورے مجمع میں نعروں کی آوازیں گونجیں "آیا قرآن بھاگا
شیطان" اور ادھر مولوی ارشاد اسٹیج سے ایسے بھاگے جیسے شتر بے مہار
اور پھر ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔[1]

******
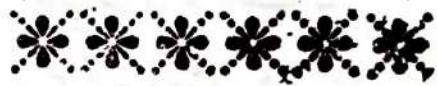
یوں ہی غیر مقلدوں سے مناظرہ ہوا جس کا مناظر
بہت موٹا لمبی داڑھی والا، چوڑا اکھٹا ہوا تھا اور علامہ نظامی ابھی دبلے پتلے اور منحنی
سے تھے ابھی باقاعدہ داڑھی بھی نہیں آئی تھی۔ دوران گفتگو جب غیر مقلد علامہ
کی تیزی سے غصہ ہو کر بولا، میرے عقیدے کا پوسٹر لٹکا ہوا ہے اسے پڑھئے
آپ کو جہاں سے اختلاف ہو وہیں سے مناظرہ شروع ہو جائے۔
علامہ نظامی: آپ کے پوسٹر کو پڑھنے کا کوئی سوال ہی نہیں پوسٹر آپ کا ہے آپ
کھڑے ہو جائیے۔ اور سنائیے مجھے جہاں اختلاف ہو گا وہیں سے ہم
مناظرہ شروع کر دیں گے۔
غیر مقلد: (جھنجھلا کر غصے میں) کتاب کی الماری کھولی اور مشکوٰۃ شریف نکالا۔
لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب نکالتے ہوئے کتاب علامہ

---

[1] راوی الحاج حافظ لعل محمد قادری۔

کی طرف بڑھائی اور کہا اس کا جواب دیجئے کہ نماز بغیر سورۂ فاتحہ کے نہیں ؟

علامہ نظامی: میں بھی ایک حدیث پیش کرتا ہوں۔ پہلے اس کا جواب دیجئے۔
لا وضوء لمن لم یسم اللہ۔ سرکار فرماتے ہیں جس نے بسم اللہ نہ پڑھی اس کا وضو نہیں تو آپ فرمائیں کہ جس مسلمان نے بغیر بسم اللہ پڑھے وضو کرلیا تو اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے کہ نہیں ؟ وضو مفتاح الصلوٰۃ ہے یا نہیں۔

غیر مقلد: اس سوال پر حواس باختہ ہو کر آئیں بائیں بکنے لگا کہ میرا تو یہی خیال ہے۔ میں ایسا ہی سمجھتا ہوں۔ میرا یہی عقیدہ ہے۔

علامہ نظامی: خیال ہے سمجھتا ہوں سے کام نہیں چلے گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ "صلاۃ" پر جو" لا " داخل ہے وہ نفی جنس کا ہے، نفی صفت کا ہے، نفی کمال کا ہے۔ اس' لا' کا کیا کیا فائدہ ہے۔

غیر مقلد: مولانا میں آپ سے ایسی اصولی گفتگو نہیں کرسکتا۔

علامہ نظامی: آپ اصولی گفتگو نہیں کرسکتے اور میں مجبور ہوں کہ بے اصولی گفتگو نہیں کرسکتا۔ ہمارا آپ کا نباہ کیسے ہوسکتا ہے ؟

بھیونڈی کا تاریخی مناظرہ جہاں حضور مجاہد ملت بھی شریک تھے۔ علامہ نظامی کی حاضر جوابی اور فنی مہارت کی منھ بولتی تصویر ہے۔ چنانچہ جب مولوی ارشاد مبلغ دیوبند نے کہا کہ ہم فیصلہ کن مناظرہ چاہتے ہیں مگر مناظرہ حکم (جج) کی موجودگی میں ہوگا۔ تو علامہ نے فرمایا

علامہ نظامی: مولوی ارشاد! ہم بھی فیصلہ کن مناظرہ چاہتے ہیں ہم ضرور جج لائیں گے اور جج کا فیصلہ ہی فیصلہ ہوگا مگر پہلے آپ ہمیں تحریر دو کہ آنے والے جج نے اگر توہین رسول وانکار ضروریات دین کی بنیاد پر اکابر دیوبند اور ان کے کفریات کو ماننے والوں کو خارج اسلام کافر و مرتد قرار دیا تو آپ بھی ان سب کو خارج اسلام قرار دیں گے۔ ؟

ارشاد : نظامی صاحب! ہم بھی آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ ہمیں تحریر دیں کہ آنے والے جج نے اگر اکابر دیوبند کو مسلمان قرار دیا تو آپ بھی ہمارے اکابر دیوبند کو مسلمان سمجھیں گے۔

اب آپ غور کیجئے اور محسوس کیجئے کہ یہ سوال کیسے نازک مرحلے میں آگیا ہے۔ بظاہر اس کا جواب مشکل طلب اور دشوار ہے لیکن اسے تائید غیبی اور نصرت الٰہی ہی کہا جائے گا کہ ابھی مولوی ارشاد کی سانس ٹوٹنے بھی نہ پائی تھی کہ فوراً ہی للکارتے ہوئے علامہ نظامی نے فرمایا:

علامہ نظامی : ارشاد! ہوش کے ناخن لیجئے کیا بول رہے ہیں آپ سنئے اور کان کھول کر سنئے اگر آنے والے جج نے اکابر دیوبند کو مسلمان کہا تو پھر ہمارا مناظرہ آپ سے نہیں ہوگا بلکہ آنے والے جج سے ہوگا ہم آپ کو کیوں تحریر دیں۔ آپ ہمیں تحریر دیجئے اور بغور سن لیجئے کہ اگر جج نے ہم اہلسنت وجماعت کے مسلک کے خلاف فیصلہ دیا تو آپ سے مناظرہ بعد میں ہوگا پہلے ہمارا مناظرہ اس جج سے ہوگا۔

اس جواب کے بعد مولوی ارشاد مرغ بسمل کی مانند تڑپ کر رہ گئے فرار کی ساری راہیں مسدود ہوگئیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضور مجاہد ملّت نے فرمایا تھا:

"آج مولانا مشتاق احمد نے سنیت کی آبرو بچالی۔ جب مولوی ارشاد کا تحریری مطالبہ ہوا تو بظاہر جواب دشوار تھا مگر مولانا مشتاق احمد نے منھ توڑ جواب دیا جس سے میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ آج میرے پاس ہیرے جواہرات ہوتے تو میں مولانا مشتاق کو ہیرے جواہرات سے وزن کر دیتا۔

محکم گرفت اور مخالف کی شکست

بحث ومباحثہ میں مخالف پر اتنی گہری نظر

رہتی اور ایسی سخت گرفت ہوتی کہ دلائل وبراہین کی قوت واستحکام کے باعث
مخالف کا آپ کی گرفت سے بچ نکلنا انتہائی مشکل ہوتا اور اپنے ایک ایک فقرہ
سے مخالف اہل کید کے دلائل کے تار و پود بکھیر دیتے۔ حالات جیسے بھی رہے
ہوں کہیں بھی انھوں نے ہوش کا دامن نہیں چھوڑا۔ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھایا
واضح رہے کہ مناظرہ میں کتابیں اور ذہن وفکر کی حاضری تو ضرور ہونی چاہیئے
لیکن صرف انھیں چیزوں سے نہیں جیتا جاتا۔ بلکہ حریف کی شاطرانہ چالوں پر
کڑی نگاہ رکھنا، اور بے پناہ ہوشمندی جیسی چیزوں سے بھی مناظرہ جیت
لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں علامہ کے چند واقعات ملاحظہ فرمائیے:

ماہنامہ تجلی کی ایک عبارت پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اختتام گفتگو پر ایک اور گذارش ہے کہ تجلی مئی ۱۹۵۹ء ص۱۴۰ کی ایک
عبارت پر کچھ شبہات و اعتراضات ہیں جن کا ازالہ آپ کی اہم ذمہ داری ہے۔

تجلّی کی عبارت یہ ہے:۔

"خلق یعنی پیدا کرنا سب جانتے ہیں کہ کسی شے کو عدم سے وجود
میں لانے کا نام ہے۔ جب اللہ نے حضور کا نور خلق فرمایا تو ظاہر
ہو گیا کہ وہ پہلے معدوم ولاشے تھا۔ اللہ کا نور اپنے تمام اجزاء
سمیت ہمیشہ سے موجود ہے اسے کسی نے پیدا نہیں کیا۔"

آپ کی مندرجہ بالا عبارت "اللہ کا نور اپنے تمام اجزا سمیت" پر
حسب ذیل اعتراضات و شبہات پیدا ہوتے ہیں (۱) آیا ذات الوہیت کے
لئے "اجزاء" کا اطلاق صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں تو پھر اس اطلاق کی وضاحت
کیجئے۔ جس کا مفہوم میری دسترس سے باہر ہے اور اگر صحیح ہے:

الف: تو ذات باری کا مرکب ہونا لازم آئے گا حالانکہ وہ ایک نور بسیط ہے،
اور اس کو درس نظامیہ کا مبتدی طالب علم جس نے منطق کی ابجد پڑھی ہے وہ
بھی جانتا ہے کہ جز کی حیثیت موقوف علیہ کی ہوتی ہے اسی لئے کل اپنے وجود

میں اپنے اجزائے ترکیبی کا محتاج ہوتا ہے اس بنا پر ذات باری کے لئے احتیاج لازم آتی ہے۔ حالانکہ وہ بے نیاز ہے۔

ب:۔ ایسے ہی جزو اپنے کل پر مقدم ہوتا ہے تو ذات باری پر اجزائے ترکیبی کا مقدم ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ اس کی ذات سب پر مقدم ہے۔

ج:۔ ایسے ہی اگر ان اجزاء کو ذات باری پر مقدم مان لیا جائے تو ذاتِ الوہیت کا ممکن اور حادث ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ وہ واجب اور قدیم ہے؟

آپ کے ایک جملے نے عقیدۂ توحید کو اس طرح مجروح کر دیا ہے کہ اس کی اصل صورت مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔ آپ کی مندرجۂ بالا عبارت پر اعتراضات و شبہات کے یہ چند اشارے ہیں ورنہ منطقی اصول ترتیب پر تو نہ جانے عددِ شمار کی کتنی لمبی فہرست ہو جائے گی۔ [1]

اس طرح نہ جانے وقت کے کتنے بڑے بڑے سورماؤں کو آپ نے زیر کیا اور انھیں اپنے منہ کی کھانی پڑی۔ بات آگئی ہے تو اس سلسلے میں موصوف کا ایک واقعہ سنتے چلئے:۔

عیسائی مشینری کے ۳۶ طلبہ اپنے فادر پوپ کے ساتھ اسلام سے متعلق سوالات لے کر اپنی بھرپور تیاری کے ساتھ الہ آباد آئے کہ علمائے اسلام کے ساتھ مباحثہ کیا جائے۔ چنانچہ قاری محمد شریف صاحب خطیب مسجد سول لائن الہ آباد نے علامہ کو اس کی اطلاع دی اور بعد نماز عصر جامع مسجد چوک الہ آباد میں نشست قائم ہوئی۔ علامہ نے خطبۂ مسنونہ کے بعد (فادر پوپ) اور ان کے طلبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

میں یہ چاہتا ہوں کہ سوال جواب سے پہلے آپ کو سوال کا طریقہ سمجھا دیا جائے تاکہ مسائل کے تمام خدوخال روشنی میں آجائیں۔ ایسے سوالات سے

---

[1] پاسبان اکتوبر ۱۹۵۹ء

کوئی فائدہ نہ ہو گا کہ جوابات کے بعض حصے روشنی میں آجائیں اور بقیہ دوسرے حصے تاریکی میں رہ جائیں۔ لہٰذا سوالات رنگ و روغن، بیل بوٹوں پر نہ ہوں بلکہ نیو اور بنیاد پر ہوں محراب و منبر اور مینار و گنبد پر سوال نہ کیا جائے بلکہ اسلام کے بنیادی اور کلیدی اصولوں پر ہوں۔

اس کے بعد علامہ نے پوپ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ سوالات کے لئے ہر صبح و شام دروازے کھلے ہوئے ہیں پچپن ہزار سوالات کیجئے مگر کسی بھی سوال سے پہلے میرے ایک سوال کا جواب عنایت فرمائیں تاکہ گفتگو بے لائن نہ ہونے پائے۔

سب سے پہلے آپ پر یہ حقیقت واضح ہونی چاہئے کہ کس نبی و رسول پر ایمان لانا اور منزل من السماء یعنی رسول پر خدا کی اتاری ہوئی کتاب پر یقین و اعتماد رکھنا یہ ہمارا اور آپ کا قدر مشترک ہے۔ یعنی ہمارے اور آپ کے مابین نزاعی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم بھی ان کو اللہ کا رسول مانتے ہیں مگر اسی کے ساتھ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان رکھتے ہیں آپ انجیل پر ایمان رکھتے ہیں خواہ وہ محرف ہی سہی اور ہم قرآن کے ایک ایک نقطے پر ایمان رکھتے ہیں جو خدائے وحدہٗ لاشریک کا آخری پیغام ہے اب آپ سے مجھے صرف یہ دریافت کرنی ہے:۔

۱: کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ساری باتیں مانتے ہیں یا کچھ تو مانتے ہیں اور کچھ نہیں مانتے۔ جو بعض باتیں نہیں مانتے ان کے نہ ماننے کی وجہ کیا ہے؟
ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

۲:۔ اور اگر عیسیٰ علیہ السلام کی ساری باتیں مانتے ہیں تو ماننے کا طریقہ کیا ہے؟
الف: آیا کسی بھی بات کو ماننے کے لئے بس اتنا سن لینا کافی ہے۔ کہ حضرت مسیح نے کہا ہے یہ سن کر آپ نے سر جھکا دیا۔
ب: یا ایسا نہیں ہے بلکہ اس بات کو عقل کے سپرد کرتے ہیں اب اگر عقل نے اس کی تائید و حمایت کر دی تو آپ نے اسے تسلیم کر لیا اور

اگر عقل نے اسے رد کر دیا تو آپ نے اسے جھٹلا دیا۔ اگر ثانی الذکر طریقہ ہے کہ عقل تائید کر دے تو مانئے اور رد کر دے تو اسے جھٹلا دیجئے تو ہمارا الزام یہ ہے کہ ایسی صورت میں اسے مسیحی مذہب نہ کہا جائے گا بلکہ عقلی کہا جائے گا۔ گویا یہ عقل کا دیا ہوا ہے حضرت عیسیٰ ابن مریم کا دیا ہوا نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اسے آپ مرتبۂ اول ہی میں تسلیم کر لیتے عقل کے حوالے نہ کرتے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ کا اعتماد عقل پر ہے مسیح پر نہیں۔ اور اگر اول الذکر طریقہ ہے یعنی کسی بات کو ماننے کے لئے حضرت مسیح کی طرف منسوب ہو جانا کافی ہے تو اسلام سے متعلق اپنے طلبہ کو یہ تأثر دینا کہاں تک درست ہے کہ مذہب اسلام عقل کے خلاف ہے۔

علامہ کی اس مختصر سی گفتگو پر پوپ بالکل حواس باختہ ہو گیا۔ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور پوپ کو جواب دینے کے لئے نہ اٹھنا تھا نہ اٹھنے کی ہمت ہو سکی۔ علامہ کے مطالبہ اور پوپ کی خاموشی پر ۳۶ طلبہ بے حد متأثر ہوئے۔ علامہ کی یہ محکم گیری مناظرانہ اصول کے تحت ایک ایسا گھراؤ تھا جس کی گرفت سے مخالف اپنے کو آزاد نہ کر سکا۔ اور آئے ہوئے ۳۶ طلبہ یہ ذہن لے کر گئے کہ ہمارا فادر پوپ میدان مناظرہ کا فادر تو درکنار اس میدان کا بیٹا بھی نہ بن سکا اور عیسائیت کا کھوکھلا پن سر عام ظاہر ہو کر رہ گیا۔

نادرِ تحفہ کے نام سے علامہ نے ایک کتابچہ ترتیب دیا تھا جسے ناظم جامعہ حبیبیہ نے شائع کیا۔ اس کتابچہ میں علامہ نے مستحبات عیدین کے تحت مصافحہ و معانقہ کو بھی مستحب لکھا اور شامی سے اس کا حوالہ دیا۔ دیوبندیوں نے شامی دیکھی لیکن اس کا حوالہ انھیں کہیں نہ مل سکا۔ لہٰذا ان دیوبندیوں نے ناظم جامعہ سے حوالہ مانگا اور باضابطہ اس سلسلے میں مناظرہ کرنے کے لئے مولوی سراج الحق مچھلی شہری کے برخوردار مولانا رومی کو منتخب کیا۔ حسن منزل الٰہ آباد میں محفل مناظرہ منعقد ہوئی۔

علامہ نظامی: میں آپ حضرات سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ عیدین میں جو آپ کو مصافحہ و معانقہ سے اختلاف ہے وہ کس مرتبے میں ہے بشرطِ شئے بشرطِ لا شئے یا لا بشرط شئی۔

رومی صاحب: اس سوال پر گھبرا کر شور مچانے لگے کہ "مشتاق نظامی" تو منطق و فلسفہ بولتا ہے۔

علامہ نظامی: آپ جیسے لوگوں سے منطق و فلسفہ نہیں بولوں گا تو کیا بھاڑ جھونکنے والے اور گھاس کھودنے والے سے بولوں گا! اچھا اگر آپ منطق و فلسفہ سے اتنے ہی گھبراتے ہیں تو اب "شامی" کا حوالہ لیجیے۔ کتاب الحظر اور اس سلسلے میں جو پہلی حدیث پڑھی اس میں "کل لقاء" کے الفاظ موجود ہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان اپنی ہر ملاقات میں جب مصافحہ کرتا ہے تو ہاتھ الگ ہونے سے پہلے اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ علامہ نے فرمایا رومی صاحب! یہ "کل لقاء" موجبہ کلیہ ہے جس میں کوچہ و بازار بھی شامل ہے اور مسجد و عید گاہ و خانقاہ بھی۔ سرکار فرماتے ہیں کہ ہر ملاقات میں الگ ہونے سے پہلے تمہارے گناہ جھڑ جاتے ہیں تو ہر ملاقات میں عید گاہ بھی شامل ہے۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ اس کا سلب جزئی پیش کیجیے، جس میں موجود ہو کہ ہر ملاقات میں مصافحہ کیا جائے لیکن عیدین کے بعد عید گاہ میں مصافحہ نہ کیا جائے۔ موجبہ کلیہ میں نے پیش کیا اس کا سالبہ جزئیہ آپ پیش کیجیے۔

مولوی سراج الحق: (انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں) بول پڑے ہم مولانا بحر العلوم کا حوالہ پیش کریں گے۔

علامہ نظامی: ہوش کا دامن تھامئے بات موضوع سے باہر ہو جائے گی آپ کا مطالبہ ہے کہ حوالہ "شامی" میں دکھلائیے۔ میں نے دکھا دیا اسے مان لیجیے۔ اور اگر اسانید کا شوق ہے تو میں سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ

کا رسالہ "وشاح الجید فی معانقۃ العبید" دکھا دوں گا۔

اس پر سنیوں میں نعرۂ تکبیر و نعرۂ رسالت کی آواز بلند ہوئی اور جوش و خروش کے ساتھ جشن فتح منایا مخالف کو شکست دینے کا جو گر اپنایا تھا وہ خود علامہ سے سنئیے:۔

یہ واضح رہے کہ مقابل کو کبھی مناظرے سے شکست دی جاتی ہے اور کبھی مناظرانہ روش سے گریز کر کے مثال کے طور پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور نمرود کا وہ واقعہ سامنے رکھ لیجئے جب حضرت خلیل سے نمرود نے یہ استفسار کیا کہ آپ کے رب میں وہ کون سی قدرت ہے جو مجھ میں نہیں ؟ آپ نے فرمایا کہ میرا رب مردے کو زندہ کرتا ہے اور زندہ کو مردہ۔ اس جواب پر نمرود دل ہی دل میں مسکرایا اور انتہائی تمکنت و غرور سے بولا کہ یہ کون سی تعجب خیز بات ہے ایسا تو میں بھی کر سکتا ہوں اگر چاہوں تو فلاں کو قتل کر دوں اور قتل کی سزا پانے والے کو رہا کر دوں! انسان کی موت و زندگی تو میرے بھی اختیار میں ہے۔ حالانکہ جواب کی کمزوری آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ پھر حضرت ابراہیم نے مناظرانہ طریقہ کار سے گریز فرماتے ہوئے فوراً دوسری دلیل پیش فرمائی کہ میرا رب وہ ہے جو آفتاب کو مشرق میں طلوع کرتا ہے اور مغرب میں غروب، تو مشرق میں غروب کر دے اور مغرب میں طلوع ؟ اس سوال پر نمرود ہکا بکا رہ گیا طریق مناظرہ تو یہ چاہتا ہے کہ نمرود کو حضرت خلیل موت و حیات کا اصل مفہوم سمجھاتے مگر ایک ہادی جانتا ہے کہ مقابل کا دماغ کس قدر کج فہم ہے یہ موت و حیات کا معنی سمجھانے میں بات بڑھ جاتی مگر حصول مقصد میں دشواری پیدا ہوتی۔ اگر کوئی مناظر یہ کہے کہ حضرت خلیل کو مناظرہ کرنا تھا ان سے چوک ہو گئی تو اس کو اپنی عقل پر ماتم کرنا چاہیئے۔[1]

ایک سفید ریش کا تاثر

بھنگواں سکرولی جو صوبہ اتر پردیش کے ضلع گونڈہ کا علاقہ ہے یہاں ۱۹۷۱ء میں ایک مناظرہ منعقد ہوا۔ جہاں مخالفین کی ہٹ دھرمیوں نے خود انھیں شکست

---

[1] پاسبان مارچ ۱۹۵۵ء

دی اور برسرِ عام ننگا کر دیا۔ اسی مناظرہ کے موقع پر موسلا دھار بارش پا پیدل
سفر کی روداد بیان کرتے ہوئے علامہ نظامی لکھتے ہیں جہاں استاذی بحر العلوم حضرت
مفتی عبد المنان صاحب قبلہ دام ظلہ بھی شامل تھے۔ علامہ فرماتے ہیں:۔
ہمارے اس قافلے میں اردگرد کے دیہات والے بھی شامل ہو گئے تھے۔
میں نے ایک بڑے میاں سے پوچھا آپ کس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں؟ سیدھے
سادھے بھولے بھالے سفید ریش بول پڑے:
اے مولانا صاحب! ہم رسول اللہ کی امت میں ہیں۔ وہی ہماری قبر اور حشر
میں کام آئیں گے جو لوگ ہمارے پیغمبر کی تعریف کرتے ہیں ان کا میلاد شریف پڑھتے
ہیں اور ان کے لئے علم غیب مانتے ہیں ہم انھیں بریلوی مولانا لوگن کے ساتھ ہیں۔
(دیہاتی زبان میں) اللہ تعالے ان دیوبندیوں کا منھ کالا کرے جس پتری میں کھاتے
تے، اسی میں چھید کرتے ہیں پیغمبر صاحب ہی کا کلمہ پڑھتے ہیں اور انھیں کو گالیاں
بھی دیتے ہیں۔ آپ دیکھ لیجئے گا دیوبندی سیار (گیدڑ) سنی شیروں کے سامنے ٹک
نہیں سکیں گے۔ اے مولانا صاحب! ہماری داڑھی دھوپ میں نہیں سفید ہوئی
ہم نے حضرت مولانا حشمت علی خانصاحب کے مناظرے میں دیوبندیوں کو بھاگتے
ہوئے دیکھا ہے۔ سنا ہے آج اس (مناظرہ بھجنگواں) میں بہت بڑے بڑے لوگ
آرہے ہیں۔ اچھا یہ تو بتائیے مولانا صاحب! جنھوں نے "خون کے آنسو" لکھی
ہے (خون کے آنسو کے مصنف علامہ نظامی ہیں) وہ الہ آباد والے مولانا صاحب
بھی آئیں گے یا نہیں؟ ہم لوگوں نے سنا ہے کہ وہ آرہے ہیں اگر وہ آگئے تو انھیں کچا
چبا ڈالیں گے۔ یہ سن کر ہماری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا گئے۔ [1]

ع ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

مناظرے:

علامہ کی فکر و شعور نے جب سے مناظرے کی آغوش میں

---

[1] قہر آسمانی صفحہ ۲۶۶

آنکھیں کھولیں تقریباً سبھی مناظروں میں شریک ہوئے صرف دو مناظرے ایسے ہیں جن میں آپ شریک نہیں ہو سکے پہلا کمہار ٹولی پورنیہ، دوسرا کٹک اڑیسہ۔ کمہار ٹولی کے مناظرے میں تو اس لئے نہیں جا سکے کہ اس وقت بمبئی میں تیلی محلہ مسجد کے سابق امام قاری زبیر صاحب سے علامہ کا تحریری مناظرہ چل رہا تھا اور کٹک اس لئے نہیں حاضر ہو سکے کہ اس وقت بمبئی میں ایک ایسا اشتہار شائع ہوا تھا جس کی وجہ سے وہاں آپ کی موجودگی بہت اہم اور ضروری تھی۔[1]

ہاں ۱۹۸۰ء میں لندن کے کسی دیوبندی عالم سے مناظرہ طے ہونے کے بعد انگلینڈ کی تمام انجمنوں نے یہ طے کیا کہ علامہ کو بحیثیت مناظر دعوت دی جائے باوجودیکہ اختلاج قلب کے عارضہ کے باعث ہوائی جہاز سے سفر کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ اور نہ کبھی اس کا مزاج رہا لیکن دشمنان دین سے مقابلہ کے لئے وہاں کی دعوت آپنے منظور تو کرلی البتہ اس سلسلے میں انھوں نے مفکر اسلام مولانا قمر الزماں اعظمی، مولانا حنیف اور جناب ابراہیم ماسٹر بٹھا کر گجراتی جوان دنوں انگلینڈ ہی میں اپنے بھائی کے یہاں مقیم تھے، کو خط لکھا۔ جس کا مضمون یوں تھا:

"اگر مناظرہ ہی ہے تو میرا وہاں پہنچنا یقینی اور حتمی ہے اور اگر مناظرہ کے بہانے محض تقریری پروگرام کے لئے دعوت دی گئی ہے تو خود یہاں ہندستان کے مشاغل و مصروفیات اتنے ہیں جن سے مجھے فرصت نہیں۔"

واضح رہے کہ ایسا انھوں نے اس لئے تحریر فرمایا کیوں کہ برسوں سے لندن کے احباب علامہ کو بسلسلۂ تقریر مدعو کر رہے تھے لیکن یہاں کی مصروف زندگی کے باعث وہاں کا ارادہ نہیں کر پا رہے تھے۔ یہاں یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ موصوف کی مناظرانہ صلاحیت ملک کے علاوہ بیرون ملک پر بھی اثر انداز ہوئی۔

آپ کی اس غیر معمولی صلاحیت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کو سیکڑوں علماء و مشائخ کے درمیان اہلسنت کے اسٹیج کے صدارتی امور کو انتہائی حسن و خوبی سے انجام دینے کا شرف بھی حاصل ہے جیسا کہ بجرڈیہہ بنارس کا مناظرہ

[1] قہر آسمانی۔

جو غیر مقلدین کے مقابل منعقد ہوا تھا غالباً حضور مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن علیہ الرحمہ کی زندگی کا یہ آخری مناظرہ تھا تیسرے دن حضور مجاہد ملت نے مائک پر اعلان فرمایا کہ:

" میں اپنی نقاہت و کمزوری کی وجہ سے اب عزیزی مولوی مشتاق احمد نظامی کو مناظرہ کی صدارت سونپ رہا ہوں۔"

علامہ اپنی اس خوش بختی پر یوں اظہار مسرت فرماتے ہیں:

" اگر میرے لئے اطمینان و اعتماد کا ان کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہ تھا تو ملت کی اتنی بڑی ذمہ داری میرے کاندھوں پر کیوں رکھی گئی۔" [1]

ایک طویل مدت تک آپ ردو ابطال، مناظرہ و مباحثہ کے میدان میں اپنے جوہر دکھاتے رہے لیکن ۲۰ رمئی ۱۹۸۳ء کی تاریخ افسوسناک ثابت ہوئی۔ جس دن فیض آباد کے پروگرام پہ جاتے ہوئے آپ کی جیپ ہولناک ایکسیڈنٹ کا شکار ہو گئی جس کے نتیجے میں دو آدمی شہید اور پانچ زخمی ہوئے۔ حضرت علامہ کے سر پر شدید چوٹ آئی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ کے ذہن مبارک پہ رفتہ رفتہ سہو و نسیان کا غلبہ ہونے لگا۔ آپریشن اور ایکسیڈنٹ کے حادثے کے بعد بسا اوقات آپ کے ذہن میں آئی ہوئی بات محفوظ نہیں رہ پاتی تھی۔ اور نہ ہی پہلے جیسی حریف پر وہ گرفت باقی رہ گئی تھی۔ جو آپ کے لئے انتہائی اضطراب و بے چینی کا باعث تھا۔ اس کے علاوہ مصروفیات کی اتنی کثرت ہو گئی کہ وقت پر دوائیں بھی استعمال نہیں کر پاتے تھے تا وقتیکہ کوئی یاد نہ دلادے۔ اسلئے آپ نے یہ فرمایا کہ اب مناظروں میں بحیثیت مناظر نہیں بلکہ بحیثیت معین مناظر شرکت کیا کروں گا۔ [2]

آپ نے جن مناظروں میں بحیثیت مناظر، صدر یا معین مناظر شرکت فرمائی ان کی ایک نامکمل فہرست اس طرح ہے۔ ان میں کچھ ایسے مناظرے ہیں جن کی تاریخ انعقاد معلوم نہ ہو سکی:۔

---

[1] [2] دیوبند کی خانہ تلاشی۔

بیالیس گاؤں۔ گورکھپور		منعقدہ ۱۹۵۵ء
ہلدوانی		منعقدہ ۱۹۶۰ء
بیربھوم	بنگال	منعقدہ ۱۹۶۱ء
کاہنتھی	بنگال	منعقدہ ۱۹۵۹ء
بھجن گاواں	گونڈہ	منعقدہ ۱۹۷۱ء
بھیونڈی	تھانہ مہاراشٹر	منعقدہ ۱۹۷۳ء
بھیونڈی	رر رر	منعقدہ ۱۹۷۳ء
جھریا	بہار	منعقدہ ۱۹۷۵ء
بجرڈیہہ	بنارس	منعقدہ

ناگپور ، باندہ ، پرسدے پور، جائس، سلطانپور، کان پور، احمد آباد، مرزاپور، سعدی پور، پورنیہ، پواکھالی، کواتھ گیا، بولیہ گجرات، رائے بریلی وغیرہ۔

الغرض علامہ کا حال یہ ہے کہ انھوں نے بدمذہبوں سے بہتروں مناظرے کئے اور بہتروں کے مقابل موصوف ہی ہر میدان کے شہسوار نظر آئے اسلئے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مناظرہ اور احقاق حق ان کی تاریخ سے ایسے ہی وابستہ ہے جیسے چاند کے تصور میں چاندنی اور آفتاب کے تصور میں روشنی۔

شرائطِ مناظرہ

خطیب مشرق مناظرہ سے پہلے اس کے کچھ ضابطے اور شرائط پیش فرمایا کرتے تھے جن سے مخالف کے دانت کھٹے پڑ جاتے اور فریق مخالف کی اس طرح مورچہ بندی فرمادیتے کہ انھیں کہیں سے بھاگنے کا راستہ نہیں ملتا۔ چنانچہ آنے والی نسل کے لئے مفید اور باب سے مرتبط ہونے کی وجہ سے ہم ان شرائط و ہدایات کا

اجمالی خاکہ پیش کرتے ہیں :

۱:۔۔۔ فریقین میں اصل مسئلہ ایمان وکفر کا ہے اسلئے الاہم فالاہم کے تحت ایمان و کفر ہی موضوع مناظرہ ہوگا ۔

۲:۔۔۔ چونکہ علمائے دیوبند سے توہین نبوت کا ارتکاب ہوا ہے اور یہ فریقین کے مابین مسلم ہے کہ توہین نبوت کفر ہے ۔ مثلاً حفظ الایمان، تحذیر الناس وغیرہ جیسی رسوائے زمانہ کتابیں ۔ لہٰذا اس اہمیت کا لحاظ رکھتے ہوئے علمائے دیوبند کی کفری عبارات ہی موضوع مناظرہ قرار پائیں گی پھر حسب ترتیب یکے بعد دیگرے دوسرے مسائل ۔

۳:۔۔۔ فریقین کے مشترکہ دستخط سے حلقہ کے تھانہ میں درخواست گذار کے پرمیشن حاصل کیا جائے ۔ ہرگز ایک طرفہ درخواست نہ گذاری جائے تاکہ نقض امن کا اندیشہ نہ ہو ۔

۴:۔۔۔ مناظرہ ایسے مقام پر ہو جو فریقین میں سے کسی ایک کا بھی نہ ہو ۔

۵:۔۔۔ فریقین میں سے کسی ایک کی امن کی ذمہ داری لینا ناکافی ہے ۔

۶:۔۔۔ فریقین کو آغاز مناظرہ سے پیش تر معتمد شخصیتوں اور مستند کتابوں کی فہرست دینی ہوگی ۔

۷:۔۔۔ مناظرہ تقریری ہوگا (عوام کے لئے یہی مفید ہے) بدرجۂ مجبوری تحریری ۔

۸:۔۔۔ مناظرہ میں فریقین لاؤڈ اسپیکر استعمال کرسکتے ہیں ۔

۹:۔۔۔ مناظرہ دن میں ہوگا ۔ فریقین مناظرہ کمیٹی کے توسط سے اس کا وقت اور اس کی مدت وغیرہ متعین کریں گے ۔

۱۰:۔۔۔ فریقین میں سے جو بھی وقت معینہ پر میدان مناظرہ میں حاضر نہ ہوگا اس کی شکست اور اس کا فرار سمجھا جائے گا ۔

۱۱:۔۔۔ فریقین کو اپنا اپنا مناظر و صدر منتخب کرنے کا اختیار ہوگا ۔

۱۲:۔۔۔ مناظرہ کا کوئی حکم منتخب نہ ہوگا بلکہ عوام ہی حکم ہوں گے ۔

۔۔۔ فریقین مناظرہ کمیٹی کے توسط سے مناظرہ کا وقت متعین کریں گے۔ آیا ہر مناظر کو کتنا وقت دیا جائے۔

۱۴: ۔۔۔ فریقین پابند ہوں گے کہ مناظر کی کہی ہوئی بات پر تحریر کا مطالبہ کریں اور فریق کو تحریر دینی ہوگی۔

اور کچھ خصوصی ہدایات دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

۱: ۔۔۔ چیلنج دینے میں احتیاط برتنی چاہیئے البتہ چیلنج قبول کرنے میں کسی طرح کی غفلت و کوتاہی نہ ہو۔

۲: ۔۔۔ جہاں تک ہو سکے تنہا مناظرہ نہ کیا جائے۔ پہلے بہت ہی صاحب صلاحیت معین مناظر منتخب کیا جائے۔ (مناظرہ شخص اور شخصیت کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ایک قوم کا معاملہ ہے)

۳: ۔۔۔ اگر مناظرہ یقینی ہوتا نظر آئے تو تاریخ متعین کرنے میں اتنا وقفہ ضرور ہو کہ اتنے دنوں میں جماعت کے بہترین افراد کو اکٹھا کیا جا سکے۔

۴: ۔۔۔ ہمیشہ اس کا خیال رکھا جائے کہ مناظرہ میں جماعت کے آزمودہ کار اکابر کو شریک کیا جائے اس سے کبھی غفلت نہ برتی جائے۔

۵: ۔۔۔ فریق کو کمزور دیکھ کر اپنا اسٹیج ہرگز ہرگز کمزور نہ رکھا جائے۔

۶: ۔۔۔ کسی پر اعتماد کئے بغیر مناظرہ میں جانے والے حضرات کام آنے والی کتابوں کا انبار اپنے ساتھ لیتے جائیں

تھا بساطِ سخن میں اک شاطر
ہم کو چالیں بتائے گا اب کون

ارشاداتِ نظامی

۱:- اگر تم سرفراز اور سربلند ہو کر رہنا چاہتے ہو تو ایک ہو کے رہو۔ مل جل کے رہو۔ جماعت سے کٹ جانا تباہی و بربادی ہے۔

۲:- قرآن کو ذہن کے سانچے میں نہ ڈھالا جائے بلکہ خود ذہن کو قرآن کے سانچے میں ڈھالنا چاہیئے۔

۳:- مومن کا مومن سے اتحاد ہوتا ہے غیر مومن سے نہیں! ایمان میں متحد ہو جائیں گے تو ایمان کے تحت جو بھی مسائل آئیں گے اسمیں خود بخود اتحاد ہو جائے گا۔

۴:- جب اللہ تعالیٰ کے کہنے سے مصطفیٰ کافر کو کافر کہہ رہے ہیں تو پھر اس لمبی چوڑی زمین پر کون ہے شریعت کا ٹھیکیدار جو یہ کہے کہ کافر کو کافر نہیں کہنا چاہیئے۔ قرآن سے بڑھ کر ہمارے لئے فیصلے کی کون سی کتاب ہو سکتی ہے۔

۵:- اسلام پہلے خون کا رشتہ نہیں دیکھتا بلکہ ایمان کا رشتہ دیکھتا ہے جو سرکار کائنات کا ہو گیا وہ پوری دنیائے اسلام سے مل گیا! ور جو سرکار سے کٹ گیا وہ پوری دنیائے اسلام سے کٹ گیا۔

۶:- اے دانشورو! آج تم کھربوں روپیہ اس بات پر خرچ کرتے ہو کہ انسانوں کو کیسے مارا جائے اور میرے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء مسجد نبوی میں کھجوروں کی چٹائی پر بیٹھ کر یہ سوچا کرتے تھے کہ انسانوں کو جلایا کیسے جائے۔

۷:- سنی مسلمان اپنی علامتوں کو باقی رکھتا ہے چھوڑتا نہیں۔ قوم جن چیزوں سے پہچانی جاتی ہے اسے مٹاتی نہیں بلکہ زندہ رکھتی ہے اگر اسے ایک قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو اپنے تشخص کو برقرار رکھے گی۔

(خطباتِ نظامی)

جماعتی و تنظیمی سرگرمیاں

قوم جب اتفاق کھو بیٹھی	اپنی پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھی
ایک کا ایک ہو گیا بدخواہ	لگی غیروں کی پڑنے تم پہ نگاہ

◆ جماعتی ذہن و فکر
◆ آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت
◆ اغراض و مقاصد، اصول اور طریق کار
◆ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء بمبئی۔
◆ جمعیۃ العلماء ہند دہلی کا بائیکاٹ
◆ کل ہند تبلیغ سیرت کمیٹی۔
◆ آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ
◆ سیاسی حیثیت۔
◆ سیاسی بصیرت۔
◆ آل کرناٹک تنظیم عظمت مصطفےٰ
◆ ادارۂ شرعیہ بمبئی۔
◆ ادارۂ شرعیہ پٹنہ
◆ مدارس عربیہ قیام و تاسیس
◆ لمحۂ فکریہ

جماعتی ذہن و فکر

جماعت افراد کا مجموعہ ہے اور اسلام کے عقیدۂ توحید سے لے کر تمام اعمال و عبادات اس بنیادی حقیقت سے خالی نہیں کہ ملت اسلامیہ کے لئے فوز و فلاح متحد اور منظم ہونے میں ہے مختلف اور منتشر ہونے میں نہیں۔ گویا قومی و ملی ہستی کے تحفظ و بقا کے لئے قوم کے تمام افراد کا ایک جماعتی دھاگے میں منسلک اور منظم ہونا ایک بنیادی چیز ہے جس سے ایمان و عمل کی دعوت و اصلاح کا دینی فریضہ ادا کیا جا سکے اسی لئے قرآن و سنت میں جا بجا جماعتی شیرازہ بندی پہ زور دیا گیا — علیکم بالجماعۃ والسمع والطاعۃ۔[1]

لیکن قوم و ملت کی بکھری ہوئی طاقتوں کو یکجا اور متحد کرنے کی یہ تحریک آسانیوں کی نہیں سر تا سر مشکلوں اور آزمائشوں کی راہ ہے جس پر رب تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی صاحب عزم بندے ہی کو آمادۂ عمل فرماتا ہے۔ نصرت و تائید خداوندی سے اسے انشراح قلب اور وسعت ذہن و فکر حاصل ہوتی ہے، تاکہ اعلائے کلمۂ حق، دعوت و اصلاح اور عزم و ارادے کی راہ میں ساری مشکلیں غبار خاکستر اور خس و خاشاک بن کر اڑ جائیں۔

حضرت خطیب مشرق، جماعت کے ان حوصلہ مند لوگوں میں سے تھے جن کا عزم و ارادہ کبھی بھی وقت اور حالات کا قیدی نہیں رہا۔ بلکہ انھوں نے "مردے از غیب"، کے مصداق وقت اور حالات کو اپنے عزائم اور منصوبوں کا پابند بنایا۔ ان کا ضمیر اس احساس سے کبھی خالی نہیں رہا۔ کہ جبتک زندہ رہیں گے مسلک و جماعت کے فروغ و ارتقا کے لئے زندہ رہیں گے۔ وہ اپنی قوم و جماعت کا حال دیکھ کر اس قدر گھائل ہو چکے تھے جس کے مرہم کی تلاش میں ایسی سخت سے سخت اور سنگلاخ زمین کے سفر کے عادی بن چکے تھے۔ جو سفر ان کے معاصرین کے لئے انتہائی دشوار اور کٹھن تھا جماعت کا درد اور قوم و ملت کے منظم کرنے کا مقصد ہمیشہ ان کے دل کی تمناؤں اور آرزوؤں کا مطلوب اور ان کی روحانی عشق و

---

[1] ترمذی شریف

شیفتگی کا مجبوب رہا اگر ان کی جماعتی زندگی کے کارناموں پہ ایک سرسری نگاہ ڈالی جائے تو یہ اندازہ ہوگا کہ ان کی زندگی کی نہ کوئی ایسی صبح طلوع ہوئی نہ کوئی ایسی شام ان پر گذری کہ موصوف نے اپنے جماعتی مقصد کی اس تمنا میں اپنے بستر غم و اندوہ پر بے قراری کی کروٹیں نہ بدلی ہوں، یہ ان کے جماعتی ذہن اور ایک عملی زندگی ہی کا ثمرہ تھا کہ وہ ہمیشہ ایسے لوگوں کو عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ جن کی زندگی کچھ عملی پروگرام رکھتی تھی اور خود اس میں کود کر اپنی تمام تر خدمات اس عمل عظیم کے لئے وقف فرمادیا کرتے تھے اور اس بات کا اعتراف تو سبھوں کو تھا کہ جماعتی امور میں فکری پختگی اور اصابت رائے میں آپ کی مثال نہیں۔

ہندوستان کے معروف و مشہور شہر کلکتہ کے خوش عقیدہ مسلمانوں کے نام پاسبان ملت کا یہ پیغام ان کے ملّی درد و کرب اور جماعتی سرگرمیوں کا مظہر اتم ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

"کلکتہ اپنی کثرت آبادی وغیرہ کے لحاظ سے دنیا کے ممتاز ترین شہروں میں ایک ہے مسلم محلوں میں قدم قدم پر مساجد ہیں۔ پورا شہر متعدد خانقاہوں کے زیر اثر ہے۔ میلاد و قیام، عرس و فاتحہ کرنے والوں کی بہت بڑی اکثریت ہے یہ سب کچھ ہے لیکن ملک کے سب سے بڑے شہر میں ہمارا کوئی تنظیمی ادارہ نہیں ہے۔ جہاں مختلف خانقاہوں و اداروں کے سربراہان بیٹھ کر مسلم مسائل کا حل تلاش کرسکیں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے کہ سنی مسلمان یہ کہہ سکیں کہ یہ ہمارا ادارہ ہے۔ یہ ہمارا تنظیمی مرکز ہے۔ ہمارے عوام پر آس لگائے اعتماد و تکیہ کئے بیٹھے ہیں مگر یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہم اپنی منتشر طاقت کو ایک مرکز پر سمیٹ نہیں پاتے۔ الگ الگ امامت، مسجد، مدرسہ، خانقاہ یہ سب سلامت رہیں مگر مسلمانوں کے وہ مسائل جو سب کے لئے قدر مشترک ہیں ان کے لئے مشترکہ جد و جہد سے کسی ایسے مرکزی ادارہ کی تشکیل ضرور ہے جہاں بیک وقت ہماری منتشر طاقت سمٹ سکے اور اس کمی کو پوری کرنے کے لئے کسی کو آسمان سے نہیں بھیجا جائے گا۔ یہ خود ہماری اور آپ کی

مشترکہ ذمہ داری ہے۔ ہماری عدم توجہی اور خانہ جنگی کے باعث ہمارے ہی عوام ہم سے کٹتے جا رہے ہیں۔ سوچیئے جگر پھٹ جانے کی جگہ ہے یہ ہمارا کتنا بڑا جماعتی وملی نقصان ہے۔ خدا وہ دن نہ لائے کہ ہم سے ہمارے عوام کا اعتماد اٹھ جائے! اب بھی وقت ہے سر جوڑ کر بیٹھیئے اور ایک مرکزی ادارہ کی تشکیل کے لئے اپنی بھرپور توانائی کو بروئے کار لاکر وقت کے اہم تقاضوں کو پورا کیجیئے۔ جماعتی شیرازہ بندی کو محض چند جلسوں اور کانفرنسوں کو سپرد نہ کیجیئے۔ بلکہ مشترکہ تنظیم کی داغ بیل ڈالیئے اس کے لئے ہماری ہر ممکن خدمات حاضر ہیں۔ ایک دن سے ایک مہینے کا وقت دے سکتا ہوں مگر صرف تنظیمی امور کے لئے۔ [1]

موصوف کی یہ دعوتیں للّٰہیت اور خلوص پر مبنی تھیں اور یہ جو کچھ بھی تھا آپ کے بے لوث جذبۂ ایثار اور دینی ذمہ داری کے احساس کے تحت تھا ان میں کسی ذاتی غرض و مفاد کا کوئی دخل نہیں تھا یہی وجہ تھی کہ ان کی فلک شگاف آواز حق اور غفلت شکن صدائیں ملک کے گوشے گوشے میں ٹکرائیں اور عوام وخواص کے حق گو، حق نگر، اور حق پسند افراد جان ودل سے آپ کی ہمنوائی کے لئے آمادہ عمل ہو جاتے اور آپ ان کے باہمی اشتراک و تعاون کی برکتوں سے باطل قوتوں کی سرکوبی کے لئے متعدد تنظیموں، انجمنوں، اداروں، مسجدوں، عیدگاہوں اور دوسری تحریکوں کے پودے نصب کرتے رہے اور پھر ان تنظیمی پلیٹ فارم سے آپ نے داخلی وخارجی محاذ پر مسلک وملت کے دامن تقدس پر رینگتے ہوئے کیڑوں کو دور کرنے اور بیمار قوم کا مداوا پیش کرنے میں تاریخ ساز کارنامے انجام دیئے جن کا ثبوت موصوف کی جد وجہد کے زمانے کی چھوڑی ہوئی درجنوں یادگاریں ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم یہاں اجمال لیکن قدرے تفصیل سے کرتے ہیں۔ مثلاً

آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت

جس طرح سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ہفت روزہ تاجدار یکم دسمبر ۷۲ ۱۹ء

کا مبارک زمانہ، جو جہلی بھونچال سے خالی نہیں رہا۔ اسی طرح یہ چودھویں صدی بھی
ایسی ضمیر فروش اور دین فروش جماعتوں سے خالی نہیں رہ سکی۔ چنانچہ مذہب حق
اہلسنت وجماعت کو مٹانے کے لئے نہ جانے اس وقت کی کتنی باطل وگمراہ اور
نوزائیدہ جماعتیں اپنے اپنے چولے بدل بدل کر بدعقیدگی کا زہر پھیلانے میں مصروف
تھیں جن کا تعاقب وقت کے بہت سے علمائے حق اور ذوی الاحترام اکابر نے
کیا وہیں حضرت پاسبان ملت نے بھی تحریر و تقریر اور بحث و مناظرہ کے ذریعہ ان
کا ردو ابطال کیا۔ لیکن اس وقت کی تمام جماعتوں میں انتہائی زہریلی اور خاموش
لیکن سب سے زیادہ فعال و متحرک جماعت "تبلیغی جماعت دہلی" تھی جو ہندوستان
کے سادہ لوح، حقیقت ناآشنا اور خوش عقیدہ مسلمان جو مذہب و ملت
کا درد اور دین کی سچی لگن رکھتے تھے انھیں اپنے نماز اور کلمہ کے دلکش نعروں سے
متائثر کرکے اپنا ہمنوا بنا رہی تھی۔ موصوف نے اپنی زبانِ جادو اثر سے تو اس
کا پردہ فاش کیا ہی لیکن ان کے زہرہ نگار قلم نے بھی بڑی خوردبینی کے ساتھ
اس جماعت کے حقائق کو بے نقاب کرکے عامۃ المسلمین کو روشناس کرایا۔ مثلاً اس جبت
کی ٹھیکیدار اور تقدس مآب جماعت کے خدوخال پر موصوف کی یہ لطیف تشریت
ملاحظہ فرمائیے جس سے نہ صرف یہ کہ اس اللہ والی جماعت کی اصل شکل وصورت
ابھر کر سامنے آتی ہے بلکہ جویائے حق کے لئے تریاق سے کم نہیں ہے۔

"مولوی الیاس صاحب جو عقیدۃً وہابی مسلک کے تھے وہی اس جماعت
کے موسس و بانی ہیں۔ اسلئے اس کا دوسرا نام "الیاسی جماعت" بھی ہے۔ اب
ان کے بعد یہ جماعت مولوی الیاس صاحب کے صاحبزادے مولوی محمد یوسف
صاحب کی سرکردگی میں کلمے اور نماز کی دعوت کا سہارا لے کر وہابی مشن کا پرچار
کر رہی ہے۔

مولوی منظور صاحب نعمانی جو کسی وقت تال ٹھونک کر دیوبندی پلیٹ فارم
سے اہلسنت کو چیلنج مناظرہ دیا کرتے تھے۔ متعدد مقامات پر شکست کھانے کے

بعد مناظرہ سے توبہ کرکے وہ بھی اب "تبلیغی جماعت" کے ایک سرگرم رکن کی حیثیت سے لکھنؤ کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا چکے ہیں۔ مناظرہ سے توبہ کے بعد ابتداً نعمانی صاحب نے جماعت اسلامی" کو اپنا مرکز توجہ بنایا تھا لیکن مودودی صاحب سے نباہ نہ ہو سکی اسلئے اس میدان کو بھی خیرباد کہنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی مودودی صاحب کے کیریکٹر و کردار کی خبر لیتے ہوئے "الفرقان" میں کالم کے کالم سیاہ کر دیئے جاتے ہیں۔ اس جماعت کا صدر دفتر دلّی ہے جو آستانہ محبوب الٰہی سے متصل ایک مسجد میں واقع ہے۔

"تبلیغی جماعت کے بارے میں مولوی حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی، ناظم "جمعیۃ العلمائے ہند دہلی" کا کہنا ہے کہ مولوی الیاس صاحب کو برٹش گورنمنٹ ان کی تحریک کے لئے روپیہ دیا کرتی تھی۔

ع رموز مملکت خویش خسروا دانند"

کے مطابق اس راز سربستہ کو تبلیغی جماعت والے ہی بتا سکتے ہیں کہ انگریز بہادر نے کتنے لاکھ یا کتنے کروڑ روپے اس تحریک کے لئے انھیں دیئے تھے اور اب حکومت برطانیہ لندن سے انھیں روپیہ بھیجتی ہے یا نہیں؟ یا اب مذہب کے نام پر کمیونزم کی توڑ کے لئے امریکہ سے ساز باز ہو چکا ہے۔ بہرحال اس رقم میں لکھ پتی اور کروڑ پتی کا کوئی تذکرہ نہیں ہے جنھوں نے اس جماعت کے لئے اپنے خزانے کے منھ کھول دیئے ہیں۔ اور یہ بات ان کے یہاں کچھ معیوب بھی نہیں ہے۔ چنانچہ وہابی جماعت کے مقتدا و پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی کو برٹش گورنمنٹ چھ سو روپے ماہانہ دیا کرتی تھی اور ایسے ہی اسماعیلی تحریک کے نام پر جب مولوی سید احمد صاحب بریلوی بحری جہاز سے سفر کر رہے تھے تو روپیہ اور راشن کا انتظام انگریز بہادر ہی کے ہاتھ تھا۔

اب سنئے اس کا کام کیا ہے مسلمانوں کو کلمہ کی دعوت دینا ہمارے سامنے تو اس قسم کی کوئی روایت نہیں کہ حضرت ابوبکر نے فاروق اعظم کو اور حضرت

فاروق نے عثمان غنی کو اور حضرت سیدنا عثمان غنی نے حضرت علی مرتضےٰ کو یا کسی اور صحابی نے کسی دوسرے صحابی کو کلمہ کی دعوت دی ہے۔ کلمہ کی دعوت کافر کو دی جاتی ہے نہ کہ مسلمان کو۔ چونکہ امت کی دو قسمیں ہیں ایک کا نام امت دعوت ہے اور دوسری کا نام امت اجابت۔ امت اجابت وہ ہے جس نے کلمہ کی دعوت قبول کر لیا ہو یعنی مسلمان۔ اور امت دعوت وہ ہے جس نے کلمہ کی دعوت سے انکار کر دیا ہو۔ یعنی کافر۔ اسلئے کلمہ کی دعوت کافر کے لئے ہے نہ کہ مسلمان کیلئے۔
یا للعجب! یہ کیسے بازی گر ہیں جنھیں کلمہ کی دعوت دینی چاہیئے ان سے لاکھوں کروڑوں روپیے لے کر دین ومذہب کی سودا بازی ہو رہی ہے۔ اور سچے پکے نمازی مسلمانوں کو خانۂ خدا میں توحید ورسالت کی دعوت دی جاتی ہے

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے"[1]

اس بدنام تحریک کے استیصال اور بیخ کنی کے لئے اس وقت تک کوئی بنیادی قدم نہیں اٹھایا گیا تھا لیکن چونکہ قوم وملت کا جو درد وغم مختلف ہر ایک ملت کو علیحدہ علیحدہ تھا بقول جگر مجموعی طور پر حضرت پاسبان ملت کے اندر تھا۔

بے چینیاں سمیٹ کر سارے جہان کی!
جب کچھ نہ بن سکا تو مرا دل بنا دیا

انھوں نے بڑی باریک بینی سے اس جماعت کے خطرات ونتائج کو محسوس کیا۔ اور جب پانی سر سے اونچا ہوتا ہوا دیکھا تو آپ نے فرمایا "لوہے کو لوہا کاٹتا ہے"، یعنی اس جماعت کی کاٹ اور اس کا ازالہ اسی طرح کی تحریک اور جماعت سے کی جانی چاہیئے۔ چنانچہ آپ نے انفرادی اور اجتماعی طور پر اس مسئلے کو عوام کے سامنے رکھا۔ اور متفقہ طور پر مارچ ۱۹۶۸ء سے تبلیغی جماعت

---

[1] پاسبان اپریل ۱۹۶۰ء

کے مقابل "سنی تبلیغی جماعت" کی تحریک کا آغاز کرکے اس کی کاٹ کی مہم شروع کردی اور اس کے خلاف ایک ٹھوس اور بنیادی قدم اٹھایا اور عوام کو یہ شعور دیا کہ اہلسنت کی یہ جماعت "سنی تبلیغی جماعت کے نام سے رہے گی تاکہ دونوں جماعتوں میں مابہ الامتیاز باقی رہے اور آغاز تحریک میں آپ نے اس جماعت کے

اغراض ومقاصد، اصول اور طریق کار

متعین فرمایا جو دستور العمل آپ کے عملی اقدامات اور ذاتی تجربات ومشاہدات پر مبنی ہیں جس کا خاکہ مختصراً ہدیۂ ناظرین ہے :-

- اس جماعت کا نام "سنی تبلیغی جماعت ہوگا سنی سے مراد وہ افراد ہیں جو مسلکِ اعلیٰ حضرت اور حسام الحرمین سے کلیتہً متفق ہوں۔
- اس کا مرکز الہ آباد ہوگا۔ نتائج کی روشنی میں تبدیلی بھی ہوسکتی ہے۔
- اس جماعت کا صدر، جنرل سکریٹری، معاون سکریٹری، جیسا کوئی عہدیدار نہ ہوگا جماعت کا ایک سربراہ ہوگا جو کام کرنے والوں کی فکری، علمی، عملی صلاحیتوں کے اعتبار سے ان کے منصب کا تعین کر کے حلقۂ تبلیغ بھی منتخب کردے گا۔ سربراہ اعلیٰ کے ماتحت چند دوسرے امراء ومبلغین ہوں گے جنھیں کام تفویض کیا جائے گا۔
- جماعت کے اہم امور کو حل کرنے کے لیے جماعت ہی کے مخلص معاونین امراء ومبلغین پر مشتمل اس کی ایک مجلس شوریٰ ہوگی جو وقتاً فوقتاً کام کا جائزہ لینے کے علاوہ وقت کے درپیش مسائل کا حل بھی تلاش کرے گی۔
- مجلس شوریٰ سربراہ جماعت کے لئے بحیثیت معاون ہوگی اس کی پیش کردہ تجاویز کو مجلس شوریٰ عملی جامہ پہنانے کی بھرپور جدوجہد کرے گی۔
- عبوری دور ختم ہونے کے بعد سربراہ جماعت مجلس شوریٰ کی تائید

حمایت حاصل کر کے سنّی مکتبۂ فکر کے کسی بھی سنیئر و معتمد اور متقی عالم کو امیر الامراء منتخب کر کے اس کی امارت کا اعلان کر دے گا۔

- ــــــ عقیدۂ توحید و رسالت کے بنیادی تصورات کو پیش کرنا۔
- ــــــ کتاب و سنت اور اقوال سلف کی روشنی میں ایمان و عقیدے کی اصلاح۔
- ــــــ خشیتِ الٰہی اور عمل صالح کی تلقین۔
- ــــــ ارکان اسلام کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی فرضیت واہمیت کو سمجھانا، اور فرائض وواجبات کی بالالتزام ادائیگی اور سنت نبوی پر مسلمانوں کو آمادہ کرنا تاکہ وہ اپنی سیرت وصورت دونوں میں مسلمان دکھائی دیں۔
- ــــــ مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسول اور احترام نبوت کا صحیح جذبہ پیدا کرنا۔
- ــــــ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو لائحۂ عمل بنانا۔
- ــــــ کفر وشرک اور بدعت ضلالہ کا صحیح مفہوم سمجھا کر مسلمانوں میں اسلام کی صحیح اسپرٹ پیدا کرنا۔
- ــــــ اصلاح مراسم مثلاً اصلاح اعراس، شادی بیاہ وغیرہ میں فحش ومنکرات کی شمولیت، لڑکیوں کے جہیز میں مطلوبہ سامان کی قید، اسراف ونمائش کے خلاف عملاً جدوجہد۔
- ــــــ قرآن وسنت کی روشنی میں توہین نبوت جیسے ناقابل معافی جرم کو سمجھانا۔ اور مسلمانوں کو ان سے محفوظ رکھنا۔
- ــــــ قرآنی تعلیم، سیرت نبوی، فقہی مسائل کو عام کرنے کے لئے صحتمند لٹریچر کی اشاعت، وعظ ونصیحت کی مجالس کا انعقاد، مکاتب، مساجد، مدارس اور لائبریریوں کے قیام کی سعی کرنا،
- ــــــ طریق کار کے لئے، شرعی حدود کی رعایت، عورتوں میں اسلامی تعلیم کا رواج۔
- ــــــ ملک کے علماء، ائمہ مساجد، اور تعلیم یافتہ حضرات کے ذریعہ ان کے

حلقۂ اثر میں، درس قرآن، درس حدیث، مجالس وعظ و نصیحت قائم کر کے مسلمانوں میں دینی اسپرٹ پیدا کر کے "سنی تبلیغی جماعت"، کو فعال اور متحرک جماعت بنانا۔

- تبلیغی وفد برائے تبلیغ شامل ہونے سے قبل کسی دینی درسگاہ یا مستند سنی عالم سے ضروریات دین اور سنی تبلیغی جماعت کے نصاب کا پڑھنا ضروری ہوگا تاکہ تبلیغ کی افادیت مجروح نہ ہو ایسے مسائل جن کا علم نہ ہو ان کے متعلق اپنی طرف سے کچھ نہ کہا جائے بلکہ اس کے لئے مرکز کی طرف رجوع کیا جائے تبلیغی وفد میں بحیثیت معاون اور متعلم ہر سنی مسلمان شریک ہونے کا حقدار ہوگا۔
- اگر کچھ لوگ اس تحریک کی مخالفت کرتے ہوں خواہ اپنے ہوں یا پرائے ان سے مباحثہ میں تضیع اوقات نہ کیا جائے۔
- یہ جماعت غیر سیاسی اور غیر الکشنی ہے اس کا سیاست حاضرہ سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ البتہ ملکی ترقی، امن وسلامتی، سماجی فلاح و بہبود میں جذبۂ حب الوطنی کے تحت اس جماعت کے مسلمان برابر کے شریک ہوں گے۔
- بغیر کسی دعوت کے شہر، دیہات، ضلع، قصبہ وصوبہ پہونچ کر خدا اور رسول کے پیغام کو پہنچانا، جہالت و بے علمی کو اس طرح دور کرنا کہ معاشرہ کثافتوں سے پاک ہو جائے۔ اور پوری جماعت ایک چلتی پھرتی مشین ہو جائے۔
- سنّی علماء و مشائخ سے رابطہ رکھنا، اہلسنت کے اجلاس میں شرکت کرنا اور ان کی مدد کرنا، مدارس اخبار و رسائل کا تعاون اور عملاً ہمدردی کرنا، آپسی اختلافات کو مٹا کر میل ملاپ کی خوشگوار فضا پیدا کرنا اس کا نصب العین ہے۔
- حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کو ملحوظ رکھنا، نخوت، غرور، جھوٹ غیبت، بغض و حسد جیسی آلائشوں سے دل کو پاک رکھنا، صلۂ رحمی، حقوق

ہمسائگاں، بزرگوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت، معاملہ کی صفائی، رفاہ عام کے لئے جماعت کے تحت انجمنوں کا قیام اور رضا کارانہ خدمات انجام دینا۔

- کسی بھی مسجد میں تبلیغی پروگرام سے پہلے امام کی اجازت ضروری ہے اجازت نہ ملنے پر خلفشار نہ کیا جائے بلکہ عوام سے رابطہ پیدا کر کے جلسے کا انتظام کرایا جائے۔
- تبلیغی امور میں سفر خرچ وغیرہ کے لئے کوئی معاوضہ نہ طلب کیا جائے اس سلسلے میں مرکز سے رابطہ پیدا کر کے ہدایات حاصل کی جائیں فیغیر ذالک

ان بنیادی ضابطوں اور دستور کو مرتب کرنے کے بعد جب حالات اور تقاضوں کے پیش نظر آپ نے "سنی تبلیغی جماعت" کا باضابطہ اعلان فرمایا تو اس کے مرکزی دفتر دار العلوم غریب نواز الہ آباد ہی سے ماہنامہ پاسبان الہ آباد کے ذریعہ اس کی تشہیر و فروغ کی سعی بلیغ کرتے رہے۔ پھر یہ تذکرہ آپ کی نجی مجلسوں میں ہوتا رہا۔ اور ملت کے نونہالوں کو اپنا ہم خیال بناتے رہے جس کے لئے غیر معمولی کاوشیں کرنی پڑیں پھر امید افزا حالات کے پیش نظر اس جماعت کا ذکر مجلسوں سے جلسوں تک پہنچا یا اور اسطرح عام تحریر و تقریر میں اپنا دردِ جگر سب کو تقسیم کرتے رہے اور نہایت نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ پورے ملک کے گوشے گوشے میں کامیاب دورے کئے۔ دیہات، قصبہ، شہر ضلع ہر مقام پر موصوف کی اس تحریک کا پُر تپاک خیر مقدم اور پر جوش استقبال ہوتا رہا اور وہاں کے ہوشمند و ذی شعور طبقہ نے بطیب خاطر اسے قبول کیا۔ اس کی شاخیں تمام علاقے میں قائم کی گئیں۔ اب تدریجاً یہ تحریک زور پکڑتی گئی اور منزل مقصود کی جانب بڑھتی گئی اور آپ کے اخلاص و ایثار کی یہ قربانی بالآخر رنگ لاکر رہی اور پورے ملک میں اس مہم کے خوشگوار اثرات و نتائج رونما ہوئے۔ اور وقت کی بہت سی دینی ضروریات مثلاً علمی استعداد، عملی اتحاد اور عملی سرگرمیوں کا بھر پور احساس لوگوں

میں بیدار کیا۔ اور اب آپ اس راہ کے تنہا مسافر نہیں رہے بلکہ

ع لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

کے مصداق:

- حضرت مولانا مفتی عبد الحلیم صاحب اشرفی ناگپور
- حضرت مولانا الحاج خواجہ نظام الدین صاحب بدایوں۔
- حضرت مولانا الحاج ظہور احمد صاحب اشرفی باسنی راجستھان
- مولانا مفتی ولی محمد صاحب ریسرچ اسکالر دار العلوم غریب نواز الہ آباد مفتی باسنی۔ راجستھان۔
- حضرت مولانا عبد المبین صاحب نعمانی جامعہ قادریہ چریا کوٹ۔
- جناب انور علی صاحب انصاری ایم، اے سکریٹری سنی تبلیغی جماعت بمبئی۔
- مولانا عبد الرزاق صاحب جبلپوری۔
- جناب مہدی حسن نظامی بمبئی۔
- مولانا عبد الجلیل صاحب مصباحی۔ الہ آباد
- مولانا حافظ عبد القیوم صاحب اعظم گڑھ
- جناب الحاج شیخ محمد اسماعیل صاحب رضوی مرحوم بیڑی مرچنٹ ملسر
- جناب الحاج محمد سعید صاحب رضوی
- جناب الحاج چودھری محمد عیسے مکرانہ
- جناب فاروقی پہلوان بھیلواڑہ
- جناب مولانا عبد الشکور صاحب۔
- مولانا سمیع اللہ صاحب
- مولانا شبیر احمد صاحب
- جناب حافظ حکیم انصار صاحب

جیسے روشن ضمیر، مخلص اور دین کے ہمدرد عوام و خواص نے حضرت پاسبان ملت

کے دوش بدوش، شانہ بشانہ چل کر بھرپور تائید وحمایت کا حق ادا کیا جس کے نتیجے میں راجستھان، آندھرا پردیش، گوا، مہاراشٹ، کرناٹک، میسور، بنگال و بہار اور اتر پردیش کے مضافات میں اس جماعت کی متعدد شاخیں قائم ہوئیں۔ جو آج بھی حضرت موصوف کے نقش قدم پر اپنے مشن پر عمل پیرا ہیں۔ بمبئی کی سرزمین پر جو کچھ اس جماعت کا کام ہوا اور ہو رہا ہے اس کا سہرا انور علی انصاری ایم اے کے سر ہے جن کے بارے میں علامہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر انھیں سونے سے تولا جائے تو کم ہے۔ یوں ہی مولانا ظہور احمد اشرفی، مولانا مفتی ولی محمد باسنی، اور جناب مہدی حسن نظامی کے خلوص وایثار اور ان کی ہمنوائی سے علامہ بے پناہ متأثر تھے۔ حضرت موصوف اس تحریک سے کس قدر قلبی لگاؤ رکھتے تھے۔ اور دین کے اس مشن کے فروغ کا کتنا شدید جذبہ تھا ان کے اس اقتباس سے اندازہ کیجئے۔ فرماتے ہیں:۔

"میں اس کے لئے اس حد تک فکرمند ہوں کہیں خدانخواستہ مجھے ٹی بی کا مرض نہ ہو جائے۔ میں اپنی حساس طبیعت سے بہت مجبور ہوں چونکہ سنی تبلیغی جماعت کی آواز کو میں نے بہت دور تک پھیلایا۔ اور اب اس بارے میں احباب کا تقاضا بھی شدت اختیار کر رہا ہے" [1]

یوں ہی جناب راز الہ آبادی کے ذریعہ علامہ سے لئے گئے انٹرویو کا یہ اقتباس بھی ان کی جماعتی احساسات کا مظہر ہے

راز الہ آبادی:۔ اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟

نظامی:۔ اب "سنی تبلیغی جماعت"، میرا اوڑھنا بچھونا ہوگا۔ اب تک لوگوں کی دعوت پر جاتا تھا اور اب بن بلائے گلی گلی کی خاک چھاننی ہے "سنی تبلیغی جماعت" اور "رضا لائبریری" میری زندگی کا آخری مشن ہوگا۔

---

[1] پاسبان، جون ۱۹۷۳ء

راز الہ آبادی :۔ تقریری پروگرام سے کنارہ کشی سے قوم کا بڑا نقصان ہوگا۔
نظامی :۔ راز صاحب! اگر سنی عوام نے میرا ساتھ دیا تو نقصان نہیں ہوگا بڑا فائدہ ہوگا۔ جلسوں کے سنبھالنے والے تو بہت سے ہیں مگر "تبلیغی جماعت" جیسی زہریلی جماعت کا تریاق ابھی تک پیش نہیں کیا گیا، انشاء اللہ تعالیٰ "سنی تبلیغی جماعت" اس کی صحیح کاٹ ثابت ہوگی۔ اور اس وقت اپنے عوام کو اس کی سخت ضرورت ہے۔
راز الہ آبادی :۔ آپ کے باقی اداروں کا کیا ہوگا؟
نظامی :۔ میں ان کی نگرانی کروں گا مگر مرکزی توجہ "سنی تبلیغی جماعت" پر ہوگی۔ [1]

قوم کا غم مول لے کر دل کا یہ عالم ہوا
یاد بھی آتی نہیں اپنی پریشانی مجھے

آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء ممبئی

اب ملک ایک نئے دور سے گذر رہا تھا اور ہر پانچ سال کے بعد الیکشن اور انتخابات کی ہماہمی سے پورے ملک بالخصوص مسلمانانِ اہلسنت میں قیامتِ صغریٰ جیسا منظر نظر آرہا تھا اور ادھر مصلحت کوش، نام نہاد "جمعیۃ علمائے ہند دہلی"، بجائے اس کے کہ یہ اپنی سیاسی کارکردگی سے مسلمانوں کو آبرومند زندگی دلاتی اپنی کروٹیں بدل بدل کر کبھی سیاسی اور کبھی خالص مذہبی جماعت ہونے کا اعلان کرکے بظاہر اسلام وسنیت کا لبادہ اوڑھ کر موقع سے غلط فائدہ اٹھا رہی تھی۔
کبھی تو اس نے "محکمۂ کسٹوڈین"، کے ساتھ دلچسپی دکھا کر "کمیشن ایجنٹ"، کا پارٹ ادا کیا اور جیسے جیسے اس کی آمدنی کمزور پڑتی گئی۔ تو پھر "سنی وقف بورڈ"، کے ساتھ اظہار ہمدردی کرکے کبھی قاضی بل، کبھی وقف بل،

---

[1] تاجدار شہید اعظم نمبر۔

کا جھنڈا لے کر نگر نگر پھرتی رہی اور پورے ملک کے مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ کر کے ڈرامائی شکل میں اپنے باطل و گمراہ افراد کو اس کمیٹی میں بھرنے کی کوشش کی۔ یہ اس کی ابن الوقتی ہی تو تھی کہ وقف بورڈ اتر پردیش" کے اراکین کے انتخاب میں مولانا شاہد صاحب فاخری سابق صدر "جمعیۃ علمائے ہند اتر پردیش" کے خلف اکبر مولانا خالد فاخری کو محض اسلئے سنّی وقف بورڈ میں شامل نہیں کیا گیا کہ وہ سنیوں کے نمائندہ بن کر جانا چاہتے تھے۔ یوں ہی کبھی اس جماعت نے مسلمان بچوں کی دینی تعلیم و تربیت پر غور و فکر کے نام پر "تعلیمی کنونشن"، جبریہ تعلیم کا اقدام کیا۔ کیونکہ اسمیں اگرچہ ہر مکتبہ فکر کے عمائدین مدعو تھے لیکن اسمیں اسلامی بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کی اصلاح مقصود تھی تو اس سے کہیں زیادہ جمعیۃ العلمائی نصاب بنا کر اپنی کتابوں کی مارکیٹ گرم کرنے کی مقصدیت تھی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس کنونشن کے پس منظر میں عقائد باطلہ کی ترویج و اشاعت کی گہری سازش تھی تو بے جا نہ ہوگا۔

انھیں حالات و واقعات کی بنیاد پر اہلسنت کے وہ غیور علماء و مشائخ جو درس و تدریس، افتاء و قضا، مسجد و خانقاہ، وعظ و تبلیغ کے سوا کوئی مشغلہ نہیں رکھتے تھے۔ انھیں ان حالات نے جھنجھوڑا جس کے نتیجے میں آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء بمبئی، کی ایک آئینی و دستوری جماعت کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔ اور وقت کے تمام علماء سمیت سید العلماء حضرت علامہ سید آل مصطفےٰ علیہ الرحمۃ والرضوان کی صدارت و سرپرستی اور حضرت پاسبان ملت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ والرضوان کی کبھی نظامت اور کبھی صدارت و قیادت میں یہ جماعت سرزمین ہند پر بادل بن کر چھا گئی۔ پاسبان ملت نے حضرت سید العلماء کے شانہ بشانہ ملکی پیمانے پر اس پلیٹ فارم سے ملکی، ملی، سماجی، قومی اور سیاسی خدمات انجام دیئے۔ اور مسلمانان اہلسنت کی بکھری ہوئی طاقتوں کو سمیٹنے میں تاریخ ساز پارٹ ادا کیا۔ آپ نے بارہا اپنی نجی مجلسوں میں فرمایا:

"آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء ممبئی" کسی کی جاگیر و میراث نہیں اور نہ ہی کسی طبقے یا گروپ کی جماعت ہے بلکہ جو اپنے آپ کو سنی سمجھتا ہے ان سب کی یہ جماعت ہے جہاں سے بیک وقت متحد ہو کر آواز حق بلند کی جائے۔ ہاں! جو لوگ ہماری سنی دنیا کی درسگاہوں اور خانقاہوں کے اعتبار سے اپنے آپ کو موسوم و مشہور کرتے ہیں تو وہ موسوم کریں اور علی الاعلان کریں۔ مصباحی، منظری، مظہری، برکاتی، اشرفی، رضوی، قادری، امجدی لکھیں اور ضرور لکھیں مگر انہیں اس قدر تعصب و تنگ نظری نہ ہو جس سے سنیت کی کاز کو نقصان پہنچے۔

اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ پاسبان ملت نے پر زور اور کامیاب انداز میں اس پلیٹ فارم سے

جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کا بائیکاٹ

کیا، اسے ایک ڈکٹیٹر شپ، عیش پسند، مفاد پرست، زرا ندوز، مفلوج اور قربانی کے جذبے سے خالی جماعت قرار دیتے ہوئے اپنے اور عوام کی جانب سے عدم اعتماد کا اظہار کیا۔ ارشاد فرمایا کہ جمعیۃ علمائے ہند ہماری نمائندہ جماعت نہیں۔ لہٰذا اس کا کوئی اقدام اور کوئی فیصلہ ملک کی بھاری اکثریت کے لئے قابل قبول نہیں جس کے نتیجے میں جمعیۃ العلمائیوں میں ایک انقلاب برپا ہوا اور ان کے بہت سے شکایتی خطوط بھی آئے۔ مثلاً جناب عبد الحمید نظامی ایڈوکیٹ سکریٹری جمعیۃ العلمائے ہند بہار کا ایک یہ خط اور حضرت پاسبان ملت کی طرف سے اس کا مسکت جواب دیکھتے چلئے:۔

مکرمی جناب ایڈیٹر ماہنامہ پاسبان۔ الہ آباد

السلام علیکم۔

"ایڈیٹر پاسبان کی تقریر" کے عنوان سے رسالہ پاسبان ماہ اکتوبر میں ایک مضمون پڑھنے میں آیا۔ اس تقریر کا خلاصہ محض اس طرح ہے کہ "جمعیۃ

العلمائے ہند دہلی" کا بائیکاٹ کیا جاوے۔ جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کو حزب مخالف کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ "سنی جمعیۃ العلماء" اور دیگر مسلمانوں کو اس حزب مخالف کی انتھک کوششوں سے جن سے وہ دیوبندی خیالات مسلمانوں میں پھیلانا چاہتے ہیں۔ خبردار رہنا چاہئے۔

"جناب والا کی یہ تقریر پڑھ کر نہ صرف مجھے ہی از حد افسوس ہوا۔ بلکہ مجھ جیسے ہزاروں قارئین کو رنج ہوا ہوگا کہ آج اس زمانے میں ویسے ہی انتشار پھیلا ہوا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ اس انتشار کے پھیلانے میں علماء ہی ممد و معاون بن رہے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ وہابی عقیدہ رکھنے والی جماعت کے علاوہ پچاسوں ایسے گروہ ہندوستان میں موجود ہیں جن کے عقائد حنفی عقائد سے مختلف ہیں اور یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ اپنے عقائد کی توسیع میں پوری کوشش کرتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ "جمعیۃ العلمائے ہند دہلی" نے ایسا کیا قصور کیا ہے جسکی پاداش میں جناب والا جمعیۃ کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس مخالفت کی آڑ میں ان تمام علماء اور دیگر اشخاص کی برائی کرتے ہیں جو جمعیۃ العلماء ہند دہلی سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ عام اس کے کہ وہ دیوبندی حضرات ہوں، یا حنفی عقائد والے۔ شاید جناب والا کو یہ معلوم نہیں کہ جمعیۃ العلمائے ہند نے مسلمانوں کی کیا کیا خدمات کی ہیں۔ اور یہ بھی شاید ہی معلوم ہو کہ مسلمانوں کی خدمت کرنے میں اس جماعت نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ جس شخص کی خدمت کی جا رہی ہے وہ سنی عقیدہ رکھنے والا ہے، دیوبندی ہے، شیعہ ہے یا رافضی ہے۔ بلکہ بلا لحاظ عقائد یا گروہ بندی قطعی عمومیت کے ساتھ خدمت کی ہے افسوس اس بات کا ہے کہ جناب والا نے اپنی لمبی چوڑی تقریر میں یہ ظاہر نہیں کیا کہ اتنے کثیر علماء جو "جمعیۃ العلمائے ہند" کے جھنڈے کے تحت خدمت اسلام انجام دیتے رہے! اور دے رہے ہیں ان میں کون صاحب ایسے ہیں جو

دیوبندی ہیں۔ اگر جناب والا جاننے میں کامیاب ہیں تو کیا جناب کا یہ فرض نہیں ہے کہ آپ اپنا سلسلۂ گفتگو انھیں حضرات تک محدود رکھیں اور دیگر معاونین جمعیت کو بلا وجہ اپنے آزادرو قلم کا شکار نہ بنائیں۔

جناب والا کو معلوم ہونا چاہیئے کہ تقاسمۂ ہند کے بعد ہندوستان میں اگر مسلمانوں کی جان اور مال کی حفاظت میں کسی جماعت نے حصّہ لیا۔ اور ان کو بچایا۔ تو واحد جماعت "جمعیۃ العلمائے ہند" کی ہے۔ اس جماعت نے ہندوستان کے لاتعداد مکاتب، مساجد، اور اوقاف کی جائدادوں کو بچایا۔ لاکھوں بے گھر مسلمانوں کو جو وقتی تکلیف کی بناپر پاکستان چلے گئے تھے پھر سے ہندوستان میں آباد کیا۔ اور ان کی زمینیں واپس دلوائیں۔

اگر جناب والا ذرا تکلیف فرما کر دہلی تشریف لے جائیں اور محکمۂ کسٹوڈین کے مختلف شعبہ جات اور مرکزی وزارت ہوم سے پتہ کرلیں تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ اس جمعیۃ العلمائے ہند دہلی کی کیا کیا خدمات ہیں۔

جناب والا نے فرمایا ہے:۔

> "ہمیں پوری حسن تدبیر سے مسلم عوام وخواص کو سمجھا دینا چاہیئے کہ دیوبندیت اور سنیت کا اختلاف محض عرس وقوالی کا نہیں ہے بلکہ کلیدی اور بنیادی اختلافات ہیں اور وہ اختلاف ہے توہین نبوت اور تنقیص رسالت کا۔ چونکہ اکابر علمائے دیوبند آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دے کر وقار نبوت اور عظمت رسالت کے گھٹانے کی کوشش کی ہے اور حفظ الایمان تقویۃ الایمان، تحذیر الناس، براہین قاطعہ جیسی گندی اور پھوہڑ کتابوں میں ایسی غارتگر ایمان عبارتیں لکھی ہیں جن سے توہین نبوت ہوتی ہے جو موجب کفر ہے۔"

جہاں تک عقائد کا سوال ہے حنفی حضرات اور دیوبندی حضرات میں

اختلاف ہو سکتا ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ مندرجہ بالا کتب میں حنفی عقائد پر حملے کیے گئے ہیں۔

جناب والا کو حق ہے کہ ان کتابوں کا مفصل جواب رسالہ جات اور کتب کی شکل میں تحریر فرمائیں ان کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جاوے اور عوام و خواص پر یہ ثابت کریں کہ حنفی عقائد دیوبندی عقائد کے مقابلے میں خالص اسلامی اصول ہیں اور وہی قابل عمل ہیں۔ لیکن آپ کا یہ فرض نہیں ہے کہ آپ ان کتب کا حوالہ دے کر عام اور خاص مسلمانوں میں تفریق کی بنیاد کو مضبوط کریں۔ بلکہ اس انتشار کے پھیلانے کے رویہ کو چھوڑ کر اگر آپ کوئی مصالحتی صورت پیدا کریں۔ تو زیادہ مناسب ہے اپنا زور قلم اجتماع بین المسلمین میں صرف کریں تو زیادہ باعث ثواب ہے ورنہ تفریق میں جناب کے لئے یہاں اور آخرت میں خرابی ہے۔ خدا رحم کرے۔

کچھ آدمیوں کی چند تصنیفات سے یہ سمجھ لینا کہ ان سے توہین نبوت اور تنقیص رسالت ہے۔ مولانا صاحب! مجھے معاف فرمائیں گے یہ آپ کے عقیدے کی کمزوری ہے آفتاب رسالت پر کتنی ہی گندگی اچھال کر گستاخی کی جاوے حضور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی عظمت و توقیر میں ذرہ برابر فرق نہیں پڑتا۔

اخیر میں جناب والا کو یہ جتانا چاہتا ہوں کہ ممکن ہے کہ "جمعیۃ العلمائے ہند" دہلی میں دیوبندی علماء بھی شامل ہوں۔ مگر یہ پختہ بات ہے کہ یہ جماعت دیوبندیوں کی جماعت نہیں ہے بلکہ عام مسلمانوں کی جماعت ہے جن میں یقیناً بیسیوں قسم کے گروہ اور مختلف عقائد والے افراد شامل ہیں۔ اور خدمت اسلام انجام دیتے ہیں اس جماعت کا سروکار اختلاف عقائد سے نہیں ہے بلکہ اسلامی خدمت سے ہے۔ امید ہے کہ جناب والا اس ناچیز کے چند کلمات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے اور بجائے تفریق اور انتشار کے اجتماع و اتحاد پر زور قلم صرف فرمائیں گے۔ آپ کا مخلص: عبدالمجید نظامی ایڈوکیٹ ۱۰/۱۰/۵۹ء

حضرت پاسبانِ ملّت کا جواب ملاحظہ فرمائیے :

کرم فرما جناب عبد المجید صاحب نظامی ایڈوکیٹ
سلام مسنون !

ا:- اولاً تو آپ نے رونا رویا ہے کہ میری تقریر پر آپ اور آپ جیسے ہزاروں قارئین پاسبان کو صدمہ ہوا۔ تو میرے مخلص یہ وہ غم ہے جس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں جس طرح آپ سنی جمعیۃ العلماء ہند بمبئی یا آل انڈیا تبلیغ سیرت کے ممبر یا رکن ہوکر مجھے مسرت و شادمانی نہیں دے سکتے۔ بالکل اسی طرح میں جمعیۃ العلماء ہند کا ممبر ہوکر آپ کی رضا جوئی سے اپنے کو معذور پاتا ہوں ورنہ یہ غم مجھے بھی ہے، کہ آپ ہماری جماعت کے عہدیدار کیوں نہیں ؟

۲: اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ملک کی اور بہت سی جماعتیں ہیں آخرش آپ جمعیۃ العلماء ہند کے پیچھے کیوں پڑ گئے ؟ تو مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ سے یہ دریافت کرسکوں کہ اس ملک میں عیسائی، پارسی، مجوسی، یہودی، چینی یہ تمام ہی مذاہب ہیں اور ان کی اشاعت ہوتی رہتی ہے آخرش ایک جماعت اسلامی میں کیا کیڑے پڑ گئے ہیں کہ جمعیۃ العلماء ہند کے سابق صدر مولوی حسین احمد صاحب صدر دیوبند نے ان لوگوں کو رافضی، خارجی، معتزلی، جہنمی اور فریبکار، کافر تک کا فتویٰ دیا۔ آخرش جمعیۃ العلماء ہند، جماعت اسلامی یا اسلامی لیبل پر جتنی جماعتیں ہیں ان کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئی ؟ یہ اتحاد بین المسلمین ہے یا افتراق بین المسلمین ؟ کیا اس ضرورت کا احساس اب جمعیۃ العلماء ہند کو جاتا رہا ؟ جماعت اسلامی سے متعلق اگر حوالہ جات کی ضرورت ہو تو شیخ الاسلام نمبر ہی کا دیکھ لینا کافی ہوگا۔

۳:- آپ نے دبے لفظوں میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جمعیۃ العلماء ہند دیوبندیوں کی جماعت نہیں بلکہ عام مسلمانوں کی جماعت ہے۔ تو آپ سے اتنی

ہی گذارش ہے کہ علمائے دیوبند کے علاوہ دس پانچ ایسے حضرات کے نام کی اطلاع دیجئے جو جمعیۃ العلماء ہند ورکنگ کمیٹی میں ہوں اور دیوبندی مکتبۂ فکر سے متعلق نہ ہوں۔ رہ گئی عوام کی شمولیت کی بات تو وہ نادانستہ طور پر شریک ہیں یا دنیاوی مقاصد کے پیشِ نظر۔؟

۴: آپ نے جمعیۃ العلماء ہند کی بعض خدمات کو سراہا ہے۔ جمعیۃ العلماء کی ہونے کی حیثیت سے آپ کو حق ہے کہ آپ اس کی خدمات کو سراہیں۔ اس مقام پر اتنی ہی گذارش ہے کہ ڈھکی چھپی باتوں کو کریدئیے نہیں۔ ورنہ مساجد اور اوقاف کے پردے میں جمعیۃ العلماء نے کیا کچھ نہیں کیا ہے اس کو ملک کا باخبر حلقہ اچھی طرح جانتا ہے۔

۵:۔ خدا کا شکر ہے کہ آگے چل کر آپ نے اس کا اعتراف کیا کہ علمائے دیوبند نے حنفی عقائد پر حملے کئے ہیں مگر یہ امر لائق افسوس ہے کہ اس حملے کو آپ نے اتنی ہی حیثیت دی کہ اس سے ابوحنیفہ کا دامن چاک چاک ہوا اور حنفیوں کے سینے چھلنی ہوئے مگر آپ کے سینے پر خراش تک نہ آئی۔ یہ ہے آپ کا مذہبی احساس۔

اگر اس کا امکان ہو تو کبھی علمائے دیوبند سے دریافت کیجئے کہ آخر ش آپ لوگوں نے حنفی عقائد پر حملے کیوں کئے۔ دیکھئے آپ کو کیا جواب ملتا ہے؟

۶:۔ آخر میں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر بعض لوگوں نے اپنی تصانیف میں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص و توہین کی ہے تو سرکار رسالت مآب کی ذات گرامی اتنی ہی بلند ہے کہ ان کی توہین و تنقیص سے پیغمبر اسلام کی عظمت و توقیر میں کوئی فرق نہیں آتا۔

میرے مخلص ناصح! جس طرح آپ نے یہ سوچ لیا کہ حفظ الایمان، تقویۃ الایمان براہین قاطعہ، تحذیر الناس کی کفری عبارات سے وقار نبوت کو ٹھیس نہیں پہنچتی۔ چونکہ ان کی ذات گرامی بہت ہی بلند و بالا ہے تو آپ نے میری تقریر کے بارے میں کیوں نہ یہی سوچ لیا کہ جمعیۃ العلماء بقول آنجناب ملک کی ایک ہمہ گیر پروقار جماعت ہے۔ لہٰذا ایک مشتاق نظامی کی تقریر سے اس کا کیا بگڑ جائے گا۔ افسوس ہے

کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر سنگین حملے کیے جائیں تو آپ طفل تسلی سے کام لیں۔ اور کان پر جوں تک نہ رینگے۔ لیکن جمعیۃ العلماء ہند پر ایک ہلکا پھلکا سا تبصرہ آپ برداشت نہ کر سکے آپ نے تو ایک ایسا دروازہ کھول دیا کہ آج ہر اسلام دشمن کھلے بندوں اسلام اور پیغمبر اسلام کی توہین کرے اور مسلمان یہ سوچ کر گوارہ کرلیں کہ ہمارا مذہب اور ہمارا پیغمبر اتنا عظیم المرتبت ہے کہ ان کے بیہودہ کلمات سے ان کا کچھ نہیں بگڑتا۔ میری نظر میں تحفظ ناموس رسول کی خاطر ملک میں جتنے بھی ایجی ٹیشن ہوئے ہوں گے ان سب کو آپ نے مذموم اور قبیح سمجھا ہوگا۔

میرے مخلص وناصح اگر ہوسکے تو کبھی ٹھنڈے دل سے سوچیے اور غیر جانبدار ہوکر حالات وواقعات کا مطالعہ کیجئے اور اپنے اس مذاق ایمانی کا جائزہ لیجئے کہ رسول کریم علیہ التحیۃ والثناء کے بارے میں آپ برے سے برے اور گندے سے گندے کلمات برداشت کر سکتے ہیں مگر جمعیۃ کے ساتھ غلو محبت کا یہ عالم کہ کوئی معمولی سی بات سننے کو تیار نہیں۔

واضح رہے کہ قبر اور حشر میں یہ جمعیۃ ساتھ نہ دے گی بلکہ وہی مونس وغمخوار ہوں گے جن کی وفاداری سے آپ کا قدم پیچھے ہٹ رہا ہے۔

مشتاق احمد نظامی

۳۰ر اکتوبر ۱۹۵۹ء

دال منڈیا سنی جمعیۃ العلماء بمبئی کا سب سے بڑا کارنامہ ۱۹۶۳ء کی کانپور کی سہ روزہ بین المملکتی کانفرنس ہے جو تاریخ میں اپنا ثانی نہیں رکھتی یہ پہلا موقع تھا کہ پوری دنیائے سنیت ملک کے طول وعرض سے ایک پلیٹ فارم پر مل بیٹھ کر قومی وملی مسائل کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر کرنے کو جمع ہوگئی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں بے شمار اجتماعات ہوئے لیکن قومی، ملی، سیاسی و سماجی سطح پر جو وسعت مفاد اس کانفرنس میں پایا جاتا تھا۔ یہی اس کی انفرادیت کیلئے

لے پاسبان الہ آباد۔ مارچ ۱۹۵۹ء

بس ہے۔ ویسے اس کانفرنس کے روح رواں حضرت پاسبان ملت کے ان الفاظ سے اس کانفرنس کی بے مثالی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۔۲۔۳۔ نومبر ۱۹۶۳ء آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کان پور کی سہ روزہ کانفرنس کی مختصر اور جامع رپورٹ اگر مجھ سے دریافت کی جائے تو میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تقسیم ہند کے بعد اسلامی سطح پر بھارت کی سرزمین پر اتنی کامیاب کانفرنس نہیں ہوئی جس نے آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء بمبئی کی نمائندگی پر اپنی آخری مہر لگادی[1]

ظاہر ہے کہ مالابار، بنگلور، بمبئی، بڑودہ، دھوراجی، احمد آباد، راجستھان اڑیسہ، بنگال، مدھیہ پردیش، آندھرا پردیش، اتر پردیش اور بہار وغیرہ سے آنے والے ہزاروں ڈیلی گیٹس اور پانچ سو سے زائد علماء ومشائخ کرام کے علاوہ پانچ لاکھ کا مجمع کیا کم تھا، اس مبارک اقدام کے نتیجے میں وقت کے بہت سے تقاضے پورے کئے گئے۔ مثلاً جگہ جگہ سنی جمعیۃ العلماء کی شاخیں قائم ہوئیں اس کی ممبر سازی عمل میں لائی گئی، تجاویز پر بحث ومباحثہ کے بعد ان کو عملی جامہ پہنانے کی سعی بلیغ کی گئی۔ اس جمعیت کے پریس فنڈ اور اخباری اسکیم کو مستحکم کیا گیا۔ اور اس کی سربراہی میں مدارس، مرکاتب، انجمنوں اور لائبریریوں کے قیام وتاسیس کا منصوبہ تیار ہوا۔ مدارس قدیم کو اس تنظیم سے ملحق کرانے کی تجویز پاس کی گئی۔ ملک کے الیکشنی مواقع پر مسلمان بالخصوص اہلسنت والجماعت کے ووٹ کا استعمال اور رائے دہی سنی جمعیۃ العلماء کے استصواب اور فیصلے پر موقوف رکھا گیا۔ مرکزی حج کمیٹی اور پورٹ حج کمیٹی سے بیزاری اور عدم اعتماد کی تجاویز باتفاق رائے پاس کی گئیں۔

اور مسلم پرسنل لاء، جنرل الیکشن، دفاع وطن، خواجہ درگاہ ایکٹ، واگذاری مقابر ومساجد، سنی مجالس اوقاف، عدم اعتماد جمعیۃ العلماء ہند دہلی، انسداد

---

[1] ماہنامہ پاسبان نومبر، دسمبر ۱۹۶۳ء

فرقہ وارانہ فسادات، بابت اسلام کسی اردو زبان، اسلامی مطالبات، مدارس عالیہ، دینی تعلیمات، خواجہ مشن، جماعتی اتحاد، کتاب شریعت یا جہالت، کل ہند سنی یونیورسٹی، سنی مسلم وقف بورڈ، جیسے ابھرے ہوئے مسائل اور ان میں ہونے والی بدعنوانیوں کے ازالہ کا مرکزی وصوبائی حکومت سے مطالبہ کیا گیا۔

اس کانفرنس کے ہر زاویئے پر حضرت خطیب مشرق کے کمال فکر وفن، غیر معمولی کدوکاوش اور جسم سوز وجاں سوز محنتوں نے آپ کی بہت سی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔ اور اسمیں آپ کے کلیدی رول دیکھ کر سبھوں نے آپکی نوع بنوع خوبیوں اور ہمہ گیر ودل گیر شخصیت ہونے کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔ مثلاً حضرت مولانا حکیم نقی خاں صاحب ناظم جامعہ عربیہ انوار العلوم جلین پور کی یہ تحریر

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی کو میں برسوں سے جانتا ہوں اور ان کی چند در چند صلاحیتوں کا معترف ہوں لیکن اس کانفرنس نے ان کی بہت سی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کر دیا۔ شب میں تقریر کرنا اور دن میں بخار کی حالت میں تجاویز مرتب کرنا اور ایجنڈے کی ترتیب دینا وغیرہ وغیرہ یہ انھیں کا کام تھا۔ سچ جانئے ہم لاکھ سے زائد اجتماع پر کنٹرول کرنا کسی اور کے بس کی بات نہ تھی ان کی ایک آواز پر سناٹا چھا جاتا۔ سارے رضاکار حرکت میں آجاتے۔ ۳۱ر اکتوبر کو جب دفتر استقبالیہ میں آپ رضاکاروں کے قائد کو ہدایت دے رہے تھے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مدتوں رضاکاروں کی قیادت کر چکے ہیں میں یقین رکھتا ہوں کہ علامہ نظامی نے اس کانفرنس میں وہ رول ادا کیا ہے جو صرف انھیں کا حصّہ ہے مختلف موڑ پر ان کی حکمت عملی کام آئی اور انھوں نے حسن تدبیر سے ایسی خوشگوار فضا پیدا کر دی کہ جس کا یقین آج نہ سہی کل سبھی کو کرنا پڑے گا۔ میں علامہ نظامی

کو ایک بہت ہی کامیاب مقرر اور اہل قلم سمجھتا ہوں مگر کانفرنس میں ان کی گوناں گوں صلاحیتوں کو دیکھنے کے بعد اب میں تنہا ان کو ایک جماعت سمجھتا ہوں۔[1]

یوں ہی خود کان پور کے خوش عقیدہ عوام و خواص اس کانفرنس میں موصوف کی حسن کارکردگی کے معترف و مداح ہیں اور آج بھی ان کے دلوں میں موصوف کی یادوں کے نقوش کا لجے بنے ہوئے ہیں۔ مثلاً مولانا شہباز انور صاحب پرنسپل مدرسہ احسن المدارس قدیم کان پور، مولانا میکائیل ضیائی صاحب سابق مدیر معاون پاسبان الہ آباد، مولانا محمد قاسم حبیبی صاحب خطیب جامع مسجد چمن گنج، الحاج سیٹھ ابراہیم حشمتی صاحب، وکیل ابن ارشاد احمد صاحب، الحاج ولی محمد صاحب، الحاج جمیل حشمتی صاحب، جناب عبد الجلیل حشمتی صاحب، الحاج فتح محمد صاحب، جناب مرتضیٰ حسین صاحب، جناب شکیل احمد برکاتی صاحب، الحاج قاری صغیر احمد صاحب وغیرہ وغیرہ۔

الحمد للہ! آج بھی تادم تحریر یہ تنظیم شہزادہ محبوب ملت مولانا منصور علی خاں کی سرکردگی میں عروج و ارتقا کی راہ پر گامزن ہے۔ اور قومی و ملی خدمات انجام دے رہی ہے۔

کل ہند تبلیغ سیرت کمیٹی

اس تلخ حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی آزادی کے بعد کا دور مسلمانوں کے لئے کس قدر بحرانی اور حوصلہ شکن ثابت ہوا۔ ایسے ہوش رُبا ماحول میں جبکہ ملک کی تمام پرانی جماعتیں عالم سکرات میں تھیں۔ اور قوم بے سروسامانی کی زندگی گذارنے پر مجبور تھی۔ یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ تقسیم ہند کے بعد "مسلم لیگ" نے پاکستان کا رخ اختیار کر لیا۔ اور اس کو ادھر جانا بھی چاہیے

---

[1] پاسبان نومبر دسمبر ۱۹۶۳ء

تھا۔ رہ گئی "جمعیۃ العلماء ہند دہلی" کی جماعت، سو وہ بھی مسلمانوں کے آڑے وقت کام نہ آسکی اور لکھنؤ کانفرنس میں اپنے غیر سیاسی اور خالص مذہبی جماعت ہونے کا اعلان کر دیا جس سے مسلمانوں کی بچی کھچی امیدوں پر پانی پھیر گیا۔

غرض کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی شان اقدس میں غیروں کی جانب سے گستاخیاں ہوتی رہیں، مذہبی آثار و نقوش پر حملے ہوتے رہے، مساجد پر قبضہ ہوتا رہا، اردو پامال ہوتی رہی اور اس طرح مسلمان فرقہ پرستوں کے ہاتھ برباد ہوتے رہے، ایسے ناگفتہ بہ حالات میں وقت کی ایک سحر طراز شخصیت جو پہاڑ کی طرح اٹل اور سمندر کی طرح لبریز بھی یعنی حضور مجاہد ملت علامہ محمد حبیب الرحمٰن اڑیسوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی بے مثال حرکت و عمل سے نہ صرف قوم کے بخت خفتہ کو بیدار کرنے کے لئے بلکہ ملک و ملت کی بہت بڑی غفلت و اعراض کو توڑنے کے لئے بقول ڈاکٹر اقبال یہ کہتے ہوئے میدان میں کود پڑے: ؎

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سنان اول طاؤس و رباب آخر

اور قوم کے حق و انصاف کی جد و جہد کی خاطر اس وقت سرزمین بریلی شریف پر عرس اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تقریبات میں ملک و ملت کے مشاہیر علماء و مشائخ کی رائے عامہ سے ۱۹۵۵ء میں "آل انڈیا تبلیغ سیرت کمیٹی" کی داغ بیل ڈال دی جس کے عہدیداران اس طرح منتخب کئے گئے:-

۱:-	حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب اڑیسہ	صدر و سربراہ اعلیٰ
۲:-	مولانا سید شاہ عزیز احمد صاحب ابو العلائی الہ آباد	نائب صدر
۳:-	مولانا ابو الوفا فصیحی غازی پوری	جنرل سکریٹری
۴:-	مولانا مشتاق احمد نظامی الہ آباد	جوائنٹ سکریٹری
۵:	مولانا حکیم محمد یونس نظامی الہ آباد	ناظم نشر و اشاعت

باوجودیکہ مصروفیات و مشاغل کے لحاظ سے پاسبان ملت کا حال یک انار

سوبیمار" جیسا تھا تقریر و تحریر بحث و مناظرہ، سنی تبلیغی جماعت، کل ہند جمعیۃ العلماء ہند کی مشغولیات ہی کیا کم تھیں۔ لیکن پھر بھی ان کی جرأت و ہمت مغلوب نہیں غالب رہی۔ یہی وجہ تھی کہ ہزار پریشانیوں کے باوجود "آل انڈیا تبلیغ سیرت" کے ذریعہ قومی و ملی سرگرمیوں میں حضور مجاہد ملت کے شانہ بشانہ رہے اور اپنی حسن تدبیر، نوربصیرت، اور بھرپور توانائیوں کے ساتھ اس تحریک کے داخلی و خارجی مشکلات کا مقابلہ کیا اور اس کے اندرونی و بیرونی طوفانوں سے نبرد آزما ہوئے۔ اور اس کے استحکام کی سعی و کوشش فرماتے رہے۔ وہ لکھتے ہیں:

میں اپنی پریشانیوں کے باعث تبلیغ سیرت کا کام خاطر خواہ نہ انجام دے سکا۔ مگر میں آپ کو مطمئن کرتا ہوں کہ الہ آباد پہنچ کر جلد سے جلد تبلیغ سیرت کا وفد لے کر بمبئی آؤں گا۔ اور اس وقت تک چین نہ لوں گا جب تک تبلیغ سیرت کی بنیاد مضبوط اور مستحکم نہ ہو جائے گی۔ [1]

بنارس، جمشید پور، کلکتہ، کٹک، دھنباد، پٹنہ، بستی، احمد آباد، گجرات کے علاوہ ۷ر فروری ۱۹۵۶ء سے لے کر ۸ر اپریل ۱۹۵۶ء تک دہلی، اجمیر شریف، کانپور، ناگپور، اعظم گڑھ وغیرہ کی تبلیغ سیرت کی تاریخی کانفرنس اور اجتماعات آج بھی ان سرفروش مجاہدین دین وملت کے اخلاص و ایثار کی نشاندہی کرتی ہیں۔

یہ تاریخی حقیقت بھی کسی پر ڈھکی چھپی نہیں کہ جس وقت "پائونیر سوتنتر بھارت"، اخبار لکھنؤ اسلام اور پیغمبر اسلام کی شان میں دریدہ دہنی و گستاخی کر کے رکیک حملے کر رہا تھا اس وقت یہی سرفروشانِ ملت و وطن تھے جنھوں نے اس اخبار کے خلاف ۸ر جنوری ۱۹۵۶ء میں احتجاجی جلسہ کیا۔ اور "یوم احترام" منایا جس کے نتیجے میں وزیر اعلیٰ ڈاکٹر سمپورنانند جی نے قانون میں ترمیم کی اور اسے ناقابل معافی و ناقابل ضمانت جرم قرار دے کر سزا کا مستحق قرار دیا۔ اور اس طرح ان بیہودگیوں کا سدّباب ہوا۔

---

[1] پاسبان نومبر ۱۹۵۴ء

اس طرح تھوڑے ہی دنوں میں اس جماعت نے اپنا ایک امتیازی مقام بنالیا "ریلیجس لیڈر" نامی کتاب کے باؤنڈ کرانے میں اور گجرات میں "شدھی تحریک" کے خلاف نعرۂ حق بلند کرنے میں آل انڈیا تبلیغ سیرت" نے ایک نمایاں کردار ادا کیا اور ساتھ ہی اردو زبان کو علاقائی زبان تسلیم کرانے اور اس کو اپنا جائز حق دلانے میں یہ جماعت برابر کوشاں رہی

اسی درمیان میں قاضی بل، وقف بل کا مسئلہ پیش آیا تو آل انڈیا تبلیغ سیرت اور آل انڈیا جماعت رضائے مصطفےٰ نے اس معاملے میں اپنی بھرپور طاقت صرف کی حتی کہ دونوں جماعت کے اتحاد و اتفاق سے ملک بھر میں وقف بل اور قاضی بل کے خلاف احتجاجی جلسے ہوئے۔

یوں ہی غیر ملکی پیمانے پر بھی یہ تحریک اثر انداز ہوئی۔ مثلاً پاکستان میں مقیم شوہروں کی بیویاں جن کے بہت سے شرعی معاملات الجھے ہوئے تھے مثلاً طلاق، خلع، فسخ سے متعلق وہاں کے ارکان حکومت سے اس جماعت کے عہدیداروں نے ضروری باتیں کیں۔ اور ان کا فقہی حل تلاش کرنے میں مایہ ناز نمائندگی کی۔

غرض کہ یہ جو کچھ بھی کارروائیاں ہوتی رہیں ان میں حضرت پاسبان ملت کا عاقبت اندیشانہ مشورہ اور سیاسی بالغ نظری و حکمت عملی ضرور شامل رہی۔

آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ

سن ۱۹۶۰ء کے آس پاس مسلمانوں کی مایوسی کا دور اور قوم کی دردناک بے حسی اور ناکام حوصلوں کو دیکھ کر مولانا سید اسرار الحق سابق ایم۔پی، مولانا مشتاق احمد نظامی اور مولانا ارشد القادری اور دیگر عمائدین و قائدین ملت نے اپنی فکر و بصیرت کی اونچی سطح پر حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ یقین کیا کہ ایک آزاد اور جمہوری ملک میں دستور کے دیئے ہوئے حقوق اور عزت و وقار کے ساتھ زندہ رہنے کے لئے ایک لازمی تقاضا ہے کہ ہمارے جماعتی نظام میں جو خلا ہے اسے پُر کیا جائے اور متحد ہو کر ملت و وطن کی نئی راہیں ہموار کی جائیں۔

چنانچہ اسی یقین کے پس منظر میں ان رہنماؤں نے ۱۱ر اگست ۱۹۶۰ء میں جمشید پور کے
مرکزی کابینہ کے اجلاس کی خوشگوار شام کو کروڑوں مسلمانوں کی آبرومندانہ
زندگی کے لئے آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ کا ایک جامع اور وقیع دستور مرتب و منظور
کیا گیا جو تنظیم مایوسی میں امید کی ایک تابناک کرن ثابت ہوئی۔

اس جماعت نے دینی تعلیم کے فروغ، معاشی خوشحالی، مذہبی روایات
کے تحفظ، اردو زبان کا جائز حق، آزاد ہندوستان کی تعمیر و ترقی، مختلف فرقوں
کے درمیان امن وامان کے قیام، فرقہ پرستی کے غلط رجحانات کا خاتمہ، مقامات
مقدسہ کی حفاظت اور بھارت کی سب سے بڑی اقلیت کے حقوق ومفاد سے
دلچسپی لینے میں تاریخ ساز خدمات انجام دیئے۔

کل ہند سنی اوقاف کانفرنس جو جمعیۃ العلماء ہند دہلی کے غاصبانہ حملے
کے خلاف واقعات وحقائق کی صحیح رپورٹ سے حکومت کو باخبر کرنے کے
لئے دہلی کی سرزمین پر جامع مسجد اور لال قلعہ کے درمیان گراؤنڈ میں ظہور پذیر
ہوئی۔ وہ آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ ہی کے زیر اہتمام ۱۹۶۱ء میں منعقد کی گئی تھی
جو ہندوستان کی راجدھانی میں تقسیم ہند کے بعد سنیوں کا پہلا کامیاب "تاریخی
اجلاس تھا۔ یقیناً یہ پاسبان ملت کی متحرک اور فعال ذہنیت کے مظہر ہیں۔
دہلی کی اس کانفرنس نے تو اس جماعت کا سر اتنا اونچا کر دیا کہ ہماری تاریخ کا
ایک نیا باب کھل گیا۔

یوں ہی جبلپور کے فساد کے موقع پر "آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ" کے
اراکین نے تو ایسا جرأتمندانہ اقدام کیا کہ جس وقت یہ حضرات بھڑکتے ہوئے انگاروں
اور خون کے دھاروں سے کھیل رہے تھے اس وقت جمعیۃ علماء ہند دہلی کے
اراکین کی زبان پر گویا فالج گر گیا تھا کہ ایک لفظ کا بیان نہ دے سکے۔

سیاسی حیثیت

چونکہ حضرت خطیب مشرق کی دینی و مذہبی حیثیت دنیا کی دوسری حیثیتوں پر غالب رہی اس لئے وہ طبعی طور پر سیاسی میدان میں قدم ڈالنا نہیں چاہتے تھے۔ فرماتے تھے اندیشہ اس کا ہے کہ ع ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد

سیاسی امور میں فکری توانائی اور بالغ نگاہی کے باوجود سیاست حاضرہ کو اپنا موضوع نہیں بناتے تھے۔ فرماتے تھے سلامتی اس میں ہے کہ گندی سیاست سے دامن کو داغدار نہ کیا جائے۔ سیاسی امور سنبھالنے والے تو بہت ہیں قوم کی گالیاں اور کلیجہ پر پتھر کھا کر دین کی حفاظت کرنے والے بھی کچھ ہونے چاہئیں۔ [1]

چنانچہ یہی وجہ تھی اگر کبھی یہ حقیر راقم الحروف ان سے گھنٹوں باتیں کرتا تو مجھے ایسا لگتا کہ انہیں سیاسی دنیا سے دور کا بھی علاقہ نہیں ہے۔ گویا علم و ادب کے سوا کسی ذوق سے آشنا ہی نہیں ہیں الغرض ان کی دکان سخن میں ہر جنس کی چیزیں دستیاب تھیں لیکن ان کی مجلس آرائی کسی سیاسی ملاوٹ یا سیاسی افسانہ سرائی کے لئے نہیں تھی بلکہ ع

از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

کی تصویر تھی۔

موصوف اپنے دینی و مذہبی معاملات میں کسی سیاسی سمجھوتہ سے قطعی گریز فرما کر جگر کی زبان میں صرف اتنا کہتے تھے ؎

ان کا جو فرض ہے وہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے!

البتہ اس سلسلے میں موصوف کی ایک بات مجھے پسند آئی۔ وہ فرماتے ہیں:

"ہمارا مذہب ہی ہماری سیاست ہے"

لیکن چونکہ اس قانون سے موجودہ سیاست میل نہیں کھاتی اس لئے حضرت

---

[1] نفیر آسمانی۔

پاسبان ملت نے مذہب وسیاست کو الگ الگ دائروں میں رکھا اور سیاسی
میدان میں دوسری راہ اختیار کی یعنی وہ کسی سیاسی کنونشن یا کانفرنس میں شریک ہونا
یا نہ ہونا صرف عقیدے اور مسلک کے اتحاد یا عدم اتحاد پر موقوف رکھتے تھے، جو
بجائے خود ایک دیانت وعظمت اور ان کے دینی تصلب کی دلیل ہے۔

چنانچہ ۱۹۷۲ء میں کچھ صلح کل افراد نے بمبئی اور الہ آباد میں "مسلم پرسنل لا"
کانفرنس کا انعقاد کیا جس میں موصوف کی شرکت کے لئے جی توڑ کوشش کی گئی۔
اگرچہ اس کانفرنس میں جزوی طور پر مقصدیت کا اشتراک تھا لیکن آپ نے دعوت
نامنظور کردی اور عملاً اشتراک وتعاون آپ نے مناسب نہیں سمجھا کہ مبادا عوام
غلط فہمی کا شکار ہو جائیں۔ اور مسلک کا نقصان ہو۔ ایک مقام پر خود اس
کی وضاحت فرماتے ہیں:۔

"بمبئی اور الہ آباد کے کنونشن میں براہ راست مجھے دعوت دی گئی میں نے
اپنی شرکت سے معذرت چاہی اور بشیر احمد صاحب ایڈوکیٹ پر میں نے واضح
کردیا کہ مسلم پرسنل لا میں ترمیم نہیں ہونی چاہئے۔ پریس کانفرنس بھی اسی ایجنڈے
پر طلب کی تھی اور اپنی تجاویز میں کھلے بندوں میں نے اپنے موقف کا اعلان کردیا
ہے۔ یہ مسئلہ انفرادی نہیں ہے بلکہ جماعتی ہے میں اپنی شرکت سے متعلق اس وقت تک
کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا تاوقتیکہ جماعتی سطح پر اس مسئلہ کو کھنگال نہ لیا جائے البتہ
بعض شرپسند یہ غلط تاثر دے رہے ہیں کہ میں مسلم پرسنل لا کے اصل موقف کا مخالف
ہوں۔ حالانکہ ایسا نہیں[1]"

لیکن سیاسی فیلڈ سے اس قدر کنارہ کشی کا یہ معنی نہیں کہ سیاسی مہروں پر
ان کی نگاہ نہیں تھی یا یہ کہ ان پر ملک کے بحرانی وہنگامی صورت حال کا کوئی ردعمل
ظاہر نہ ہوا اور حالات سے منہ موڑ کر جی لیں بلکہ ملکی وقار اور ملی تحفظ کے لئے ملک کے
بگڑے ہوئے حالات کا رخ موڑنے میں موصوف ایک خاص وصف کے مالک تھے۔

---

[1] ماہنامہ پاسبان الہ آباد۔ اگست ۱۹۷۳ء

اور اس کا ثبوت متعدد تنظیمی پلیٹ فارم اور دیگر ذرائع ابلاغ سے دیئے گئے فکر و بصیرت پر مبنی متعدد بیانات ہیں جن کے ذریعہ قوم کو سلجھا ہوا ذہن دیا اور آئینی حقوق کے دائرے میں قوم کے مشکل مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ انھوں نے کبھی بھی کسی غیر آئینی احتجاج یا غیر قانونی ایجی ٹیشن کی تائید و حمایت نہیں فرمائی۔ بلکہ ایک محب وطن کی حیثیت سے ملک کے اصول کے خود پابند رہے اور اس کی تلقین بھی فرماتے رہے۔ اس سلسلے میں ان کے بیان کا یہ اقتباس شاہد عدل ہے

ہر چند کہ ہمارا ادارہ "الف سے ی تک" غیر سیاسی ہے مگر حقائق سے چشم پوشی کو نہ تو غیر سیاسی کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے اظہار کو سیاست سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ کسی ملک کے وزیر اعظم پر قاتلانہ حملہ قابل مذمت ہی کہا جائے گا۔ سیاسی اقتدار کی حیثیت دھوپ چھاؤں کی ہوتی ہے اس کے حصول کے لئے آئینی و دستوری اسباب و ذرائع پیدا کئے جائیں نہ کہ قاتلانہ سازشوں سے ملک کے وقار کو مجروح کیا جائے۔

ہم اخیر میں اتنا ضرور عرض کریں گے کہ بھارتی عوام سیاسی مقاصد کے حصول میں غیر جذباتی و آئینی وسائل کو استعمال کریں۔ تاکہ ملکی وقار اور استحکام پہ آنچ نہ آئے۔ [1]

موصوف بحیثیت ایک ہندوستانی مسلمان کے مسلمانوں کو ہندوستان کا ایک ایسا ناقابل تقسیم عنصر تصور فرماتے تھے جس کے بغیر ہندوستان کی تاریخی عظمت ادھوری اور نامکمل ہے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہماری صدیوں کی ملی جلی تاریخ نے ہندوستانی زندگی کے تمام گوشوں کو تعمیر و ترقی کے سامانوں سے بھر دیا ہے۔ ہماری زبان، ہماری شاعری، ہمارا ادب، اور روزمرہ زندگی تمام حقیقتیں ہیں۔ جن پر ہماری مشترکہ چھاپ ہے۔ اس لئے اس سرزمین پر ایک مسلمان بھی وہی دعویٰ رکھتا ہے جو دعویٰ ایک ہندو کا ہے۔ حضرت پاسبان ملت

---

[1] ماہنامہ پاسبان مئی سنہ ۱۹۸۰ء

مندرجہ ذیل جملوں میں شاید اسی تاریخی حقیقت کی جانب اشارہ فرمارہے ہیں:
" ہمیں اپنے ملک میں ملک دوست ہو کے رہنا ہے نہ کہ ملک دشمن چین و پاکستان کی جارحانہ سازش کے خلاف ہمیں ایک مشترکہ محاذ بنانا ہے۔ اس کا واحد حل یہی ہے کہ بغض و نفرت، عداوت و فرقہ پرستی، کے زہریلے جراثیم کو ہم دفن کردیں اور ایک صالح اور صحتمند باشندے کی حیثیت سے ہم ملکی مفاد کا حل تلاش کرنے میں سرگرم عمل ہو جائیں مسلمان ایک زندہ، وفاشعار، فرض شناس قوم کا نام ہے جس نے اپنے ماضی میں ایک روشن اور تابناک تاریخ چھوڑی ہے۔ اور کسی قوم کا ماضی اس کے مستقبل کا آئینہ ہے۔ امیر خسرو، چندر بھان برہمن، اور محمد قلی قطب الدین ہر ایک کی اردو شاعری میں حب الوطنی اور قومی یکجہتی کی ایک طویل داستان ہے۔ درد وطن اور قومی اتحاد کے اس مشعل نے ہندوستان کے طول و عرض میں اُجالا کیا۔ دہلی لکھنؤ کی محفلیں، دکن اور گجرات کی فضا بھی جگمگا اٹھی[1]

سیاسی بصیرت:۔ اگر آپ حضرت خطیب مشرق کی سیاسی بصیرت، اور اجتماعی انداز فکر سمجھنا چاہتے ہیں تو ۱۹۶۳ء میں منعقدہ کان پور میں آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی سہ روزہ کانفرنس کا خطبۂ صدارت ملاحظہ فرمائیے جس کی، تجاویز کا ایک ایک نقطہ حضرت پاسبان ملت کی کاوشِ فکر و نظر کا نتیجہ ہے۔ مختصراً ان میں سے چند تجاویز ہدیۂ ناظرین ہیں:۔

:۔ **دفاع وطن:** ہندوستان کا سنی مسلمان ملک کی سالمیت اور وطن کے لئے ہر حملہ کا مقابلہ کرنے اور قربانی دینے میں دریغ نہیں کرے گا۔

:۔ **جنرل الیکشن:** آنے والے جنرل الیکشنوں میں سنّی مسلمان "آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء بمبئی کے فیصلے کے مطابق اپنے ووٹ کا استعمال کریں گے۔

---

[1] ماہنامہ پاسبان جنوری فروری ۱۹۶۶ء

٭ —— انسداد فرقہ وارانہ فسادات:۔ یہ حقیقت کسی پر مخفی نہیں کہ ملک کی سالمیت کے لئے بلا تفریق مذہب و ملت قومی ایکتا انتہائی ضروری ہے۔ لہٰذا فرقہ وارانہ فسادات کے لئے حکومت موثر تدابیر اختیار کرے۔ جو مسلمانوں کی عزت و آبرو، جان و مال کے تحفظ کی اطمینان بخش ضمانت ہو۔

٭ —— مسلم پرسنل لا: میں کسی دور میں کسی نوعیت کی کسی راہ سے ترمیم و تنسیخ یا نام نہاد اسلامی اقدام ہمارے لئے قطعاً ناقابل برداشت ہے۔

٭ اردو: بھارت کے کروڑوں باشندوں کی مشترکہ زبان ہے۔ اردو کو اس کا حق دینے میں پنڈت جواہر لال نہرو۔ کے تاثرات کو عملی جامہ پہنا کر اپنی فرض شناسی کا ثبوت دے۔

٭ —— بابت اسلام کشی: ملک کے اسکولوں اور کالجوں کے نصاب تعلیم سے بعض اسلام کش کتابوں کو خارج کی جائے۔ ورنہ یہ اجلاس اسے مداخلت فی الدین تصور کرتا ہے جو سیکولر حکومت کی پیشانی پر بدنما داغ ہے۔

٭ —— سنی مسلم وقف بورڈ: سنی جمعیۃ العلماء کا یہ عظیم الشان اجلاس سنی سینٹرل وقف بورڈ آف یو۔ پی کے دفعہ ۷۰ کے خلاف پر زور احتجاج کرتا ہے کہ حکومت اتر پردیش اس دفعہ کو ایکٹ سے خارج کرے۔

٭ —— خواجہ درگاہ ایکٹ: وقف ایکٹ درگاہ خواجہ سے جمعیۃ العلماء ہند دہلی کے نامزدگی کا طریقہ ختم کیا جائے اور ایسے لوگوں کا انتخاب کیا جائے جن کی تصدیق آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کر چکی ہے۔

٭ —— حج کمیٹی: یہ اجلاس حکومت ہند سے پر زور مطالبہ کرتا ہے کہ مرکزی حج کمیٹی و رپورٹ کمیٹی میں صرف صحیح العقیدہ سنی مسلمانوں کو نامزد کیا جائے اور ایسے لوگ اس کمیٹی میں شامل نہ کئے جائیں —جو مشاہد مقدس بزرگان دین کو حرام و بدعت تصور کرتے ہیں۔

٭ واگذاری مساجد و مقابر :
مسلمانوں کی جملہ مساجد و مقابر غیروں کی گرفت سے نکال کر جائز حق داروں کو فوراً منتقل کیا جائے۔ [1]

آل کرناٹک تنظیم عظمت مصطفےٰ

موڈگیرہ، کرناٹک کی سرزمین پر مسلک اہلسنت کے مخالفین کی ریشہ دوانیوں کو دیکھتے ہوئے حضرت پاسبان ملت نے "شیموگہ کانفرنس" طلب کی اور اسمیں صوبائی و ریاستی مسائل کو مقدم رکھتے ہوئے آپ نے علماء و مشائخ اور ائمہ مساجد سے اپیل کی کہ یہاں آل کرناٹک ایک مذہبی تنظیم قائم کی جائے۔ چنانچہ وہاں کے بیدار مغز اور ہوش مند مسلمانوں نے اس ضرورت کو سمجھا اور اس کی پیش رفت کی۔ آخر کار ۹ جولائی ۱۹۸۳ء کو آل کرناٹک تنظیم عظمت مصطفےٰ قائم فرمادیا اور جناب عطاء المصطفےٰ صاحب کو اس کا سکریٹری منتخب کیا گیا۔ پاسبان ملت نے پاسبان و تاجدار کے صفحات پر اس تنظیم کی تشہیر و ترجمانی کا حق ادا کیا۔ اور فیصلہ کن اجتماعات کے ذریعہ عظیم خدمت کی۔

ادارۂ شرعیہ بمبئی

اس ادارے کا قیام و وجود بھی آپ کی جماعتی جد و جہد کا ایک عظیم کارنامہ اور قابل قدر یادگار ہے دراصل حضرت سید العلماء مولانا سید آل مصطفےٰ علیہ الرحمۃ والرضوان کے وصال کے بعد پاسبان ملت نے یہ محسوس کیا کہ مہاراشٹر، کرناٹک، اور گجرات کے علاقے میں دور دور تک مسلمانوں کے مذہبی مسائل مثلاً نکاح، طلاق، خلع، فسخ، وراثت مفقود الخبر، اوقاف اور حقوق اللہ و حقوق العباد سے متعلق معلومات فراہم کرنے کے لئے سنّی کا کوئی مرکزی دار القضاء نہیں۔ جہاں سے ہماری جماعت کا رابطہ

---

[1] پاسبان نومبر، دسمبر ۱۹۶۳ء

استوار ہو سکے جس کے باعث بہت سے لوگ غیر شرعی اور جہالت کی زندگی گذارنے پر مجبور رہیں۔

اسی بنیادی تصور کے تحت تمام پیشوایان ملت اور ائمہ مساجد کی موجودگی میں ۱۴ ارنومبر ۱۹۸۴ئہ کے مبارک و مسعود دن کو مدینہ مسجد موسیٰ قلعدار اسٹریٹ بمبئی کے اپنے اسی حجرۂ مبارکہ میں جو جناب سیٹھ محسن خاں ٹرسٹی مدینہ مسجد نے آپ کے قیام کے لئے دیا تھا سنی تبلیغی جماعت کے نام دیدیا تھا۔ اور اسی جماعت کے زیر اہتمام "ادارۂ شرعیہ" بمبئی کا قیام عمل میں آیا تاکہ یہ ادارہ مسلمانوں کو نظام شریعت سے آشنا کرنے اور ان کی عملی زندگی کو شرعی ڈھانچے میں ڈھال کر دین کی عظیم خدمت انجام دے سکے! ور قوانین اسلام کا ایسا امین و محافظ رہے کہ اغیار کی دست اندازی سے محفوظ رہ سکے۔ آپ کی یہی وہ مخلصانہ کارگزاریاں ہیں جن سے آپ کے جماعتی ذہن و فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔

فقیہ عصر نائب مفتی اعظم ہند علامہ مفتی شریف الحق امجدی صدر دار الافتاء الجامعۃ الاشرفیہ (مجوزہ عربی یونیورسٹی) نے جناب سیٹھ محمد داؤد صاحب کے سوال پر مسئلہ حیات النبی پر سب سے پہلا فتویٰ دے کر افتتاح فرمایا جسے ادارۂ شرعیہ کے رجسٹر پر قلم بند کیا گیا حضرت مولانا سید عبد الحق قادری چشتی نے اس کی نقاب کشائی فرمائی اور حضرت پاسبان ملت نے اس دار القضا کو مہاراشٹر، کرناٹک، گجرات کا نمائندہ بنا کر دینی فریضہ ادا کیا۔ ایک عرصہ تک مولانا عبد الحقیق کوثر نظامی فاضل دار العلوم غریب نواز الہ آباد اس ادارہ کے معتمد اور ناقل فتویٰ رہے اور ان دنوں حضرت مولانا اشرف رضا قادری مصباحی اس ادارہ کے قاضی شریعت ہیں۔ اور اپنی فقہ و درایت سے دین و ملت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

بڑی ناحق شناسی ہوگی اگر اس موقع سے جناب سیٹھ محسن خاں، جناب الحاج سیٹھ سلطان اختر رضوی اور جناب سیٹھ داؤد کی للّٰہیت اور علم دوستی کا تذکرہ نہ کیا جائے جنھوں نے اس ادارہ کے فروغ دار القضا اور "دار العلوم امام احمد رضا"

سنی تبلیغی جماعت کی ترویج و اشاعت میں گراں قدر قربانی پیش کی۔ یہ حضرات ہمیشہ ہی پاسبان ملت کے رفقائے کار ثابت ہوئے جن کا ذکر موصوف اکثر اپنی تحریر و تقریر میں فرمایا کرتے تھے۔ یہ تمام حضرات دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کے بہی خواہوں میں سرفہرست ہیں۔

ادارۂ شرعیہ پٹنہ وقت کی ایک اہم ضرورت کے تحت سواد اعظم سے منظور شدہ قوانین شریعت کا یہ محافظ ادارہ علامہ ارشد القادری کی بلند پایہ فکر و تدبر کے علاوہ حضرت پاسبان ملت کی بے مثال سرپرستی و قیادت کا ثمرہ ہے علامہ حسن رضا خاں پی ایچ، ڈی، کے علاوہ حضرت ضیا جالوی صاحب کے علمی اشتراک و تعاون کی قربانی بھی ناقابل فراموش ہے۔

مدارس عربیہ

قیام و تاسیس و قیادت و سرپرستی

جامعہ ٹیپو۔ سرنگا پٹنم۔ کرناٹک

بنگلور اور میسور کے پروگرام پہ جب پاسبان ملت تشریف لے گئے تو آپ کا معمول یہ تھا کہ جس جگہ تشریف لے جاتے وہاں اگر کوئی مزار ہوتا تو اس پہ حاضری ضرور دیتے۔ چنانچہ شہید وطن و شہید وفا حضرت سلطان ٹیپو علیہ الرحمۃ کے مزار پہ معمول کے مطابق آپ حاضر ہوئے۔ وہاں کی مسجد اعلیٰ میں آپ نے نماز مغرب ادا فرمائی اور ٹھیک اسی کے کنارے کنارے کئی کمرے بنے ہوئے دیکھ کر آپ نے وہاں کی تنظیم کے اراکین جناب عبدالستار سید مشتاق صاحب، سید محبیب اللہ صاحب عزیز پاشا، سنی مشتاق صاحب اور دیگر احباب اہلسنت سے فرمایا کہ ان کمروں میں دارالعلوم اور دینی درسگاہ

قائم کی جائے۔ حضرت کے حکم کے مطابق جملہ اراکین حرکت میں آگئے اور پھر، جنوری ۱۹۷۲ء کی مبارک تاریخ "جامعہ ٹیپو" کے افتتاح کا دن ثابت ہوا جسمیں موصوف کے علاوہ حضرت مولانا حامد حسن، مولانا احمد حسن، اور مولانا منصور علی خاں اور دیگر علماء و مشائخ بھی شریک تھے۔ یہ ادارہ دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کی ملحقہ شاخ ہے۔

دارالعلوم اہلسنت غوثیہ ہبلی کرناٹک

یہ دینی و تعلیمی درسگاہ موصوف کے کامیاب تبلیغی دورہ کا ثمرہ ہے یہ درسگاہ آج علاقائی اعتبار سے مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک عرصہ تک اس کی اپنی ذاتی عمارت نہیں تھی بلکہ کرائے پر چل رہی تھی لیکن جب حضرت موصوف ہبلی پروگرام پر تشریف لے گئے تو یہ جان کر آپ کو بڑا قلق ہوا۔ اور بڑے افسوس کا اظہار فرمایا۔ اور اس کی ذاتی عمارت کی تحریک کا آغاز فرمادیا۔ کئی بار میٹنگ کی اور انتہائی محنت و مشقت جھیلنے کے بعد اپنے دامن پھیلاکر تقریباً سوا لاکھ کی خطیر رقم چندہ فرمایا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ اس ادارے کے لئے آپ نے دارالعلوم غریب نواز الہ آباد سے بھی زیادہ قربانی دی ہے اور پھر ۸ رجون ۱۹۷۲ء کو منڈگوڑ کی عالیشان مسجد کا افتتاح کرنے کے بعد ۹ رجون ۱۹۷۲ء کو دارالعلوم اہلسنت غوثیہ ہبلی کی نئی ذاتی عمارت کے لئے سنگ بنیاد کی رسم ادا فرمائی۔ اور اسے دارالعلوم غریب نواز کی شاخ قرار دیا۔

دارالعلوم قادریہ، قادری مسجد، شیموگہ

قادری مسجد کا قیام و تاسیس اور اس کا افتتاح ۲۵ رمئی ۱۹۸۲ء کو آپ ہی کے دست اقدس سے ہوا۔ اور اسی میں مدرسہ قادریہ بھی قائم فرمایا جو دارالعلوم غریب نواز سے ملحق کیا گیا۔ ان دونوں کی تعمیر و ترقی میں حضرت پاسبان ملت کے

کے علاوہ الحاج غوث پیر، اور جناب حیات پیر کی خدمات کا بہترین حصّہ ہے

دارالعلوم گلشن مدینہ، کپڑو نج، پنج محل

۶ جنوری ۱۹۸۱ء کو کپڑونج ضلع پنج محل کی "شہید اعظم کانفرنس" میں علامہ نظامی نے اس مدرسے کی بنیاد ڈالی۔ تقریباً ۵ لاکھ کی یہ عمارت اہلسنت کا مرکز بن سکتی ہے مولانا ریحان گلشن آبادی کو اس ادارے کا ناظم اعلیٰ منتخب فرمایا۔ اور علامہ کو سرپرستی کی ذمہ داری کے علاوہ دستور سازی وقیادت کا سارا بوجھ سپرد کیا گیا۔

مدرسہ اعلیٰ حضرت نیا پورہ۔ بڑودہ گجرات

صوبہ گجرات نے ضلع بڑودہ کے خوش عقیدہ مسلمانوں کی خواہش اور پیہم اصرار و پیش کش پر آپ نے ۱۹۷۸ء میں اس مدرسہ کی تاسیس فرمائی جس میں متعدد علماء و مشائخ بھی موجود تھے۔ اور یوں ہی مدرسہ غوثیہ یتیم خانہ ریوا، ایم، پی جو مجاہد اسلام بابا عبدالعزیز اور مولانا عبدالرزاق صاحب کے اہتمام وانتظام کے تحت مشن پہ رواں دواں ہے۔

دارالعلوم شاہ جماعت، ہاسن کرناٹک جو فاضل گرامی مولانا شریف الرحمٰن رونق منظفر پوری کے تعلیمی انتظام اور ارکین کی سرگرمی میں روبہ ترقی ہے۔

مدرسہ گلشن اجمیر بہریا ضلع الہ آباد جہاں کے صدرالمدرسین مولانا نیاز احمد صاحب فاضل دارالعلوم غریب نواز اس ادارہ کے فروغ کے لئے اپنی بھرپور توانائی صرف کر رہے ہیں۔

مدرسہ عربیہ تعلیم الاسلام پھول پور الہ آباد، جناب وکیل صاحب مولانا ابوالکلام صاحب فاضل دارالعلوم غریب نواز کے آپسی اتحاد وتعاون اور اشتراک عمل سے الحمدللہ یہ ادارہ آج بھی عروج و ارتقا کی منزلیں طے کر رہا ہے۔

دارالعلوم امام احمد رضا ہنس روڈ۔ بھائی کلہ بمبئی

دارالعلوم غوثیہ نظامیہ۔شیوپور گورکھپور۔ بھاگل پور۔

دارالعلوم شاہ جنگی پیر۔ منڈگوڑ بھاگل پور

مدرسہ عربیہ دستگیریہ منڈگوڑ

مدرسہ غریب نواز گنتکل۔آندھراپردیش

مدرسہ اسلامیہ عربیہ روٹھاں بنارس

مدرسہ ضیاءالاسلام بھیونڈی۔

مدرسہ مدینۃ العلم بجدوہی بنارس

یہ ملک وملت کی وہ درسگاہیں، ہیں جن کے قیام وتاسیس اور قیادت وسرپرستی میں حضرت پاسبان ملت نے مرکزی وکلیدی کردار ادا کئے ہیں۔ یہ ان کی ایک نامکمل فہرست ہے۔

واضح رہے یہ ادارے دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کی مرکزی درسگاہ سے ملحق اور اس کی شاخ بھی ہیں۔ پاسبان ملت کے ان جماعتی وتنظیمی کارہائے نمایاں کے تجزیہ سے بخوبی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قوم وملت کے تحفظ وبقا اور اس پرچھائی ہوئی نحوستوں کے خاتمہ کے لئے موصوف کی شخصیت نسخۂ کیمیا ثابت ہوئی۔

بڑھی ہوئی تھی نحوست زوالِ پیہم کی
ترے ظہور سے تقدیر قوم کی چمکی،

لمحۂ فکریہ

علامہ نظامی کی جماعتی خدمات اور ان کی علمی کاوشوں اور ناقابلِ تسخیر امنگوں کے ذکر کے بعد معاً یہ احساس دامن گیر ہوتا ہے کہ اتحادِ عمل کی راہ میں بھلا اب کون ہوگا جو اپنے فکر وفن کے گوہر لٹائے گا۔ اور اپنی زبان فیض اثر اور قلم شمشیر براں سے باطل کے قلعے قمع کرے گا۔ بظاہر تو محمد علی جوہر کی زبان میں

یہی محسوس ہو رہا ہے :

یہ حالت ہو گئی ہے ایک ساقی کے نہ ہونے سے
خم کے خم بھرے ہیں اور میخانہ خالی ہے

لیکن بقول جناب خورشید جان قریشی، شری نگر کشمیر حقیقت یہ ہے کہ آج بھی علمائے اہلسنت میں علامہ نظامی کے نقش قدم پر چلنے والے نہ جانے کتنے بکھرے ہوئے موتی اور ہیرے موجود ہیں جو واقعی حضرت کے کارناموں اور سپرد کردہ امانتوں کی حفاظت اور ملی قیادت کے اہل ہیں۔ ضرورت صرف انھیں متحد اور مجتمع ہونے کی ہے۔ لہ

لہٰذا اے دین و سنیت کے پاسبانو! کیا یہ حقیقت نہیں کہ حضرت علامہ نے ملی و قومی میدانوں میں جن قابل قدر جذبات اور حوصلوں کی قربانی دی ہے ہم ان جذبات کی ترنگ اور سوز و ساز کے صحیح وارث و امین ہیں؟ اور کیا حضرت کی پس ماندہ یادگاروں کے نصب العین اور تقاضے پر خلوص دھڑکنوں کے ساتھ ہمیں آواز نہیں دے رہے ہیں؟

آخر ہمارے درمیان حقیقت و معنیٰ کی کون سی خلیج حائل ہے؟ جبکہ یہ حقیقت ہے کہ ہم سب کا مقام و منصب ایک ہی مقصد کے گرد گردش کر رہا ہے اور وہ ہے تحفظ ناموس توحید و رسالت اور اپنے اسلاف کی امانتوں کا پاس و لحاظ! پھر کیا وجہ ہے کہ ہماری جماعت کے متفرق حضرات اور مختلف گروہ کسی مشترک مرکز عمل پر جمع نہیں ہو سکتے؟

کیا ہم قادری، برکاتی، اشرفی، مصباحی، رضوی، حشمتی، امجدی، حق کی برتری کے لئے باطل کے خلاف ایک میدان عمل میں صف آرا نہیں ہو سکتے؟

یہ تمام جماعتیں تنظیمیں آپ تمامی پیشواؤں اور مخلصوں کو اپنی زبان حال سے دعوت فکر و عمل دے رہے ہیں۔ کہ آج ضرورت ہے کہ حق کی فیروزمندی اور باطل کی شکست و تذلیل کے لئے جملہ فرزندان اہلسنت مشرق و مغرب سے آکر ایک

نقطے پر سمٹ آئیں۔

اس لئے آئیے ہم اپنے اسلاف کے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے "آل انڈیا سنی تبلیغی جماعت، آل انڈیا تبلیغ سیرت کمیٹی، کل ہند سنی جمعیۃ العلماء بمبئی، آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ، اور دیگر تحریکوں کی تجدید واحیا کی فکر کریں اور پاسبانِ ملت کے ملفوظات وپیغامات کو مشعل راہ بنا کر والہانہ شیفتگی کے ساتھ ایک جگہ جمع ہو جائیں اور باطل پرستوں کی مغرور دنیا کو اس حقیقت کا یقین دلا دیں کہ ہزاروں علاقوں سیکڑوں خانوادوں، اور متعدد حلقوں میں بکھرے ہوئے کروڑوں سنی وقت کی پکار پر سرشار دیوانوں کی طرح ایک صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔

خدارا غیرتوں کا تیور بدل لیجئے اٹھئے اور اپنے بھرپور جذبات کے ساتھ ان تنظیموں، مناظرہ ومباحثہ، اور تحریر وتقریر کے ذریعہ مخالفین کے دامنِ فریب کی دھجیاں اڑا کر اپنے اسلاف کی یاد تازہ کیجئے اور ان کی روح پرفتوح کے ایصال ثواب کا سامان کیجئے۔

قابلِ مبارکباد اور لائقِ صد تحسین ہیں مولانا ظہور احمد صاحب اشرفی، باسنی، مولانا ظہیر الدین صاحب رضوی خلیفہ حضور ازہری میاں قبلہ جامعہ قادریہ بنکا پور کرناٹک کی ایثار پسندی اور ہمارے دار العلوم غریب نواز الہ آباد کے فارغ شدہ کچھ ابنائے قدیم مثلاً مولانا مفتی ولی محمد صاحب باسنی مفتی راجستھان، مولانا شہباز انور صاحب پرنسپل احسن المدارس قدیم کان پور، صوفی ملت مولانا صوفی افتخار احمد قادری خلیفہ حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ نوری نگر ضلع الہ آباد۔ حضرت مولانا سید آل رسول صاحب حبیبی اڑیسہ، احسن الخطاط مولانا عبد المنان صاحب برکاتی گونڈوی مقیم حال الہ آباد، مولانا حافظ وقاری صوفی کمال الدین صاحب برئی پرتاپ گڈھ، مولانا عبد المقتدر خاں صاحب ناظم اعلیٰ مدرسہ ضیائے مصطفےٰ جالے دربھنگہ، مولانا مظہر الحق حشمتی بانی ومہتمم الجامعۃ الرضا ایچولی بارہ بنکی، مولانا شریف الرحمٰن صاحب رونق مظفر پوری، شیخ الحدیث دار العلوم شاہ جماعت

ہاسن کرناٹک، مولانا عبدالرزاق ناظم اعلیٰ مدرسہ غوثیہ ریوا۔ ایم ۔پی ۔مولانا عبدالحقیق صاحب خطیب نوری مسجد ساکی ناکہ بمبئی ۔ مولانا نیاز احمد صاحب صدر المدرسین مدرسہ گلشن اجمیر بہر یا الہ آباد، مولانا ابوالکلام مدرسہ تعلیم الاسلام پھول پور الہ آباد، مولانا مصلح الدین صاحب ماہر القادری دارالعلوم باز اشہب، کنڈہ پرتاپ گڈھ، مولانا حافظ و قاری ہارون صاحب، دارالعلوم غریب نواز الہ آباد۔ یہ وہ حضرات ہیں جو حضرت کے لگائے ہوئے پودے، "سنی تبلیغی جماعت"، کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ اور حضرت کے کارناموں کی آبیاری کی نیک خواہشات رکھتے ہیں اور اپنے اپنے حلقۂ اثر میں باطل کی سرکوبی کر کے دین وسنیت کی اشاعت کر رہے ہیں۔

راقم الحروف قوم وملت کے ان پاسبانوں سے اپنی دلی تمناؤں اور نیک آرزوؤں کے ساتھ یہ امید کرتا ہے کہ حضرت علیہ الرحمۃ کے مشن اور اس کے نصب العین کے لئے کشادہ دلی کے ساتھ آگے بڑھتے رہیں گے! اور ساتھ ہی اپنے مادر علمی دارالعلوم غریب نواز الہ آباد جو حضرت کی سب سے عظیم یادگار ہے۔ اپنی مخصوص دعاؤں میں اسے یاد رکھیں گے۔

جہاں کی وسعتوں پر فتح پانا اب بھی ممکن ہے
خیالوں میں جو ہمت ہو وہ ہمّت چاہئے دل میں

بلکہ علامہ نے جن کاموں کی ابتدا کی تھی انھیں تکمیل تک پہونچانے کے سلسلے میں وہی کہوں گا جو کسی شاعر نے کہا ہے: ؎

اس کے ہاتھوں سے ہوئی تھی ابتدا جس کام کی
اب ضرورت ہے اسے جوش و خروش عام کی
آؤ مل کر اس ادھورے کام کو پورا کریں
جانے والے کی فضیلت کا عَلَم اونچا کریں

اختتامیہ

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام دے ساقی

❋ —— بیعت وخلافت

❋ —— کہسارِ حوادث

❋ —— عَلالتُ ووفاتُ

❋ —— کیفیتِ بعدِ وصَال
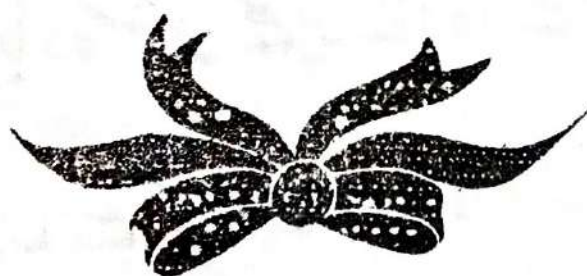
بیعت و خلافت

۱۴ ربیع الآخر ۱۳۰۱ھ کو جب آپ رام پور کے تقریری دورے پہ روانہ ہوئے تو معمول کے مطابق سفر کے دوران بریلی شریف حاضر ہو کر وہاں کے مزارات مقدسہ پہ حاضری دینے کے بعد شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہما الرحمۃ والرضوان کی خدمت میں نیاز حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ کو بیعت و خلافت کا شرف بخشا۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ وغیرہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اور دعائیہ کلمات سے نوازا۔ اس سے کچھ ہی دنوں قبل حضور مجاہد ملت حضرت علامہ حبیب الرحمٰن علیہ الرحمۃ والرضوان سے دلائل الخیرات کی اجازت مل چکی تھی۔

دین وملت کے فروغ و استحکام اور ناموس سنت کے تحفظ کی کوئی ایسی ممکنہ صورت نہیں تھی جس کے ذریعہ خطیب مشرق نے قوم وملت کا خادمانہ حق ادا نہ کیا ہو۔ اور رسول کے عشق وعقیدت کی شمعیں نہ جلائی ہوں۔ چنانچہ یہ بیعت وخلافت بھی دین وسنیت کی تبلیغ واشاعت کا محکم ذریعہ ہے اور سنت اسلاف بھی۔ یہی وجہ ہے کہ خطیب مشرق نے اپنی زندگی کی آخری دہائی میں اس میدان میں بھی قدم رکھا۔ اور رشد و ہدایت کے فرائض انجام دیئے۔ اگرچہ اس طرف آپ نے کچھ تاخیر سے توجہ فرمائی اور مصروفیات کے باعث پیری مریدی اور تعویذ نویسی سے اس قدر شغف نہیں تھا۔ جتنا کہ دیگر تبلیغی امور سے۔ لیکن دنیا نے جب دیکھا کہ دین کے اس مبلغ اور عالم بے نفس کے علم وآگہی کی روشنی، نگاہ بے کیف کی حیا، قلب میں عشق رسول کی تپش، مزاج وطبیعت کی پاکبازی، طرز تکلم کی دلنوازی اور پیشانی پہ اخلاص ووفا کی چمکتی لکیریں ہزاروں طالبان حق کو صراط مستقیم پر گامزن کر رہی ہیں اور دلوں میں شمع ایمانی فروزاں کر رہی ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ ایسی باغ وبہار شخصیت سے متاثر ہونا ایک طبعی تقاضا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ خلق خدا آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہونے کے لئے ٹوٹی پڑتی تھی۔ آپ کا دستور یہ تھا

کہ جب کوئی آپ کے دست حق پرست پر سلسلے سے وابستہ ہونا چاہتا تو اولاً تو اسے آپ ٹالنے کی کوشش فرماتے اور اپنے پیر و مرشد حضور مفتی اعظم ہند، اور حضور مجاہد ملت یا مارہرہ شریف حاضر ہونے کی ہدایت فرماتے۔ چنانچہ بھساول جہاں آپ کے مریدین و متوسلین کا وسیع حلقہ ہے۔ یہاں کے جناب محمد اسماعیل خاں اپنے تعزیتی مکتوب میں لکھتے ہیں :۔

یہ وہ ذات تھی جن کے ذریعہ اس گمراہ کن ماحول میں ہم لوگوں کو صراط مستقیم حاصل ہوئی۔ یہ ہم سب کی خوش قسمتی ہے کہ ہم حضرت کے خاص الخاص لوگوں میں شمار ہوئے حضرت کا وہ احسان عظیم تو میں بھول نہیں سکتا کہ جب میں نے سلسلے میں داخل ہونے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے فوراً حضور مفتیٔ اعظم ہند کے در کا راستہ دکھایا۔

لیکن جب لوگوں کا اصرار بڑھ جاتا تو ایسے لوگوں کے لئے آپ اصلاح و توجہ کا دروازہ بند نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ انھیں داخل سلسلہ کر کے اپنے اوراد و وظائف کی تعلیم و ارشاد سے نوازتے تھے۔

اس سلسلے میں حضرت علامہ انوار احمد نظامی ناظم اعلیٰ دارالعلوم غریب نواز کی چند معلوماتی سطریں ملاحظہ فرمائیے وہ لکھتے ہیں :

علامہ نظامی خدمتِ خلق کے تحت حسب ضرورت تعویذات لکھ بھی دیتے تھے۔ بیت الانوار گیوال بیگھ کے مورث اعلیٰ حضرت مولانا صوفی شاہ عین الہدیٰ علیہ الرحمۃ نے ایک چلہ کیا تھا۔ چلہ ختم ہونے پر ایک جن نے آپ کو ایک نقش تفویض کی تھی جو جملہ امور میں مجرب و آزمودہ ہے۔ اس خانقاہ نے علامہ کو اس نقش کی اجازت حاصل تھی۔

یہ نقش آپ جسے بھی دیتے علی العموم کارگر ثابت ہوتا لیکن وہ فرماتے ہیں کہ تعویذ لکھنے والوں کے مزاج میں تعیش اور آرام پسندی آجاتی ہے الاماشاء اللہ، خدا اپنے محبوب بندوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ اگر میں تعویذ میں لگ گیا

تو جہاد بالقلم وجہاد باللسان سے محروم ہو جاؤ گے ۔ تعویذ میں تو شخص واحد کا فائدہ ہے لیکن تقریر اور تصنیف سے لاکھوں فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ علامہ اپنے معمولات کی حتی الوسع پابندی فرماتے ۔ رمضان کا روزہ سفر کی حالت میں بھی ترک نہیں فرماتے ۔ اور بعد نماز مغرب اپنے اوراد و وظائف کی پابندی فرماتے تھے ۔[1]

بقول حافظ لعل محمد صاحب قادری حضرت خطیب مشرق کے دست حق پرست پر چھ ہزار سے زائد افراد داخل سلسلہ ہوئے ۔ گجرات ، راجستھان ، کرناٹک ، مہاراشٹر ، اور ایم پی میں آپ کے مریدین و متوسلین کا حلقہ زیادہ وسیع ہے ۔

کہسارِ حوادث

جیسا کہ ناظرین نے سابقہ صفحات پہ دیکھا کہ علامہ کی ذات " ایک انار سو بیمار " کی طرح تھی ۔ دین و ملت کے حسب محاذ پہ دیکھئے حریفوں کو شکست دے رہے ہیں ۔ مناظرہ ، اور احقاق حق میں دیکھئے تو ایک لائق جج کا کردار ادا کر رہے ہیں ایک فلک وقار خطیب کی حیثیت سے دیکھئے تو تبلیغ کے نام پر فراڈ کرنے والے اور دین کا بیو پار کرنے والے چہروں کو بے نقاب کر رہے ہیں صحافت میں دیکھئے تو قلم پہ بے محابا قدرت اور رنگا رنگ طرز تحریر سے اردو ادب میں گراں قدر اضافہ فرما رہے ہیں ۔ جماعت میں دیکھئے تو ایک بلند نگاہ مفکر کی حیثیت سے ارباب علم و دانش سے اصابت فکر و نظر کی داد حاصل کر رہے ہیں ، عشق رسول کا خمار دیکھئے تو ان پر اس طرح مسلط ہے کہ جن کے دامنِ ناز کو پالینے کے لئے اپنا گریبان وحشت چاک کر رہے ہیں ۔ دین و مسلک اور رشد و ہدایت کا جذبہ دیکھئے تو اس قدر شدید ہے کہ تمام اقدار حیات کو مسلمان بنا دینا چاہتے ہیں ۔ اور اس کے لئے شب و روز والہانہ دوڑ رہے ہیں ۔ اس تگ و تاز میں قدم قدم پہ حادثات کا

---

[1] قہر آسمانی ۔

کہسار انھیں گھیر رہا ہے، دشواریاں حائل ہو رہی ہیں اور ہمت شکن آزمائشوں سے گذر رہے ہیں۔ کانٹوں کی سیج پر چل رہے ہیں یہ کانٹے کبھی دامن سے الجھ رہے ہیں کبھی تلوؤں میں چبھ رہے ہیں لیکن اطاعت خداوندی، عشقِ رسول، اور جماعتی تقاضوں کی لگن ان کے پہلوئے دل میں اس طرح تہلکہ مچاتی رہی کہ نہ تو انھیں دامنِ تار تار کی خبر لینے دیا نہ زخمی تلوؤں کا احساس ہونے دیا اور جب تک ان کی رگوں میں خونِ زندگی رواں دواں رہا یہی کہتے ہوئے اپنے نصب العین کی جانب جادہ پیمائی کرتے رہے :۔

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

غرض کہ راقم الحروف اپنی خوش عقیدگی کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان کے کمالات و مساعیٔ جمیلہ کی حقیقت پر بلا مبالغہ یہ کہہ سکتا ہے کہ خطیب مشرق کی زندگی حرکت و اضطراب کے تسلسل کا نام ہے جس کے اندر بلند سے بلند تر ہونے کی سعی ہمیشہ ابلتی رہی وہ اونچی سے اونچی بلندی پر پہنچ کر کبھی رکنا نہیں جانتے تھے۔ کیونکہ سکون و ٹھہراؤ ہی کو وہ موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ گویا زندگی ایک دریا کی موج کی طرح ہے وہ جب تک مضطرب ہے زندہ ہے۔ جوں ہی آسودہ ہوئی معدوم ہو گئی۔ ؎

موجیم کہ آسودگیٔ ما عدمِ ماست
ما زندہ از نیم کہ آرام نگیریم

حضرت علامہ کے یہ چند جملے میری ان باتوں کی مزید تائید و توثیق کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :۔

میری زندگی آلام و مصائب سے اس طرح چکنا چور ہے کہ ہر کروٹ اضطراب اور ہر سانس کراہ ہے۔ میری شبِ غم کو روشن چراغ تو درکنار جگنوؤں کا بھی سہارا نہ ملا۔ ہر صبح درد و کرب، ہر شام شامِ غم، اس طرح زندگی کا ایک طویل

سفر ہم نے طے کیا۔ لیکن ہمارے نہ تھکنے والے بازو ہماری ہمت کو شکستہ نہیں ہونے دیتے۔ میں نامساعد حالات میں مایوس ہونے کا قائل نہیں جہدِ پیہم ہی کا دوسرا نام زندگی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو گویا چلتا پھرتا انسان بھی ایک جنازہ ہے۔ [1]

دنیا کے بے شمار اہل دل و اہل نظر نے دیکھا ہے کہ زندگی کی مقصد یابی اور عشق و وفا کی راہ میں انھوں نے کتنی قربانیاں دی ہیں اور نہ جانے کتنے ناخوشگوار حالات کا مقابلہ کیا ہے۔ چنانچہ اس کی چند مثالیں ہدیۂ ناظرین ہیں۔

ولن ضلع بڑودہ کے تاریخی دورہ پر روانہ ہونے سے قبل جناب حافظ عبد الحفیظ صاحب سیتاپوری نے عرض کیا حضور ولن جانے سے پہلے یہ سن لیجئے کہ یہ بہت ہی خطرناک جگہ ہے۔ تو آپ نے فرمایا حافظ صاحب! میں ایسی ہی خطرناک جگہوں پہ جاتا ہوں لیکن اس یقین کے ساتھ کہ میرے پہنچنے سے پہلے میرے سرکار غوث پاک و خواجہ غریب نواز کی مدد پہنچ جاتی ہے۔ میں اپنا نام اونچا کرنے نہیں جاتا بلکہ غوث پاک و خواجہ غریب نواز کی عظمتوں کا جھنڈا لہرانے جاتا ہوں۔ آپ مطمئن رہیئے انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا۔

چنانچہ ولن پہنچنے کے بعد کچھ پولیس والے و سردار اور پٹیل کے غنڈہ قسم کے لوگ آپ کے پاس آکر دھونس جماکر جب یہ مطالبہ کرنے لگے کہ آپ یہ تحریر دیجئے کہ ہم حریف کے پیشواؤں کو کچھ نہ کہیں گے تو آپ نے فرمایا سنو! میں اپنی جماعت کا نمائندہ ہوں۔ ترجمان ہوں، میں یہ لکھ کر سب کی زبان نہیں کٹوا سکتا۔ آئندہ ہمارے علماء کے لئے یہ نظیر بن جائے گی۔

ایسے ہی ایک مرتبہ جب آسنسول کے پروگرام پہ تشریف لے گئے تو وہاں کے وہابیوں اور دیوبندیوں میں کھلبلی مچ گئی چنانچہ مولوی عبد الرؤف دیوبندی نے یہ ہوا پھیلا دی کہ نظامی کافر گر آیا ہے۔ ہمارے علماء کو کافر کہے گا

---

[1] ماہنامہ پاسبان مئی ۱۹۷۹ء و مکمل نصاب تعلیم۔

اس نے بہت سے نوجوان لچوں لفنگوں کو آپ کے تعاقب میں لگا دیا لیکن جیسا کہ آپ کا معمول رہا کہ اگر ناموس رسول کی بات آتی اور بالخصوص جب دشمنوں سے مقابلے کی نوبت آجاتی تو اپنی بیماری اور ساری تکلیفیں بھول جاتے۔ چنانچہ آج آپ کی طبیعت علیل تھی۔ تمام علماء جلسہ گاہ میں جا چکے تھے اور حضرت اپنے کمرے میں نماز پڑھ کر آرام فرما رہے تھے اور نوجوان لڑکے یہ کہتے ہوئے گذر رہے تھے "مولوی مشتاق مارا جائے گا۔ آج یہ بچ کر نہیں جائے گا۔"

لیکن علامہ کی بے خوفی و بے نیازی دیکھئے یہ سن کر وہ صرف حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ پڑھتے تھے۔ بہت دیر کے بعد جب آپ کو جلسہ گاہ تک لے جانے کے لئے کار آئی اور لوگ جلسے گاہ کی طرف آپ کو لے کر چلے تو اچانک راستے میں چور رہے پر تقریباً تین سو نوجوانوں نے آپ کی کار کو گھیر لیا۔ قربان جائیے اس مرد مجاہد اور رضوی شیر کے عزم و استقلال پر آپ کی پیشانی پر ذرہ برابر شکن نہیں آئی اور نہ ہی خدا کے فضل سے وہ لوگ کچھ نقصان پہنچا سکے۔

کٹک کی جامع مسجد میں آپ کی تقریر کا اعلان ہوا۔ اس وقت جامع مسجد دیوبندیوں کے قبضے میں تھی۔ دیوبندیوں کے سینے پہ سانپ لوٹنے لگا علامہ کی راہ میں رخنہ اندازی شروع کر دی تاکہ آپ کی تقریر نہ ہو سکے۔ انھوں نے مسجد کے اندرونی ہال میں تالا لگا دیا بجلی بھی کاٹ دی۔ دشمنان رسول کی یہ حرکت دیکھ کر آپ کے عشق رسول کا جذبہ شعلۂ جوالہ بن گیا۔ اور رد وہابیت پر اس شعر سے تقریر شروع کر دی۔ ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

سترہ دن تک مسلسل بولتے رہے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ زمین آگ اُگل رہی ہے اور آسمان انگارے برسا رہا ہے۔ گلی گلی کوچہ کوچہ دکان دکان

مکان مکان، چورا ہا چورا ہا سنی وہابی کی جنگ پھیلی ہوئی تھی ایک ہنگامہ برپا تھا۔ یہاں پر علامہ ہی کا ایک شعر یاد آیا :-

صحرا میں نہ کانٹے ہیں گلشن میں نہ کلیاں ہیں
اے میری محبت تو کیا آگ لگا آئی

آپ کی اس جد وجہد کے نتیجے میں کٹک کی جامع مسجد سنیوں کے ہاتھوں آئی اور مسلکِ اعلیٰحضرت کا بول بالا ہوا۔ یوں ہی مناظرہ کانتھی مدناپور" کے موقع پر جب مخالف مناظر وقت پر مناظرہ گاہ نہیں پہنچا۔ اور آپ نے اسٹیج خالی پایا تو دن بھر علم غیب مصطفیٰ، میلاد رسول، اور حیات نبی پر اس زور وشور سے تقریر فرماتے رہے اور جشنِ فتح مناتے رہے کہ ہندو دیکھ کر یہ کہہ رہے تھے کہ یہ مولانا مر جائے گا زندہ نہیں رہے گا آخر اسمیں کون سی طاقت بول رہی ہے۔

بنجھنگواں مناظرہ کے لئے آندھی طوفان اور موسلا دھار بارش میں پاپیدل چل کر جب مناظرہ گاہ پہونچے اور لوگوں نے ناشتے کی پیش کش کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ ناشتے کا نہیں دشمن رسول سے مناظرہ کا وقت ہے۔[1]

مصائب ومشکلات کی ان راہوں میں کبھی ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہ آئی اور دین وملت کی خاطر اس طرح کی نہ جانے کتنی مصیبتوں کا وہ خندہ روئی سے یہ کہتے ہوئے استقبال کرتے رہے۔ ؎

ہویدا آج اپنے زخم پنہاں کرکے چھوڑوں گا
لہو رو رو کے محفل سکو گلستاں کرکے چھوڑونگا

علالت ووفات مگر صد افسوس! حالات کی گردشوں اور پیہم علالتوں نے وقت کے اس مجاہد کو قبل از وقت بوڑھا کر دیا اور حیات مستعار نے مزید

---

[1] خطبات نظامی غیر مطبوعہ۔

مہلت نہیں دی۔

یوں تو انھیں علالت و امراض کی نہ جانے کتنی صبر آزما منزلوں سے گذرنا پڑا مثلاً ۲۰ مئی ۱۹۸۳ء کو فیض آباد کے دورے پہ جاتے ہوئے آپ کی جیپ ایک بس سے ٹکرا کر سنگین حادثے کا شکار ہو گئی جس کے نتیجے میں پانچ آدمی زخمی اور دو شہید ہو گئے! اور آپ خدا کے فضل و کرم سے بال بال بچ گئے۔ البتہ سر میں شدید چوٹ آئی اس کے کچھ ہی دنوں بعد درد گردہ اور پیشاب کی تکلیف شروع ہو گئی الہ آباد کے ماہر ڈاکٹر گپتا نے "پراسٹیٹ" کا کامیاب آپریشن کیا۔ اور صحت یاب ہو کر آپ اپنے مشن میں مصروف ہو گئے۔

فالج کا پہلا حملہ:— لیکن ۴ اپریل ۱۹۸۷ء آپ کی زندگی کی ایسی دردناک تاریخ ہے جس دن گویا پوری دنیائے سنیت پہ غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا یعنی آپ "ناسک" مہاراشٹر میں مسلک اعلیٰ حضرت و کنز الایمان پر دو گھنٹے معرکۃ الآرا تقریر کرنے کے بعد جب اپنے دار العلوم غریب نواز الہ آباد کے سالانہ اجلاس (سرکار مدینہ کانفرنس) میں شرکت کے لئے ناسک اسٹیشن پہونچے آپ کے ہمراہ اسٹیشن تک رخصت کرنے والوں کا ایک ہجوم تھا جنھوں نے آپ کے لئے چائے کی پیش کش کی۔ چائے کی پیالی پوری طرح ہاتھ کی گرفت میں نہیں آسکی تھی کہ فالج کا شدید حملہ ہوا۔ پیالی ہاتھ سے چھوٹ کر ڈھیر ہو گئی اور آپ بے ہوش ہو گئے۔ یہ فالج کا پہلا حملہ تھا جس کے بعد فوراً مولانا قاری عبد الحی صاحب اور دیگر جاں نثار سنیوں نے آپ کو ناسک کے ہاسپٹل میں داخل کر دیا ناسک کے خوش عقیدہ سنی مسلمان اپنے قائد کی خبر گیری کے لئے ہاسپٹل کے ارد گرد اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح شمع پر پروانے پر ٹوٹتے ہیں۔ وہاں کے ڈاکٹروں نے جواب دیدیا۔ افاقہ کی کوئی امید نظر نہیں آئی۔

بالآخر الحاج منیر صاحب اور سید میر مختار اشرفی کے ذریعہ فون پر اطلاع پاتے ہی الحاج سیٹھ سلطان اختر قادری سیٹھ عبد المنان، حافظ بشیر احمد اور جناب

حافظ لعل محمد قادری اپنے محسن رہنما کے لئے تڑپ اٹھے اور بلا تاخیر ناسک پہنچ کر آپ کو "ایمبولینس" کار کے ذریعہ نہایت احتیاط سے لے کر بمبئی پہونچے اور ملک کے مشہور ترین معیاری "دار الشفاء" جسلوک ہاسپٹل" میں ایڈمٹ کر دیا ادھر یہ حضرات علامہ کو لے کر ناسک سے بمبئی لا رہے تھے اور ادھر حضرت علامہ انوار احمد نظامی غم سے نڈھال اپنے ہمراہ گھر کے پورے قافلہ کو لے کر بمبئی کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔ دوسرے ہی روز گویا تمام خویش و اقارب آپ کی چارپائی کے گرد تھے جنھیں دیکھ کر آپ کو دلی توانائی حاصل ہوئی۔

بیماری کی اطلاع پاکر سب سے پہلا ٹیلی گرام عالی جناب محمد عثمان عارف صاحب کا دعاؤں کے ساتھ موصول ہوا۔ جو اس وقت گورنر اتر پردیش کے مرتبۂ عالیہ پر فائز تھے۔ اور دار العلوم کی سرکار مدینہ کانفرنس میں ان کی شرکت کے سارے انتظامات سرکاری طور پر انجام پا چکے تھے لیکن ٹھیک اسی دن فالج کے اس حادثے کی وجہ سے یہ پروگرام منسوخ کرنا پڑا۔ مولانا منصور علی خاں نے علامہ کی صورت حال کے بارے میں اخبارات اور ٹیلی گرام کے ذریعہ پورے ملک میں اعلان کر دیا۔ شدہ شدہ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ قاضی مہاراشٹر مولانا اشرف رضا قادری نے فون کے ذریعہ شہر کے مخلصین و عمائدین سے رابطہ قائم کیا۔ چنانچہ دو ہی روز کے بعد پورا مہاراشٹر، کرناٹک، کاٹھیاواڑ، گجرات اور راجستھان وغیرہ سے آپ کے چاہنے والوں کی آمد و رفت کا تانتا بندھ گیا۔ ہفتہ عشرہ کے بعد جب لوگوں نے آپ کا حال کچھ اچھا دیکھا تو لوگوں نے چین کی سانس لی۔ زندگی کے آثار نظر آنے لگے جسلوک کے ڈاکٹروں نے 50% (فی صد) مرض پہ کنٹرول کر لیا اور اس طرح اللہ نے آپ کو ایک نئی زندگی دی۔ مسلسل تین ماہ تک علاج کے بعد الہ آباد لائے گئے۔

تاریخ کا یہ باب نامکمل رہ جائے گا اگر آپ کے ان شیدائیوں کا تذکرہ نہ کیا جائے جنھوں نے آپ کو اس طرح ہاتھوں ہاتھ لے لیا کہ آپ کو جسلوک جیسے

گراں ہاسپٹل میں علاج کے لئے کوئی صعوبت پیش نہ آئی۔
چنانچہ مفکر اسلام، سیاح ایشیا حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی صاحب لندن نے یہ خبر پاتے ہی لندن سے آپ کے علاج کے مصارف کا بندوبست فرمایا۔ یوں ہی مولانا شفیق الرحمٰن ممباسہ (کینیا) فخر گجرات مولانا حنیف صاحب لندن، حاجی ولی، حاجی داؤد، حاجی چاند لندن، مولانا محمد میاں، مولانا نیاز احمد لندن، ان حضرات کی نے عنایتیں اور کرم فرمائیاں بیرون ہند سے آپ کے شریک حال رہیں۔
یوں ہی جناب سیٹھ عبد المنان کرلا نے کہا جب تک نظامی صاحب اچھے نہ ہو جائیں ہماری ساری تجارت ان کے علاج کے لئے وقف رہے گی۔ جناب سیٹھ ہاشم صاحب نے خبر بھیجی کہ میں گورے گاؤں میں ہوں مگر دل آپ کے ساتھ ہے ہمیں حکم بھیجتے رہئے۔ الحاج سیٹھ مقصود احمد صاحب جن کا پورا گھرانا حضور مفتی اعظم کا مرید ہے انھوں نے کہا ہم لوگ آپ کے ہیں۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے آپ کا ہے ہمیں صرف حکم ملتا رہے۔ مولانا ظہور احمد صاحب اشرفی سرخیل شاخ سنّی تبلیغی جماعت باستی نے اپنے وفد کے ہاتھ اپنی تحریر بھیجی کہ اگر علاج میں کوئی زحمت ہو تو سنی تبلیغی جماعت اپنے ذمہ لے لے۔ سیٹھ سلطان الحاج اختر قادری جن کے بارے میں علامہ اکثر فرماتے تھے کہ یہ قول کے نہیں عمل کے دھنی ہیں۔ انھوں نے علامہ کے لئے اپنا دیدہ و دل فرش راہ کر دیا۔ یوں ہی جناب انور علی انصاری صاحب سکریٹری شاخ سنی تبلیغی جماعت کلیکی، جناب الحاج داؤد رضوی اور جناب مہدی حسن گوہر نظامی کی بھی اس موقع پر دی گئی قربانیاں فراموش نہیں کی جا سکتیں جو ہمہ وقت علامہ کے ساتھ ہمدردی پیش کرتے رہے اور خبر گیری کرتے رہے۔
غرض کہ آپ کے مخلصین و معتقدین نے اس انداز سے آپکی خدمت گذاری کی کہ بسا اوقات آپ کو گمان ہوتا کہ ہم جسلوک میں نہیں بلکہ کرلا کی مارکیٹ

و بازار میں ہیں۔

چھ ماہ تک الہ آباد ہی میں مولانا انوار احمد نظامی وقت کے مشہور اطباء اور ڈاکٹروں سے رجوع کر کے علاج کرواتے رہے اور ہزارہا ہزار روپے پانی کی طرح بہاتے رہے۔ اسی اثناء میں کرناٹک کے جناب الحاج بڈن صاحب نے آپ کو علاج کے سلسلے میں اپنے دولتکدے پہ مدعو کر لیا۔ انھوں نے وہاں انکولہ میں علاج کا بندوبست کیا وہاں جو صحت و تندرستی آپ کے نصیبہ میں تھی اسے لے کر پھر الہ آباد کے لئے روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت الحاج بڈن صاحب نے گلوگیر آواز میں کہا حضرت! آپ مایوس نہ ہوں اگر آپ حکم دیں گے تو میں خود آپ کو لے کر علاج کے لئے لندن چلوں گا ہمارا جو کچھ ہے سب آپ کا ہے اس سفر میں بنگلور، میسور، ہبلی، کاروار، انکولہ، رام نگر، داونگیرہ، الاپور، مدگیرہ کے تمام مخلص رؤسا اور ایثار پسند معتقدین و متوسلین کے الطاف و عنایات کی آپ پر برسات ہوتی رہی۔

دوسرا حملہ: علامہ جب کرناٹک سے بمبئی، بھساول، اور جبل پور ہوتے ہوئے الہ آباد پہونچے تو آپ کا ہشاش بشاش چہرہ دیکھ کر اعزہ واحباب کا دل فرط مسرت سے جھوم اٹھا۔ فالج کا اثر بہت حد تک ختم ہو چکا تھا طبیعت اتنی سنبھل چکی تھی کہ چل پھر لینے کے قابل ہو گئے تھے مگر باوجودیکہ ڈاکٹروں نے سخت احتیاط و پرہیز کی ہدایت کی تھی آپ کے شیدائیوں کی جانب سے دعوتوں کا اصرار بڑھنے لگا جن کا آپ انکار نہ کر سکے۔ لوگوں نے بمبئی بلا لیا۔ وہاں سے کاٹھیاواڑ وغیرہ میں آپ نے تقریریں کیں تبلیغی دورے کئے جس سے دنیائے سنیت کے لئے مایوسی میں امید کی ایک کرن نظر آنے لگی لوگوں کو یہ خیال ہو گیا کہ علامہ کچھ دنوں تک اور فکر و فن کے گہر لٹائیں گے لیکن مشیت ایزدی کے سامنے کس کی چلی ہے۔ کاٹھیاوار کے دورے سے بمبئی واپسی ہوئی اور ۱۵ر جولائی ۱۹۹۰ء کو بمبئی ہی میں آپ کے داہنے حصے پر پھر فالج کا دوسرا

کا حملہ ہوا۔ گو کہ یہ حملہ بھی کسی طرح کم نہ تھا لیکن مولانا مفتی اشرف رضا قادری، حافظ بشیر احمد اور سیٹھ داؤد وغیرہ کی عقیدت مندی و ہوشمندی کام آئی۔ انھوں نے بلاتاخیر علامہ کو بمبئی ہی کے "ورلی نرسنگ ہوم" میں داخل کر دیا۔

جہاں کے کہنہ مشق اطباء نے مرض پہ بہت جلد قابو پالیا اور آپ کی طبیعت ایک بار پھر بحال ہونے لگی۔ چراغ زندگی کی لو پھر تیز ہونے لگی جس سے دنیائے سنیت میں ایکبار پھر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ البتہ اس بار ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ اس حملے سے دماغ کی اہم نسوں پہ گہرا اثر پڑا ہے اور نسوں کے متاثر ہو جانے کی وجہ سے "بلڈ سرکولیشن" صحیح مقدار میں نہیں ہو پا رہا ہے۔ بولنے دماغ پہ دباؤ ڈالنے یا سفر کرنے سے قطعاً پرہیز کیا جائے۔

تیسرا اور آخری حملہ: چونکہ خطیب مشرق کی وہ واحد شخصیت تھی جن کی تقریر کی مقبولیت و انفرادیت تادم حیات باقی رہی اس لئے آپکی خطابت کی شیرینی و لطافت نے آپ کے معتقدین کو پھر آپ سے اصرار کرنے پر مجبور کر دیا۔ لہٰذا عوام و خواص کی خاطر داری و دل جوئی کے پیش نظر گاہے گاہے بیس منٹ، آدھ گھنٹہ خطاب فرمانے لگے۔ دریں اثنا بمبئی کی روایتی کانفرنس "شہید اعظم کانفرنس" کی تاریخ بھی آ گئی مولانا منصور علی خاں، اور مولانا مقصود علی خاں کی خواہش پر اس کانفرنس میں ۸ اگست ۱۹۹۰ء کو شہادت کے عنوان سے آپ نے ہزار ہا ہزار مجمع سے خطاب فرمایا۔ جس تقریر کے بارے میں لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت کی ایسی تقریر برسوں کے بعد سنی گئی۔ پورا مجمع کیف میں ڈوبا ہوا تھا کوئی سسکیاں بھر رہا تھا کوئی اپنے ہاتھ اور اپنے دامن سے آنسو پونچھ رہا تھا۔ لیکن کسے خبر تھی کہ ہمارا یہ خطیب ہم سے آخری اور الوداعی خطاب کر رہا ہے۔ ۴۰ منٹ تک نہایت کامیاب تقریر کرنے کے بعد آپ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے آفس تشریف لے گئے۔ رات تو گذر گئی۔ صبح کو طبیعت کا بگڑتا ہوا رنگ دیکھ کر آپ نے حافظ لعل محمد قادری سے فرمایا:

مجھے الہ آباد لے چلو۔ حکم کے بموجب حافظ صاحب ۹/ اگست کی شام کو حضرت کو لے کر الہ آباد کے لئے روانہ ہو گئے۔ ۱۰/ اگست ۱۹۹۰ء کے دن ۱۲/ بجے جب گاڑی اٹارسی پہونچنے والی تھی کہ اچانک بڑے شد و مد سے آپ پر فالج کا تیسرا اور آخری حملہ ہوا۔ آپ نے جب یہ محسوس کر لیا کہ اوراقِ حیات اب منتشر ہونے والے ہیں، زبان بھی بے قابو ہونے لگی، تو آپ نے حافظ صاحب سے چند باتیں بطور وصیت ارشاد فرمائیں۔

۱:- مجھے دار العلوم کے اسی حجرے میں دفن کیا جائے جہاں میں قیام کرتا تھا۔

۲:- نسیم رحمت کا تیسرا حصہ میرے سرہانے رکھ دینا۔

۳:- تم دار العلوم سے الگ مت ہونا۔ دار العلوم ٹوٹنے نہ پائے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کلمۂ طیبہ پڑھو۔ حافظ صاحب کلمۂ طیبہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے فرمایا درود پاک اور قرآن شریف پڑھو۔ حافظ صاحب حکم کے مطابق درود پاک اور سورہ یٰس شریف سمیت قرآن کی دوسری جتنی بھی سورتیں پڑھ سکتے تھے پڑھتے رہے۔ اب آپ کی نبضِ حیات تھمتی ہوئی نظر آنے لگی نظامِ تنفس بگڑتا گیا اور مکمل بیہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ حافظ صاحب موصوف کا بیان ہے کہ کلمۂ طیبہ یا درود پاک میں جب جب نام نامی اسمِ گرامی جناب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آتا تو حضرت انگوٹھا چومنے کے لئے اپنا ہاتھ اٹھاتے لیکن پوری طرح اٹھ نہیں پاتا تھا۔ ایک عاشقِ صادق کے عشق و وارفتگی کا تقاضا یہی ہے کہ جان جاتی رہے لیکن محبوب کی تعظیم و توقیر میں فرق نہ آنے پائے۔ حافظ صاحب کو حضرت کی اس تشویشناک حالت دیکھ کر کوئی چارۂ کار نظر نہیں آ رہا تھا اتنے میں گاڑی جبل پور اسٹیشن پر آ کر رکی۔ جہاں سے انھوں نے فون کے ذریعہ مولانا انوار احمد نظامی کو حضرت کی صورت حال سے مطلع کیا اور کہا کہ ہم حضرت کو لے کر ممبئی میل سے آ رہے ہیں۔

ادھر حضرت مولانا انوار احمد نظامی پورے دار العلوم اور احباب و اقربا کے ساتھ آبدیدہ ہو کر حضرت کے استقبال کے لئے الہ آباد اسٹیشن پہونچے اور حضرت اسی بے ہوشی کی حالت میں رات کے ۱۱ بجے الہ آباد پہونچے۔ مولانا انوار احمد نظامی نے بجائے گھر پہنچانے کے حضرت کو یہاں کے مشہور ہاسپٹل "پریتی ہاسپٹل" میں ایڈمٹ کیا۔ جہاں تین ماہ تک تحقیق و تشخیص ہوتی رہی۔ ڈاکٹروں نے ہوش میں لانے کی ممکنہ تمام ترکیبیں اپنائیں لیکن ساری ترکیبیں بے اثر ثابت ہوئیں۔ مولانا انوار احمد نظامی نے بے دریغ پیسے خرچ کئے بڑی منتیں کیں لیکن افاقہ کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ امیدیں دم توڑتی ہوئی نظر آنے لگیں علم و فضل کا یہ آفتاب آہستہ آہستہ گویا ہم سے اوجھل ہونے لگا۔

علامہ مفتی نظام الدین صاحب قبلہ کا بیان ہے کہ جب میں انھیں دیکھنے کے لئے "پریتی ہاسپٹل" گیا تو جو کچھ میں نے دیکھا وہ یہ تھا کہ وہ بے ہوش ہیں۔ کسی کو پہچان بھی نہیں سکتے تھے میں نے بہت آوازیں دیں کچھ کہہ تو نہیں سکتے تھے مگر کبھی کبھی آنکھ کھول دیتے تھے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر ان کے بچپن کا ایک نقشہ میرے سامنے گھوم گیا اور میں آبدیدہ ہو گیا۔ ان کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نعت یاد تھی جس کو میں ان سے بار بار سنا کرتا تھا۔ اس کا ایک مصرع میرے ذہن میں نقش کالحجر ہو گیا تھا۔ جو آج تک یاد ہے:

ع اے موت ذرا رک جا شاید کوئی آتا ہو

ان کی یہ حالت دیکھ کر مذکورہ مصرع میری آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگا اور اندازہ یہ ہوتا تھا کہ یہ اسی مصرع کی جیتی جاگتی تصویر دیکھ کر امید و بیم کے ماحول میں کبھی آنکھیں کھولتے اور انتظار کرتے اور مایوس ہو کر پھر بند کر لیتے ہیں ـــــ مرض کی یہ کیفیت تقریباً تین ماہ تک رہی افاقہ سے ناامید ہو کر باتفاق رائے گھر لائے گئے اور وہی علامہ مشتاق احمد نظامی جو زندگی بھر جید دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و آگہی کا سبق دیتے رہے ان کی عظمت کا جھنڈا بلند

بلند کرتے رہے اور جنکی ذات کی کرنیں ملک و ملت کو نصف صدی تک منور و مجلی کرتی رہیں اپنے لاکھوں چاہنے والوں کو چھوڑ کر اسی بے ہوشی کے عالم میں ۸ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ/ ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۰ء بروز دوشنبہ گیارہ بج کر ۲۴ منٹ پر جو بندہ یا بندہ کا مضمون مکمل پاکر واصل بحق ہو گئے۔

الاسترجاع ؏ عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا۔

؎ خون کے آنسو رلائے رحلت بطل جلیل
عصر حاضر پیش کر سکتا نہیں جس کا مثیل

کیفیت بعد وصال

حضرت مولانا انوار احمد صاحب نظامی نے راقم الحروف سے بیان فرمایا کہ میں حضرت خطیب مشرق کے وصال کے بعد آپ کے پہلو میں بیٹھا تھا کہ دو تین گھنٹے کے بعد کچھ اجنبی حضرات آئے جن سے میں نا آشنا تھا انھوں نے حضرت کا آخری دیدار کرنا چاہا اس وقت آپ کے جسد خاکی پہ معمولی سی ہلکی پتلی چادر پڑی تھی جب میں نے چہرہ سے چادر ہٹائی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ آپ کا چہرہ پسینے سے تر اور دمک رہا تھا پسینہ پوچھنے کے بعد پھر پسینہ آجاتا جبکہ یہ کیفیت نہیں ہونی چاہیے۔

یوں ہی یہ بات بھی تعجب خیز تھی کہ جس وقت آپ کو غسل دیا جا رہا تھا اس وقت آپ کا پورا جسم روئی کے گالے کی مانند ملائم تھا جس طرح اور جس طرف چاہتے موڑ لیتے جبکہ عموماً معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

تجہیز و تکفین کے بعد جب عورتوں نے آخری دیدار کی خواہش کی تو آپ کا چہرہ کھول دیا گیا عورتیں چہرہ دیکھ کر بے تحاشا رونے لگیں اس وقت یہ منظر دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ جیسے ہی عورتوں نے رونا شروع کیا آپکی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو گیا۔ اور اس وقت تک آنسوؤں کی دھار بندھی

رہی۔ جبتک عورتوں نے اپنی آہ و بکا بند نہ کرلیں۔ یہ منظر دیکھنے والوں میں مولانا خورشید انور بھی تھے۔

میرے خیال میں یہ ساری کیفیات حضرت خطیب مشرق علیہ الرحمۃ کے حسن عاقبت کی ایک تمہید اور آخرت کی سرخروئی کا گویا اہتمام ہیں۔ جنہیں اللہ تعالےٰ نے دنیا ہی میں ظاہر فرما دی ہیں۔ بہر حال پورا ملک اپنے محبوب رہنما کے وصال کی خبر پاکر آنسوؤں کا سیلاب بہا رہا تھا جب لوگوں نے آبدیدہ ہوکر آپ کے جنازہ کو اپنے کاندھوں پہ اٹھایا (جسمیں راقم الحروف ناصر انجم مصباحی بھی شامل تھا) تو صبر و شکیب کا دامن آپ کے چاہنے والوں کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس وقت یہ محسوس کر کے سبھوں نے سیلِ اشک بہا دیا کہ ؎

بارِ احباب جو اٹھاتا تھا
دوشِ احباب پہ سوار ہے آج

ملک کے سیاسی حالات اس وقت اچھے نہیں تھے کیونکہ ۲۹ اور ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۰ئہ کی تاریخ صرف بابری مسجد جس کا تنازعہ برسوں سے چلا آرہا ہے اسی کی فیصلہ کن تاریخ نہیں تھی بلکہ پورے ملک ہندوستان کے مستقبل کے لئے ایک آزمائش کی گھڑی تھی جس دن کچھ غیر سیکولر جماعتیں مثلاً بی جے پی، شیوسینا اور وشو ہندو پریشد نے گویا بابری مسجد کو منہدم کرنے کا عزم مصمم کرلیا تھا۔ ہر چہار جانب سراسیمگی کا عالم تھا۔ مواصلاتی نظام درہم برہم، اور آمد و رفت کی راہیں مسدود تھیں۔ ایسے میں پورا ملک اپنے عظیم رہنما کے آخری دیدار اور نماز جنازہ میں شرکت کے لئے بے تاب ہوکر رہ گیا۔ لیکن ایسے ناگفتہ بہ حالات میں جب کہ ۲۹ اکتوبر کی تاریخ کو کرفیو کا نفاذ بھی عمل میں آنا تھا اس کے باوجود آپ کے ہزاروں معتقدین و متوسلین اعزا و اقربا، خویش و احباب نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔

قاضئ شہر الہ آباد حضرت علامہ قاری مقبول حسین صاحب قبلہ حبیبی نے

دائرۂ شاہ اجمل کی مسجد کے قریب وسیع میدان میں نماز جنازہ پڑھائی۔ اور حضرت خطیب مشرق کی وصیت کے مطابق دار العلوم کے اسی حجرے میں تدفین عمل میں آئی جو آج آپ کی آخری آرامگاہ ہے۔ اس وقت گویا سبھوں کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ آج ایک عہد کی تاریخ ہمیشہ کے لئے دھندلکوں میں گم ہوگئی۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت کے وصال پہ کچھ تاریخی مادّے ملاحظہ فرمائیے جن سے بارگاہِ خداوندی میں ان کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے:۔

عزت مآب پاسبان ملت مشتاق احمد ۱۹ ء ۹۰	اسیر حبیب علامہ نظامی بمقصد رسید ۱۹ ء ۹۰
خطیب مشرق کوکب ایمان ۱۴ ھ ۱۱	خطیب مشرق کمال ہند ۱۴ ھ ۱۱
خطیب مشرق لعل بے بہا ۱۴ ھ ۱۱	خطیبِ مشرق طالبِ حق ۱۴ ھ ۱۱
خطیب مشرق نیک حسب ۱۴ ھ ۱۱	اسیر حبیب فیض نبی حبیب انجمن ۱۴ ھ ۱۱
پاسبان ملت ذی فہم ۱۴ ھ ۱۱	پاسبان ملّت سخن فہم ۱۴ ھ ۱۱
حضرت شیریں داں علامہ مشتاق احمد نظامی ۱۹ ء ۹۰	پاسبان ملت ہادی سنی جمعیۃ العلماء ۱۹ ء ۹۰
عالم بے بدل رہبر سنی جمعیۃ العلماء ۱۴ ھ ۱۱	حبیب بارگاہ روحانی مشتاق احمد ۱۴ ھ ۱۱

جامع فنون پاسبان ملت وادخلی جنتی　　　　واللہ پاسبان ملت داخل بہشت

۱۹　۶　۹۰　　　　۱۹　۶　۹۰

یا حق مرقد سیدی مشتاق احمد پر انوار کا سایہ

۱۹　۶　۹۰

استخراج مولانا منصور علی خاں سکریٹری سنی جمعیۃ العلماء، بمبئی۔

ورق تمام شد و قصہ ناتمام بماند
شب آخر آمد و صد گونہ گفتگو باقیست

ناچیز:۔ ناصر انجم مصباحی
استاذ دار العلوم غریب نواز۔ الہ آباد
فون: ۶۰۴۴۲۵

۱۰

خطیبِ مشرق
اربابِ علم و دانش کی نظر میں

جان کر منجملۂ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

خطیب مشرق حضرت علامہ نظامی علیہ الرحمۃ
والرضوان ملک وملت کی ایک ایسی معرکۃ الآرا
اور ہمہ جہت شخصیت کا نام ہے جس کے
علم وفضل، فکر ونظر کی بلند پروازی
زبان وقلم کی پختگی اور قومی وملی خدمات
کا اعتراف نہ صرف ملک کے ارباب
علم ودانش کو ہے بلکہ بیرون ملک بھی
حضرت علامہ نظامی کی عبقری شخصیت
مسلم ہے۔ چند تاثرات حاضر خدمت ہیں
جنھیں آپ ملاحظہ فرمائیں۔

عاجز وفقیر: **ناصر انجم مصباحی**
استاذ دار العلوم غریب نواز۔ الہ آباد
فون: ۶۰۴۴۲۵

حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان بریلی شریف

حضرت مولانا انوار احمد نظامی ناظم اعلیٰ دار العلوم غریب نواز الہ آباد (جنھیں حضور مفتیٔ اعظم ہند سے شرف بیعت حاصل ہے) نے خون کے آنسو کے کچھ مضامین پڑھ کر آپ کو سنائے، سنکر حضرت نے فرمایا :

"مشتاق نے اس کتاب کی ترتیب میں بڑی محنت اور کوشش کی ہے۔"

اور بے انتہا مسرور ہو کر مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا :

اس کو خون کے آنسو کہا جائے یا خوشی کے آنسو۔ اور اس کے بعد اپنی جیب خاص سے ۲۵ روپے دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس کو جلد دوم کی اشاعت میں میری طرف سے شامل کر لیا جائے۔ [۱]

حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کچھوچھہ شریف

نظامی کی تقریر سن کر مجھے اپنے بڑھاپے اور اپنی موت کا غم جاتا رہا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے بعد میرا مشن کمزور نہ ہوگا۔ [۲]

حضور مجاہد ملت علیہ الرحمۃ والرضوان اڑیسہ

بھیونڈی کے مناظرہ میں علامہ کی مناظرانہ گرفت اور حاضر جوابی سے خوش ہو کر آپ نے فرمایا :

"اگر میرے پاس ہیرے جواہرات ہوتے تو مولانا مشتاق کو ہیرے جواہرات سے وزن کر دیتا۔" [۳]

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

ہمارے مولانا مشتاق احمد نظامی دورِ حاضر کے مولانا ہدایت رسول لکھنوی ہیں۔ [۴]

---

[۱] خون کے آنسو دوم [۲] ماہنامہ پاسبان مئی جون ۱۹۶۲ء [۳] خطبات نظامی [۴] ماہنامہ حجاز جدید نومبر ۶۹ء

حضور شیر بیشۂ اہلسنت علیہ الرحمۃ والرضوان لکھنؤ۔

"میں مشتاق کو اولاد کی طرح عزیز رکھتا ہوں"۔ [1]

قوۃ عضدی المولانا مشتاق احمد نصرہ اللہ علی النفاق والشقاق

حضرت علامہ سبطین رضا خان صاحب قبلہ بریلی شریف۔

(کربلا کا مسافر)

اس میں شک نہیں کہ اس دورِ قحط الرجال میں مولانا کی ذات بسا غنیمت تھی تحریر و تقریر میں اپنے ہم عصر علماء میں ان کی انفرادیت مسلّم تھی نہ جانے کتنوں کو ان کے قلم نے قلم پکڑنا سکھایا اور وہ مصنف ہو گئے۔ اور نہ جانے کتنوں نے ان کا انداز اڑایا اور وہ مقرر بن گئے۔ وہ شہنشاہِ خطابت و خطیب مشرق تو تھے ہی میدانِ مناظرہ کے بھی ایک اچھے شہ سوار تھے اور ایسا کیوں نہ ہو تا کہ حضرت شیر بیشۂ سنت مناظر اعظم حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب کے تیار کردہ و تربیت یافتہ تھے۔ اعلیٰ حضرت امام اہلسنت اور حضرت مفتی اعظم ہند علیہما الرحمۃ والرضوان اور ان کے اہل خاندان سے انھیں قلبی لگاؤ تھا اور دلی محبت تھی۔

کہیں ملاقات ہوتی تو ہشاش بشاش چہرہ کے ساتھ ملتے نہ کہ چہرہ کا زاویہ بگاڑ کر اخلاص و محبت سے پیش آتے ان کے مزاج میں تواضع و انکساری بھی تھی اور ان تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کے باوجود انتہائی سادہ لوح انسان تھے۔ [2]

شارح بخاری نائب مفتی اعظم ہند مفتی شریف الحق امجدی۔ صدر دار الافتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور۔

علامہ مشتاق احمد نظامی اہلسنت کے ایک بے باک مناظر، ایک بے مثل خطیب ایک صاحب طرز انشا پرداز اور میدان تصنیف کے ایک لاجواب محقق تھے۔

علامہ نظامی کی دائمی مفارقت میرے لئے دو طرح سے انتہائی جانگسل ہے اول یہ کہ وہ مذہب اہلسنت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کے ایسے ترجمان تھے جو اپنی

[1] ماہنامہ پاسبان فروری ۱۹۵۹ء [2] تعزیتی مکتوب۔

نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ان کی وجہ سے ہزاروں بد مذہب راہ راست پر آئے۔ ہزاروں صلح کل متصلب سُنّی بنے اور کروڑوں اہلسنت ایقان واطمینان کی دولت سے مالامال ہوئے۔ ان کی آواز کی گھن گرج، لہجے کی شیرینی، طرز بیان کی دل نشینی، دلائل کی پختگی، ان کی تقریر سحر حلال کی طرح سننے والوں پر اثر پیدا کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ اخیر وقت تک ان کی تقریر کی دل کشی میں کمی نہیں پیدا ہوئی۔ افسوس کہ ملت ایک ایسے خطیب سے محروم ہوگئی۔ فالی اللہ المشتکی وھو المستعان

دوسرے یہ کہ مجھ بے مایہ نکمّے پر بہت زیادہ مہربان رہے۔ میری مصیبتوں میں میرے مونس وغم خوار نہیں کارساز رہے۔ [1]

ساحر البیان حضرت علامہ عبد المصطفیٰ صاحب قبلہ اعظم گڈھ

عزیز محترم جناب مولانا مشتاق احمد نظامی زید مجدکم

السلام علیکم!

"کربلا کا مسافر" اپنی پوری شان انفرادیت کے ساتھ نظر نواز ہوا۔ بلاشبہ دنیائے سنّیت کے لئے ۱۹۶۰ء کا بہترین علمی تبلیغی تحفہ ہے۔ میں آپ کی اس جد وجہد پر دل کی گہرائیوں سے ہدیہ مبارک پیش کرتا ہوں اور یقین فرمائیے کہ میری حقیر دعائیں اور نیک تمنائیں ہر دم ہر قدم پر آپکی رفیق و ہمدم ہیں۔ آپ کو مولیٰ تعالیٰ سعادت کونین سے سرفراز اور دولت دارین سے مالامال فرمائے۔ آمین۔ [2]

بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان صاحب اعظمی سابق صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ۔

مناظرہ سکروُلی کا تذکرہ فرماتے ہوئے بحر العلوم رقمطراز ہیں:

اس موقع پر مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی کی ایک غیر معمولی تمندی سعاد

---

[1] تعزیتی مکتوب۔ [2] پاسبان۔ مارچ ۱۹۶۰

بھی ناقابل فراموش ہے۔ تیسرے دن جب مخالفین کا کس بل نکل گیا اور وہ میدان مناظرہ سے اٹھ گئے تو میں نے حضرت مجاہد ملت سے اجازت چاہی۔ نظامی صاحب نے بھی رخصت چاہی۔ کام واقعی تمام تھا۔ ہم دونوں کو رخصت مل گئی۔ ہم لوگ تین میل پیدل چل کر اس طرح آئے کہ پورے راستے میں گھٹنوں گھٹنوں پانی بھرا تھا۔ اعضاء شل تھے اور جسم تھک کر چور تھا۔ مخالفین کو معلوم ہوا کہ علامہ نظامی تو چلے گئے۔ پھر کیا تھا شور مچا دیا کہ سنی مناظر بھاگ گئے۔ لوگ حضرت مجاہد ملت کے پاس آئے اور آپ نے فوراً واپسی کے لئے خط لکھا۔ ادھر ہم لوگ تھکے ماندے موٹر پر بیٹھے ادھر حضرت کا خط نظامی صاحب کو ملا۔ میں ان کی اس سعادت مندی کو داد دوں گا کہ معلوم ہوتے ہوئے بھی کہ اب عملاً ہماری وہاں ضرورت نہیں۔ صرف حضرت کے حکم پر الٹے قدم اسی طرح تین میل پیدل واپس ہوئے جیسے آئے تھے جبکہ میں تعمیلِ ارشاد نہ کر سکا۔ جو لوگ نظامی صاحب کی شخصیت سے واقف ہیں وہ اس اطاعت شعاری کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔ لہ

بقلم پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ سید شاہ عزیز احمد صاحب قبلہ سجادہ نشین خانقاہ ابوالعلائیہ چک الہ آباد۔

خطیب مشرق حضرت علامہ نظامی مرحوم و مغفور کی یاد آتے ہی آج بھی جذبات امنڈ پڑتے ہیں اور بے شمار یادوں کی دنیا میں تلاطم جاگ اٹھتے ہیں۔ ان کی شخصیت، فکر، دار و عمل اور مجاہدانہ زندگی کے کارنامے ان کی یادوں کو باقی رکھنے کے ضامن بن چکے ہیں۔ اللہ کے ایسے نیک بندے بہت کم پیدا ہوتے ہیں جس نے ساری زندگی بڑی ذمہ داری کے ساتھ تمام کی۔ اور جو لمحے لمحے کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے اسلامی کارناموں کا قلعہ تعمیر کیا۔ تعلیمات حق کے فروغ وارتقا اور عقیدہ و مسلک کے تحفظ و بقا کے لئے جتنے بھی نمایاں خدمات کے راستے ہو سکتے ہیں ان تمام راہوں پر چل کر موصوف نے دینی

لہ دیوبند کی خانہ تلاشی۔

خدمات کے فرائض انجام دیئے اور رہتی دنیا تک اپنے حق میں داد وتحسین اور دعائے خیر و مغفرت کے دروازے واکر گئے۔ ذنیلے دیکھا ہے کہ اغراض اور مقاصد کی تکمیل کے لئے کتنی بار سنگلاخ اور پرخار راہوں سے گذرنا پڑا ہے کبھی اپنوں نے تکلیف پہونچائی ہے تو کبھی غیروں نے روڑے اٹکانے کی کوشش کی مگر ایک سچے عاشقِ رسول کے پائے استقلال اور مجاہدانہ رفتار میں کبھی کوئی لوچ نہ آئی اور ہزاروں آفات و مصائب کی آندھیوں سے ٹکراتے ہوئے تحریک و منصوبہ کو تقویت پہنچاتے رہے۔ کامیابی و سرخروئی نے قدم قدم پر ان کا استقبال کیا اور صلۂ عظیم سے سرفراز کر کے دینی خدمت گذاروں کے باب میں نمایاں مقام حاصل کیا۔

وہ ایک سچے عاشقِ رسول تھے۔ توہین رسالت کرنے والوں کو آپ نے کبھی برداشت نہیں کیا تصنیف وتالیف، صحافت وخطابت کے ذریعہ ہر محاذ پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بلند کرتے ہوئے ردوہابیہ کا فریضہ انجام دیتے رہے اس موضوع پر علامہ کی بعض تحقیقی وعلمی تصانیف نے امت مرحومہ پر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ [1]

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری صاحب جمشید پور

اسمیں کوئی شک نہیں کہ مولانا ایک تہائی صدی سے اپنے مسلسل تبلیغی اسفار کے ذریعہ طول وعرض میں دین وسنیت کی جو عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں اس کے تابندہ نقوش اور لہکتے ہوئے آثار دینی اداروں مذہبی تنظیموں اور جیتی جاگتی مسلم آبادیوں کی صورت میں جگہ جگہ دیکھے جاسکتے ہیں لیکن الہ آباد کی سرزمین پر ان کے عشق واخلاص اور محبت و ایثار کا وہ نقش دیکھنے کی مجھے ایک عرصہ سے خواہش تھی جسے ملک کے طول وعرض میں دار العلوم غریب نواز کہتے ہیں [2]

---

[1] املانگار۔ ڈاکٹر سید شمیم گوہر۔ [2] نقل معائنہ۔

حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی مرکزی سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ۔

خطیبِ مشرق کی شخصیت نصف صدی تک ہندوستان کے افقِ سنیت پر چھائی رہی انھوں نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے نقطۂ نظر کو اپنی جادو بیانی سے عوام کے دلوں میں جاگزیں کیا۔ اور عشقِ مصطفےٰ کا سوز لاکھوں انسانوں کے دلوں میں برپا کر دیا۔ لہ

حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں کچھوچھہ شریف۔

"جماعت اسلامی کا شیش محل" خطیب الملت علامہ مشتاق احمد صاحب نظامی کا "خون کے آنسو" کے بعد دوسرا شاہکار ہے۔ سچ جانیے وقت کی قلت مانع ہوگئی ورنہ جی یہی چاہ رہا تھا کہ پوری کتاب پڑھ کر ہی اٹھوں پیش لفظ نے میرے اشتیاق کو اس قدر بڑھا دیا کہ اب میں سر سے پیر تک مشتاق نظر آرہا ہوں پیش لفظ ہی سے یہ اندازہ بآسانی لگ جاتا ہے کہ اس کتاب کا اندازہ کچھ ایسا ہے ع آنکھیں میری باقی ان کا۔ ؎۲

حضرت مولانا منشا تابش قصوری صاحب لاہور (پاکستان)

آپ سے اہلسنت وجماعت کی عظمت قائم تھی ناموسِ سنیت کے بہت بڑے محافظ تھے۔ پاسبان اور نہایت عمدہ تصانیف کے ذریعہ آفاقی سطح پر آپ نے تبلیغ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اپنی اثر آفریں تقاریر اور نورانی خطابات سے ایک عرصہ تک بھارت کے مسلمانوں کے ایمان و ایقان کی آبیاری فرمائی۔ میرے پاس الفاظ نہیں جن سے اپنے قلبی تاثرات بیان کرسکوں۔

اس دور میں مرحوم! اسلاف کا پیکر جمیل اور اخلاف کے لئے مینارۂ نور

لہ حجاز جدید دہلی جنوری فروری ۱۹۹۱ء ؎۲ جماعت اسلامی کا شیش محل۔

تھے۔ مشائخ کے ممدوح، علماء کے ممدوح، خطباء کے رہنما اور اہل قلم کے رہنما
تھے۔ مسلک کے محافظ، عقائد صادقہ کے پاسبان، اور عصر حاضر میں ایشیا کے
ناقابل تسخیر مناظر، جملہ اوصاف حمیدہ کے جامع، وہ عظیم قلمکار جو ہر سنی عالم و شیخ
کے وصال پر تڑپ تڑپ جاتے تھے۔ اور وارفتگی کے عالم میں پکار اٹھتے تھے۔

اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گل زار میں
جی میں کیا آیا کہ پابند نشیمن ہو گئیں

نہ جانے پابند نشیمن ہونا آپ نے کیسے گوارہ فرمایا۔ مجھے تو یوں
محسوس ہو رہا ہے کہ آپ آزاد ہو گئے۔ اور ہم پابند۔ رہا نشیمن کا تعلق!
تو وہ مقام جو آپ نے حاصل کیا اب اور کون کرے؟

علامہ نسیم بستوی مدظلہ العالی کے ایک مکتوب گرامی میں "دعوت فکر"
پر خطیب مشرق رحمۃ اللہ علیہ کی پسند کا اظہار تھا اس وقت دل میں آیا کہ حضرت
صاحب فراش ہیں صحتیابی پر احوال زندگی طلب کروں گا۔ اور پھر مضمون کی
شکل دی جائے گی۔ مگر ہائے افسوس

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

خون کے آنسو، نسیم رحمت، فردوس ادب، عقائد اہلسنت، کربلا کا
مسافر، ہند کے راجہ، جماعت اسلامی کا شیش محل اور پاسبان کے فائل میری
آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔ ایک ایک کو تصور میں پڑھا اور پڑھتا
چلا گیا۔ نہ معلوم! آج لذت کچھ سوا تھی! پھر ان تصورات کو عملی جامہ
پہنایا۔ اور فوراً کتاب، دیوبند کا نیا دین' ہاتھوں میں لی۔ ابتدائیہ دیکھا اور
دیکھتا ہی چلا گیا۔ ہر لفظ عجائبات کی دنیا لئے ہوئے تھا۔ حالانکہ یہی کتاب
جب پہلی بار میری نظر سے گذری تو میں نے اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی
یوں ہی ورق گردانی کی۔ اور یہ کہتے ہوئے چھوڑ دی کہ "خون کے آنسو" کے

بعد معاملہ ختم ۔ لیکن آج اس کتاب کے ابتدائیہ نے ۔ رونگٹے کھڑے کر دیئے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جن مشاق ہاتھوں نے ان الفاظ کی حسین صورتیں ۔ جواہرات کی کڑیاں پروئیں ۔ ان ہاتھوں کے مشتاق الفاظ بھی رو رہے ہیں اسی لئے تو میرے قلب وجگر آج بے حد متاثر کر رہے ہیں ۔ اس پر میری چھٹی حس فیصلہ دے رہی تھی ۔ کہ اہل علم وقلم جب اس دار فانی سے راہی بقا ہوئے ہیں توان کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک نقطہ، غم والم کا دائرہ بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصنف کی قدر وقیمت اس کی دنیوی زندگی میں اتنی نہیں ہوتی جتنی قید حیات سے آزادی پر۔

خطیب مشرق علیہ الرحمۃ ان خوش قسمت مصنفین کی صف میں ممتاز مقام رکھتے ہیں جنھیں ہر جگہ قدر ومنزلت حاصل رہی۔ [1]

حضرت مولانا بدر القادری مصباحی ہالینڈ۔

وہ شیر نیستاں سنیت، باطل شکن جرأت وہمت والا، بے باک جری اور بہادر، دور اندیش مصلح اور مفکر، اہل کید کی چالوں کو تاڑ جانے والا، وہ چیتے کی نظر اور شیر کی جرأت وبسالت والا، ایمان عقائد کے لئے، سیاست ومصلحت کو روند ڈالنے والا جو محبوب رب العٰلمین کی عزت وشوکت کے لئے تاحیات بے چین ومضطرب رہا۔

علامہ نظامی علیہ الرحمۃ ہمارے علمائے سلف کی بزم دوشیں کے محرم راز تھے ان کی رشحات قلوب واذہان کی طمانیت کا نسخۂ کیمیا تھے ۔ تقریر وخطابت کے تو بادشاہ تھے ۔ مولائے قدیر نے ان کو شیریں بیانی وقادر الکلامی جاذبیت علمی دسترس، اپنے مشن سے خلوص وعقیدت اور بالخصوص تفہیم کا ملکہ عطا فرمایا تھا ۔ باریک سے باریک مفہوم کو تمثیل کا جامہ پہنا کر سامعین کے قلوب میں اتار دینا

---

[1] تعزیتی مکتوب ۔

ان کا خاصہ تھا۔

علامہ موصوف کی متعدد تصانیف اور پاسبان کے اداریے ان کے قالب کی بے قرار روح کے آئینہ دار ہیں۔ ممکن ہے لوگ ان کی تقاریر کو فراموش کر جائیں مگر انھوں نے اپنے خوں بار قلم سے صفحۂ قرطاس پر جو کچھ رقم کر دیا ہے وہ اہل ذوق کو ان کا مشتاق رکھنے کے لئے ازبس ہے۔ ان کی زندگی کا تو لمحہ لمحہ محفوظ رکھنے کے لائق ہے۔ سنیت کے فروغ و استحکام میں رضوی پرچم تلے، محدث اعظم ہند کچھوچھوی، مفتی اعظم ہند، سید العلماء، حضور حافظ ملت، مجاہد ملت امین شریعت وغیرہم علیہم الرحمۃ کے ساتھ جو قافلہ رواں دواں تھا۔ علامہ نظامی اس کے بے باک نقیبوں میں شامل تھے جن کی خدمات کو بھلایا نہیں جا سکتا۔ یہ اکابر انھیں اور ان جیسے نگینوں کے قدر شناس تھے اور علامہ نظامی ان کے حق میں ان جیالے جواں مردوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ جو اشارۂ ابرو پر اعدائے اسلام سے برسر پیکار ہونا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔ [51]

حضرت مولانا غلام مصطفےٰ اکو ترراج شاہی پاکستان۔

عزیز گرامی وجاہت رسول ایم اے کی وساطت سے خون کے آنسو کی دونوں جلدیں مجھ تک پہونچیں۔ سحر نگاری کا یہ اثر ہوا کہ جب تک دونوں جلدیں ختم نہ ہوئیں دم نہ لیا۔ اظہار حقیقت کا یہ انداز عجیب نرالا ہے۔ ہر منصف مزاج آپ کی اس خدمت کو قدر کی نگاہ سے دیکھے گا۔ ہزاروں ناواقف واقف ہوں گے۔ ہزاروں گم کردۂ راہ، راہ نجات پائیں گے۔ [52]

حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری جامعہ نظامیہ لاہور۔

مولائے کریم جل مجدہ نے انھیں زبان و قلم پر پورا کنٹرول عطا فرمایا تھا

---

[51] حجاز جدید جنوری فروری ۱۹۹۱ء [52] پاسبان نومبر ۱۹۶۳ء

اسی لئے خطابت کا اسٹیج ہو، مناظرہ کا رن ہو یا تصنیف وصحافت کا میدان ہر جگہ وہ ممتاز اور نمایاں نظر آتے تھے۔ انھوں نے ماہنامہ پاسبان جاری کیا اور طویل عرصہ تک کامیابی سے چلاتے رہے سنی تبلیغی جماعت قائم کی۔ دار العلوم غریب نواز قائم کیا۔ ایک دنیا انھیں خون کے آنسو کے مؤلف کی حیثیت سے جانتی تھی۔ میدان مناظرہ میں بڑے بڑے جغادری مناظروں کو پچھاڑا اور تمام زندگی پرچم اسلام بلند کرنے اور سنیت کا پھریرا لہرانے کے بعد اپنے ربّ کریم کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ انھوں نے بڑی کامیاب اور مصروف زندگی گذاری۔ [1]

مولانا سید عبد الحق قادری چشتی علیہ الرحمۃ دھوراجی

بابو نظامی بمبئی سے دھوراجی تک میرے شریک سفر رہے سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ بابو مشتاق احمد نظامی نے تقریباً ڈھائی ہزار روپے سے زائد کی ایک قطعہ زمین جو وسط شہر الہ آباد میں ہے اس کو دار العلوم کے لئے وقف کر دیا ہے۔ میرے نظامی کئی کروڑ سنی مسلمانوں کے نمائندے ہیں! اب تک انھوں نے مناظرہ، تحریر و تقریر سے سنیت کی خدمات انجام دی ہیں۔ بابو نظامی نے اپنے مدرسے کا نام دار العلوم غریب نواز رکھ کر میرا دل جیت لیا ہے۔ یہ ان کا نہیں بلکہ میرا دار العلوم ہے۔ [2]

حضرت علامہ سبحان رضا خان قبلہ سجادہ نشین خانقاہ رضویہ بریلی شریف

چونکہ موصوف کی ذات اعلیٰ کردار کی حامل تھی اور بالخصوص دیوبندی وہابیہ کے لئے تو شمشیر برہنہ تھی جیسا کہ تصنیفات اور ان کی دیگر خدمات سے ظاہر ہے۔ حضرت علامہ نظامی صاحب قبلہ پوری ملت اسلامیہ کے لئے نمونۂ عمل تھے [3]

---

[1] تعزیتی مکتوب۔ [2] پاسبان ستمبر ۱۹۶۳ء [3] تعزیتی مکتوب۔

مولانا سید محمد ہاشمی میاں کچھوچھہ شریف

حضرت علامہ نظامی صاحب نوراللہ مرقدہ کی حیات وخدمات، ان کی بیکراں شخصیت، ان کی انفرادیت، اہلسنت وجماعت کے تشخص کی علامت تھی، ان کی زبان پر امام رضا کا خاموش قلم بولتا تھا۔ ان میں اور ہم میں فرق یہ ہے کہ ہم بولتے ہیں تو آپ جیسے لوگ سنتے ہیں لیکن جب وہ بولتے تھے تو مفتی اعظم محدث اعظم، حافظ ملت، مجاہد ملت، صدر العلماء، صدر الافاضل، صدر الشریعہ جیسے لوگ سنتے تھے۔ [1]

اور بقول الحاج حافظ لعل محمد قادری معتمد دار العلوم غریب نواز الہ آباد ضلع گونڈہ موضع اترولہ کے دو روزہ اجلاس میں پہلے روز تقریر کے بعد علامہ سید ہاشمی میاں نے عوام سے کہا کہ آج تو میں نے تقریر کی اور کل کے اجلاس میں وہ شخصیت تشریف لا رہی ہے جن کے لئے تقریر پیدا کی گئی اور جو تقریر کے لئے پیدا کی گئی۔

مولانا منصور علی خاں سکریٹری آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء بمبئی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خطیب مشرق ردوہابیہ کے میدان میں ہم سب کے امام ہیں انھوں نے انداز خطابت وطرز نگارش کو نیا اسلوب دیا ہے۔ مسلک اہلسنت کی ترجمانی کا انھیں کو حق ہے انھوں نے کتنوں کو خطیب بنا دیا ہے۔ ایک لمحہ کا ساتھ نہ تھا بلکہ مکمل ۲۵ سال کا رابطہ تھا ان کی شفقت ومحبت کرم فرمائی وذرہ نوازی ان کا احسان زندگی بھر رلائے گا۔

ع ان کی شفقت رلایا کرے گی مجھے۔ [2]

---

[1] حجاز جدید جنوری فروری سنہ ۱۹۹۱ء [2] پاسبان ۱۹۹۱ء وتعزیتی مکتوب۔

محب محترم مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجمؔ مصباحی جامعہ ہمدرد دہلی۔

جن دو جلیل القدر شخصیتوں کی تقریریں سننے کے لئے میں نے کسی زمانے میں شدِّ رحال کیا تھا ان میں سید العلماء حضرت مولانا سید آل مصطفیٰ مارہروی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسری نامی گرامی شخصیت حضرت پاسبانِ ملت علامہ نظامی صاحب کی تھی۔ اشرفیہ میں ہونے والی تقریر سنی بھی تھی اور سمجھی بھی تھی۔ اس فصاحت و بلاغت اور نکتہ آفرینی نے قریب سے مل کر بات کرنے کی مزید خواہش دل میں ڈال دی تھی ان کی باتوں میں گہرائی بھی تھی اور گیرائی بھی، بلاشبہ وہ پڑھے لکھے انسان تھے۔ سستی شہرت کے قائل نہیں تھے۔ کچھ کر دکھانے کو بہتر اور افضل سمجھتے تھے جب تک زندہ رہے زبان و قلم خدمت دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے وقف رہا۔ مال و دولت کا وافر حصہ قوم کے غریب و نادار طلبہ کی کفالت میں خرچ ہوتا تھا۔ زبان لسان العصر تھی، دین کی اہم باتوں کو روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والی چیزوں سے اس طرح مثال دے کر سمجھاتے کہ ادنیٰ درجے کا دماغ رکھنے والا انسان بھی آسانی سے سمجھ لیتا۔ ہاں اتنی بات ضرور تھی کہ ان کی تقریر کا لطف اسی وقت دوبالا ہوتا تھا جب وہ اپنوں میں بولتے۔ سنگلاخ زمین میں نہ تو تقریر کرنے کو بہتر سمجھتے اور نہ ہی اس کے لئے راضی ہوتے دورانِ تعلیم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی "مرکز تعلیمات اسلامی" کے زیرِ اہتمام مدعو کرنا چاہا۔ اس سلسلے میں الہ آباد حاضر ہو کر دولت کدے پر حاضری دی، مگر علامہ نے یہی فرمایا کہ وہاں کی زمین میرے لئے سازگار نہیں ہے۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ جرح و قدح کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

بہرحال فنِ خطابت کے کچھ ایسے اسرار و رموز سے انھیں واقفیت تھی کہ جس کے سبب مدتوں ان کی تقریر کا غلغلہ رہا۔ حوادثِ ایام سے ان کے اس فن پر ذرہ برابر بھی اثر نہ پڑا۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے

وہ یہ ہے کہ علامہ نظامی وہ واحد ذات تھی جن کی خطابت کا سکّہ تادمِ زیست چلتا رہا۔ نظامی صاحب عام علماء سے ہٹ کر جداگانہ طرزِ فکر کے مالک تھے۔ چھوٹوں کو ابھارنا با صلاحیت کی ہمت افزائی کرنا ان کے حسب صلاحیت نشو و نما کرنا ان کے معمولات میں شامل تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ ہر طبقہ میں مقبول تھے۔ چھوٹے بڑے سب ان کی عزت کرتے تھے اور علامہ اپنے تبسم ریز ہونٹوں سے سب کو اپنے قریب کر لیتے تھے ان کی شخصیت کو ہمہ گیر بنانے میں ان کے اس خلق حسن کا اہم کردار رہا ہے۔ [1]

جناب عبد الغنی مہاجر مدنی۔ مدینہ منورہ

"خون کے آنسو" حضرت قبلہ مولانا مولوی ضیاء الدین صاحب قادری نے اس حقیر کو بغرض مطالعہ عنایت کی۔ اکثر اس قسم کی کتابیں مولانا موصوف عنایت کیا کرتے ہیں مگر جو خوبی آپ کی مذکورہ بالا کتاب میں پائی گئی وہ کہیں دیکھنے میں نہیں آئی۔ جن حقائق کو آپ نے مخالف گروہ کی کتابوں کے حوالہ جات سے بیان اور ظاہر کیا۔ درحقیقت "ان کا جوتا ان کا سر" کے مصداق ہے۔ فی الحقیقت آپ نے عام مسلمانوں کے ساتھ بڑا احسان کیا ہے جن کو علماء سو اور قوم کے رہنماؤں نے "فٹ بال" بنا رکھا ہے۔ خدا کرے عوام مسلمان ان حقائق کو پڑھیں اور پھر سوچیں اور ہدایت پائیں۔ آپ نے جس قدر محنت اور وسیع مطالعہ کے بعد اس کتاب کو ترتیب دے کر حقائق کو بیان فرمایا ہے قابلِ تحسین و داد ہے۔ [2]

مولانا قاضی عبد السمیع قاضی شہر کانپور۔

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی ہماری جماعت کے خالص مذہبی و

[1] حجاز جدید مارچ اپریل ۱۹۹۱ء [2] خون کے آنسو دوم

دینی پیشوا و رہنما ہیں۔ آج تک انھوں نے سیاست حاضرہ سے اپنا دامن ملوّث نہیں کیا۔ ملک دوستی میں ان کے بیانات شائع ہوئے ہیں مگر وقت کی سیاسی سرگرمیوں میں انھوں نے کبھی بھی حصہ نہیں لیا۔ اس کی روشن دلیل یہ ہے کہ علامہ نظامی برسوں سے "آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء" بمبئی کے جنرل سکریٹری ہیں مگر موصوف نے کبھی کسی مسئلہ میں غیر آئینی احتجاج یا ایجی ٹیشن وغیرہ جیسی ہنگامی تحریک کے لئے جماعت کو استعمال نہیں کیا۔ ہم نے موصوف کو بہت قریب سے دیکھا ہے ان کے سینے میں اپنی جماعت کے لئے اک تڑپتا ہوا دل ہے۔ وہ ایک ساحر البیان مقرر ہی نہیں بلکہ مدرس، مناظر اور اپنے مخصوص طرز نگارش کے ایک ممتاز صاحب قلم ہیں۔ ۲۵، ۳۰ سال کی طویل مدت میں جو ادارے کام نہ کر سکے محض پانچ برس کے مختصر وقفہ میں علامہ نظامی نے الہ آباد جیسی سنگلاخ زمین میں دار العلوم غریب نواز کو باغ و بہار بن کر اپنے عزم راسخ کا عملی ثبوت دیدیا۔ ماہنامہ پاسبان الہ آباد کو رابطہ بنا کر اپنے زور قلم سے مسلسل اپنی سوتی ہوئی قوم کو جگاتے رہے۔ ماہنامہ پاسبان نے اپنے قارئین کے قلب و جگر پر جو نقوش چھوڑے ہیں وہ مٹنا تو درکنار ابھی دھندلے بھی نہیں ہوئے ہیں۔[1]

عالیجناب محمد عثمان عارف سابق گورنر اتر پردیش۔ عارف منزل بیکانیر۔

علامہ عالم و مبلغ دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے انسان تھے۔ ان کے وصال سے علمی دنیا میں جو خلا پیدا ہوا ہے پُر ہونا مشکل ہے۔[2]

مولانا سید اسرار الحق سابق ایم۔ پی و صدر آل انڈیا قومی ایکتا کمیٹی کوٹہ۔

ہندوستان کا بچہ بچہ مولانا مشتاق احمد نظامی سے متاثر ہے۔ مولانا مشتاق احمد نظامی مجھ سے بہت محبت فرمایا کرتے تھے وہ مکتبۂ بریلوی کے

---

[1] ماہنامہ پاسبان جنوری ۱۹۷۲ء [2] تعزیتی مکتوب۔

ہونہار سپوت ہی نہیں بلکہ تاریخ میں یاد رکھے جانے والے مولانا مشتاق احمد
نظامی طبقۂ اہلسنت میں فراموش نہیں کئے جاسکتے۔ مولانا کے ساتھ جب بھی شب
و روز گذارے گئے تو اپنی خدمات اور مذہبی تعلیم کا ایک نہ بھولنے والا وقت
گذرا۔ ہند و پاک کا کوئی بھی علاقہ ایسا نہیں تھا جہاں مولانا مشتاق احمد نظامی
کی خطابت کا سکہ نہ بیٹھا ہو۔ موصوف کی متعدد تصانیف آج بھی ہند و پاک
کے مدرسوں اور علمی مکتبۂ فکر کے لوگوں میں پڑھی اور یاد کی جاتی ہیں۔ دینی خدمات
کے سلسلے میں آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ اور سنی جمعیۃ العلماء نیز تبلیغ اہلسنت اور
جماعت رضائے مصطفےٰ کا کوئی ایسا اسٹیج نہ تھا جو مولانا کے دم قدم سے
پر رونق نہ رہا ہو۔ اور مولانا کا قائم کردہ دار العلوم غریب نواز ایک امانت ہے
مسلمان اسے زندہ رکھنے کے لئے بڑھ چڑھ کر اسمیں حصہ لیں۔ [۵۱]

علامہ محمد میاں کامل سہسرامی علیہ الرحمۃ ۔ بہار

خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی کی ذات گرامی اپنے
تنوع کے اعتبار سے ایسی ہمہ گیر ہے کہ ان کے معاصرین میں بحیثیت مجموعی کوئی
دوسری مثال نظر نہیں آتی ایک ہی وقت میں بے مثل خطیب، صاحب طرز انشا
پرداز، تحقیق بدوش منت، ایک چلتی پھرتی انجمن اور ایک متحرک درسگاہ ہیں
آج ملک کی نہ جانے کتنی درسگاہیں حضرت ممدوح کی جدوجہد کی رہین منت
ہیں۔ علامہ نظامی کی تحریک پر مسلمانان میسور نے شیر میسور کے جوار میں "جامعہ ٹیپو"
قائم کیا ہے۔
ہمیں یقین ہے کہ نظامی صاحب کی جرأت وحق گوئی اور ٹیپو شہید کی
تاریخی روایات جامعہ ٹیپو کا بنیادی مقصد تعلیم ہو گا۔ [۵۲]

---

[۵۱] ہفت روزہ نیشنل ایکتا دہلی دسمبر ۱۹۹۰ء [۵۲] پاسبان مئی ۱۹۷۹ء

مولانا عبید اللہ خان اعظمی ایم۔پی راجیہ سبھائی دہلی۔

مولانا مرحوم زندگی بھر مسلک کی اشاعت اور تحفظ مذہب کے لئے بے چین رہے ان کی خدمات اہلسنت کے لئے یادگار رہیں گی۔ [1]

علامہ مفتی عبد القدیر صاحب ناگپور۔

حضرت کی خدمات بالخصوص سنیت کی اشاعت پر زندگی لگا دینا اور تصنیف و تالیف اور تقریر، اور تعلیمی و اصلاحی اداروں کا قیام عمل میں لایا۔ یہ ساری خوبیاں صرف حضرت کی ذات میں موجود تھیں کسی دوسرے عالم میں نہیں یہ قدرت کی عطا تھی کہ جیسی آپ کی تقریر تھی اس سے بڑھ کر آپکی تحریر تھی۔ [2]

حضرت علامہ مفتی جلال الدین قادری براؤں شریف۔

مولانا مشتاق احمد نظامی کی ذات گرامی قابل صد ہزار تحسین ہے کہ انھوں نے باطل کی نقاب کشائی فرماکر احقاق حق کیا [3]

مولانا حکیم نقی خان ناظم جامعہ عربیہ انوار العلوم جین پور۔

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی کو میں برسوں سے جانتا ہوں اور ان کی چند در چند صلاحیتوں کا معترف ہوں لیکن اس کانفرنس نے ان کی بہت سی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کر دیا۔ ۲۰ ر اکتوبر سے ۲۴ ر اکتوبر تک شب میں تقریر کرنا اور دن میں بخار کی حالت میں تجاویز مرتب کرنا اور ایجنڈے کی ترتیب دینا وغیرہ وغیرہ یہ انھیں کا کام تھا سچ جانئے ۴ لاکھ سے زائد اجتماع پر کنٹرول کرنا کسی اور کے بس کی بات نہ تھی۔ ان کی ایک آواز پر سناٹا

---

[1] تعزیتی مکتوب [2] [3] خون کے آنسو دوم

چھا جاتا۔ سارے رضا کار حرکت میں آجاتے۔

۳۱ ر اکتوبر کو جب دفتر مجلس استقبالیہ میں آپ رضا کاروں کے قائد کو ہدایت دے رہے تھے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مدتوں رضا کاروں کی قیادت کر چکے ہیں میں یقین رکھتا ہوں کہ علامہ نظامی نے اس کانفرنس میں وہ رول ادا کیا جو صرف انھیں کا حصہ ہے۔ مختلف موڑ پر ان کی حکمت عملی کام آئی۔ اور انھوں نے حسن تدبیر سے ایسی خوشگوار فضا پیدا کر دی کہ جس کا یقین آج نہ سہی کل سبھی کو کرنا ہوگا۔ میں علامہ نظامی کو ایک بہت ہی کامیاب مقرر اور اہل قلم سمجھتا ہوں مگر کانفرنس میں ان کی گوناگوں صلاحیتوں کو دیکھنے کے بعد اب میں تنہا ان کو ایک جماعت سمجھتا ہوں۔ ؎۱

استاذی حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی سابق شیخ الادب الجامعۃ الاشرفیہ مدیر حجاز جدید دہلی۔

یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اہلسنت و جماعت کے خطبا و مقررین کا تقریر و خطابت کے میدان میں کوئی جواب نہیں لیکن میں نے جب شعور کی آنکھیں کھولیں تو سحبان الہند حضرت مولانا ابوالوفا فصیحی غازی پوری اور خطیب مشرق مولانا مشتاق احمد نظامی کو مذہبی اسٹیج کی دنیا میں آفتاب و ماہتاب پایا۔ ان کی تقریروں میں موجوں کا تلاطم بھی ہوتا اور آبشار کی روانی بھی، شیر کی گھن گرج بھی ہوتی اور بلبل کی چہچہاہٹ بھی۔ علم و فن کی روانی بھی ہوتی اور فکر و بصیرت کا ٹھہراؤ بھی، معنی آفرینی کا کمال بھی ہوتا اور الفاظ کا حسن انتخاب بھی، مدح و ستائش کے پھول بھی جھڑتے اور نقد و نظر کے تیر بھی چلتے جس سے محفل میں اک سماں بندھ جاتا اور سامعین و حاضرین ہمہ تن گوش ہو جاتے۔

حضرت مفتی عبد الرشید ناگپوری علیہ الرحمہ کی دعوت پر دس روزہ پروگرام میں مجھے بھی حضرت نظامی صاحب کی رفاقت میسر آئی تھی۔ جامعہ

؎۱ پاسبان نومبر دسمبر ۱۹۶۳ء

عربیہ ناگپور میں قیام تھا اور وہیں سے وہ جلسوں میں شریک ہو کر اپنی خطابت کا جوہر دکھاتے۔ خلق خدا آپ کی تقریر سننے کے لئے ٹوٹی پڑتی تھی۔

ہندوستان کے گوشے گوشے میں آپ کی خطابت کی دھوم تھی مگر نظام قدرت دیکھئے آخری وقت میں فالج کے شدید حملہ نے انھیں بے زبان بنا دیا بولتی ہوئی زبان خاموش ہو گئی، سکتہ کی کیفیت طاری ہو گئی۔

ع خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

جب اس کی رگوں میں خون زندگی رواں تھا جب اس کی نگاہ برق پاش کی کوئی تاب نہ لاسکتا تھا جب وہ اپنی ایک جست میں شکار کو دبوچ لیا کرتا تھا۔ اور اس کا فولادی پنجہ اپنے شکار کی گردن توڑ کر اس کے چیتھڑے اڑا دیا کرتا تھا۔ جب اس کی شوکت وحشمت کا ڈنکا بج رہا تھا اور جب اس کی ایک چنگھاڑ پورے جنگل کا سناٹا توڑ کر فلک پیما چوٹیوں سے ٹکرا جاتی تھی اور وحوش وطیور ہیبت ودبدبہ سے سہم اٹھتے تھے۔

ع ضیغم ڈکارتا ہوا نکلا کچھار سے

ہاں وہ شیر نیستانِ اہلسنت تھا۔ وہ میدانِ خطابت کا شہ سوار تھا۔ وہ بولتا تھا تو مرد مجاہد کا گرم خون اس کی رگوں میں برق تپاں بن جایا کرتا تھا۔ اس کے چہرے پر فاروقی عظمت وجلال کی لکیریں ہویدا ہو جاتی تھیں۔ اس کے ہاتھ ہوا میں اس طرح لہراتے کہ ضربت یداللّٰہی کا نقشہ چشم تصور کے سامنے پھر جاتا اور اس کے لہجے کی کاٹ ایسی تھی کہ ذوالفقار حیدری کا گمان ہونے لگتا۔

ع دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں[1]

---

[1] حجاز جدید۔ دہلی دسمبر ۱۹۹۰ء

جناب خورشید جان قریشی ہری نگر۔

یہ ہندوستان ہے! اس ملک میں موت کے بعد ہی کسی مخلص اور سرفروش سنّی عالم دین اور زبان وقلم کے بے تاج بادشاہ کے بارے میں جاننے کی کوشش کی جاتی ہے کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ ہمارے درمیان ایک نگینہ، ایک ہیرا اور موتی موجود ہے جو اپنی عالمانہ صلاحیت وقیادت، بلند خیالی اور اپنی بے باکی سے ذہنوں کو تازگی بخشتا ہے اور گم کردہ راہوں کو راہ دکھاتا ہے۔ موت کے بعد ہی لوگ جان پاتے ہیں کہ ہمارے درمیان ایک صاحب بصیرت، ایک صاحب دل، ایک صاحب دانش موجود تھا۔ بیشک علامہ نظامی صاحب ملکی سطح پر بیشتر حصّوں میں دینی سیاسی، سماجی خدمت کی بنیاد پر مقبول بن جانے کے واقعی مستحق تھے۔ ان کی خوبی یہ تھی کہ انھوں نے اپنی پوری عمر میں تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ قلمی خدمت کی لیکن قلم کا سودا نہیں کیا۔

حضرت پاسبان ملت شہرت ومقبولیت اور نام ونمود کے قائل نہ تھے جو ان کی عظمت ودیانت کی دلیل ہے وہ دین کے بارے میں دوٹوک بات کرتے تھے۔ ان کے دل میں جو بات ہوتی تھی وہی زبان پر آتی تھی۔ بستی نظام الدین دہلی کی تبلیغی جماعت کے مرکز کی طرف سے حنفی مسلک کے روپ میں نگر نگر کلمہ اور نماز کی آڑ میں عالمی سطح پر بدعقیدگی پھیلانے کے دفاع میں حضرت موصوف نے تقریباً ۱۳ سال قبل ان کے طرز عمل پر کل ہند سطح پر اہلسنت وجماعت کی ایک اصلاحی تحریک سنّی تبلیغی جماعت کی بنیاد ڈالی تھی۔ ملک میں جب بھی علمائے اہلسنت کے علم وادب کا ذکر ہوگا تو ان کی خدمات کو سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔ افسوس اس کا ہے کہ ہم نے قوم کے اس دردمند اور بلند پایہ مفکر کو کانفرنسوں اور اسٹیجوں پر صرف ایک مبلغ اور مناظر کی حیثیت سے متعارف کرایا۔

عصر حاضر میں اہلسنت کے علم دوست اور بے مثال عالم دین تھے۔ جو باریک بینی کے ساتھ حالات و واقعات کا مشاہدہ کرتے تھے۔ ؎۱

جناب شکیل بدایونی ممبئی۔

پاسبان الہ آباد کے مدیر محترم مولانا مشتاق احمد نظامی صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں کہ اس دور میں جبکہ مادیت کا عنصر ذہنوں پر چھایا ہوا ہے اور انسانیت ایک تاریک راہ سے گذر رہی ہے پاسبان نے روحانیت کی تبلیغ کر کے ہماری تہذیب کو بلند کرنے کی مہم جاری کر دی ہے۔ آج انسانیت کی تعمیر کرنے اور روحانیت کو نکھارنے کا سہرا یقینی طور پر پاسبان کے سر ہے۔ ؎۲

مولانا ظہیر الدین قادری۔ ایڈیٹر استقامت کانپور۔ یو۔ پی۔

علامہ نظامی کا شمار اکابر علماء میں تھا آپ اہلسنت وجماعت کے ایک عظیم قائد اور ایک ستون کی حیثیت رکھتے تھے۔ بہترین مناظر بے مثال مقرر، بہت سی کتابوں کے مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم صحافی تھے۔ علوم دینیہ میں آپ کسی محدث و مدرس سے کم نہ تھے۔ اردو ادب میں آپ کو بے پناہ مہارت حاصل تھی۔ دلائل و براہین میں آپ لاثانی تھے بحیثیت مجموعی آپ اپنی ذات سے مجمع الکمالات تھے۔ ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں آپ کے لئے محبت وعقیدت کے زبردست جذبات پائے جاتے ہیں۔ آپ کی شخصیت میں ایسی کشش تھی جو مقابل کو خود بخود ان کی پیروی و تابعداری پر مجبور کر دیتی تھی۔ ؎۳

؎۱ حجاز جدید دہلی۔ مارچ، اپریل ۱۹۹۱ء ؎۲ ماہنامہ پاسبان جولائی ۱۹۶۱ء
؎۳ تعزیتی مکتوب۔

علامہ مفتی اشفاق حسین صاحب نعیمی

مکہ مکرمہ سے جب مدینہ منورہ حاضر ہوا تو شیخ الاسلام حضرت مولانا ضیاء الدین مہاجر مدنی کی زیارت کا شرف حاصل ہوا میں نے دیکھا کہ ان کے سرہانے آپ کی تصنیف لطیف "خون کے آنسو" جلد اول رکھی ہے۔ درمیان گفتگو اس کتاب کے ساتھ متعدد بار آپ کا تذکرہ رہا۔ اور حضرت نے بے پناہ دعائیں آپ کو دیں اور مجھ سے تاکید فرمائی ہے کہ ہندوستان پہونچ کر "خون کے آنسو" حصہ دوم ضرور بھجوا دینا۔

میرے بھائی مجھے اس بات سے خوشی ہوئی کہ "خون کے آنسو" مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے علماء و مشائخ کے دلوں میں اپنا گھر بنا چکی ہے جس کی مقبولیت کی یہ بہت بڑی ضمانت ہے۔ [1]

مولانا شبیہ القادری پوکھریروی۔

کہو مشتاق احمد کو کہ آئیں اس کو پڑھنے کو

قصیدہ لکھ رہا ہوں ایک مدّاح محمدؐ کا

سند افتخار اکابر و اعاظم علامہ مشتاق احمد نظامی کی عہد آفریں ذات گرامی جن کی ہر ہر ادا سے کرشمۂ قدرت کا حسن جھلکتا ہے میں نے ان کی تحریر و تقریر اور علم و فن کے کرّ و فر کی سالہا سال کی عقیدت کی بنیاد پر کچھ لکھنے پڑھنے کی جرأت نہیں کی ہے بلکہ ان کو سنیت کی آبرو سمجھتے ہوئے نذرانۂ داد و تحسین کے لئے قلم کی روشنائی کاغذ پر ابل پڑی ہے

زباں کلک تو حافظ چہ شکر اں گوید

کہ تحفۂ سخنش می برند دست بدست

---

[1] پاسبان نومبر دسمبر ۱۹۶۳ء

ویسے تو ہمارے ناخدائے ملت بہت سارے ہیں لیکن خلوص کی رفعت جو علامہ نظامی صاحب میں ہے بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
اوروں کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

پاسبان کی تحریر بالخصوص "شذرات" کی تحریر نے اچھے اچھے ادیبوں سے خراج تحسین حاصل کیا۔ اور بہت سے لوگوں کو اس زمانے میں میں نے یہ کہتے سنا کہ "نظامی کی تحریر کی لذت سے ملذوذ ہو کر ابوالکلام آزاد کی لذت بھول گیا۔" ؎

کس کو یارا ہے کہ خورشید کے آگے چمکے
شمع گل ہوتی ہے سورج کی ضیا سے پہلے

میں "پاسبان" کے صفحات پر ان کے سوز دل کو سنیت کے لئے تحریری شکل میں شعلوں کی صورت اختیار کرتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ اور آرزو تھی کہ ان کی تقریر بھی سن لوں بفضل خدا ۱۹۵۹ء میں ایک مثالی جلسہ عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم پوکھر یرا مظفر پور میں جو میرا ابھی وطن مالوف ہے منعقد ہوا جس میں محدث اعظم حضور مجاہد ملت، علامہ نظامی، مفتی عبدالمنان مبارکپوری وغیرہم تشریف لائے۔ پاسبان کے ایڈیٹر کی حیثیت سے علامہ نظامی کے طائر وقار کا آشیانہ پہلے ہی سے میرے ذہن میں تھا جیسے ہی علامہ نظامی کی تقریر شروع ہوئی۔ میں جلسہ میں شریک ہو گیا چونکہ اسٹیج اکابر واعاظم سے پُر تھا۔ اسلئے سامنے فرش پر شوق سماعت کا مجسمہ بن کر بیٹھ گیا معلوم ایسا ہوتا تھا کہ زبان کا جادو ہے جو سارے مجمع کو مسحور کئے ہوا ہے اور جمال معنی کی برہم زلفیں ان کے فن کی مشاطگی کو داد دینے کے لئے بے چین ہو رہی ہیں اور الفاظ کے کام و دہن سے موتیوں کی شکل میں اہل ایمان کے لئے

لالہ کے جگر کی ٹھنڈک اور باطل کے ایوان کے لئے ایک دہکتا ہوا انگارہ پیدا کر رہے ہیں۔

علامہ نظامی نے سنیت کیلئے بہت کچھ دیا ہے۔ اپنے بعد اکثر علماء کو دیوبندیت کی تردید کا نیا اور مؤثر انداز عطا کیا ہے خواہ تحریر ہو یا تقریر یہ دونوں چیزیں ان کے در کی پہرہ دار ہیں اور ان کی فطری ہیں۔ ان کے کسب کو مطلقاً دخل نہیں ان کا قلم خود بخود مضمون اگلتا ہے اور ان کی زبان پر خود بخود الفاظ نکلنے کے لئے مچلتے ہیں۔ حضرت حافظ نے کیا خوب کہا ہے ۔

آب حیوانش ز منقار بلاغت می چکد

زاغ کلک او بنام ایزد چہ عالی مشرب است

علامہ نظامی اپنے اسلاف کی یادگار ہیں، علامہ نظامی اہلسنت کے سچے فدائی ہیں سنیت کے ایک جاں نثار سپاہی ہیں آشداء علی الکفار رحماء بینہم کی عملی تفسیر ہیں۔

باور ید گر ایں جا بود زباں دانے

غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

الفاظ و کلمات کی مرصع کاری، بیان و تعبیر کی رعنائی اور فکر و استدلال کی نکتہ سنجی، یہ سب سنیت کے لئے مؤثر انداز تردید ہیں۔ علامہ نظامی امام اہلسنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے مسلک کے سچے اور پاک باطن ترجمان ہیں۔ وہ دشمن رسول سے ہنس کر بات کرنا بھی ناموس عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین عظیم سمجھتے ہیں۔

میں نے انھیں بہت قریب سے دیکھا ہے وہ لاف زنی، اور ہوا بندی سے کوسوں دور رہتے ہیں ان کا مرکز فکر صرف سنت کا نمود ہے دوسرا کون ہے جو اپنے عشرت کدے سے لے کر محاذ جنگ تک صرف سنیت

ہی کی ترویج واشاعت اور دشمنوں کی مذمت و مدافعت کا نقشہ اور خاکہ تیار کرتا ہو۔ ؎

بلائے جاں ہے غالب اسکی ہر بات
عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا [1]

علامہ ضیاء جالوی پٹنہ

خطیب مشرق اپنی جماعت کے مقتدر عالم کی حیثیت سے معروف شخصیت ہیں آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء بمبئی کے پلیٹ فارم سے اور ماہنامہ پاسبان الہ آباد کے صفحات پر دین وملت کی جو خدمات انھوں نے انجام دی ہیں انھیں زندہ رکھنے کے لئے کافی نھیں۔ لیکن ایک عرشی خیال مفکر، ایک عطار درقم ادیب، ایک زہرہ نگار مصنف، اور ایک فلک وقار خطیب ہونے کی حیثیت سے انھوں نے جو مقام حاصل کیا ہے اسے ثریا کا عروج حاصل ہوا۔ اور یہیں سے ان کی عظمت شان اور جلالت قدر کا سراغ ملتا ہے۔

میری اپنی نگاہ میں حضرت موصوف ایک بالغ نظر اور بلند نگاہ مفکر ہیں، ایک متحرک اور فعال شخصیت ہیں۔ گرم سیر اور بلند گام ہیں تھکنا جانتے ہی نہیں۔ منزل پر پہنچ کر بھی آسودۂ منزل نہیں ہوتے۔ نبض شناس اور مزاج آشنا ہیں۔ ہواؤں کے رخ کو بھی پہچانتے ہیں اور وقت کے تیور کو بھی سمجھتے ہیں، بے غبار دل رکھتے ہیں، بے میل طبیعت پائی ہے، فطرت صلح پسند واقع ہوئی ہے۔ لیکن جب ان کے سامنے دینی صداقتوں کو جھٹلایا جاتا ہے تو بے نیام ہو جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ سے، بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ دینی خدمت کا جذبہ اتنا شدید ہے کہ تمام اقدار حیات کو مسلمان بنا دینا چاہتے ہیں لیکن اسلام ان کے نزدیک وہی معتبر ہے

[1] پاسبان نومبر ۱۹۸۹ء

جو بریلوی نقطۂ نگاہ رکھتا ہے اور جو صرف بریلوی مکتبۂ فکر ہی کی آغوش میں پلتا ہے۔ چنانچہ افعال و اعمال کے لئے بھی وہی پیمانے ان کے نزدیک معتبر ہیں جن پر بریلویت کی چھاپ ہے۔ فکر و نگاہ کے لئے بھی وہی زاویے قابل وثوق ہیں جن پر بریلی کی عینک چڑھی ہو۔ غرض ان کے نزدیک وہی سکہ رائج الوقت ہے جو بریلی اور صرف بریلی کی ٹکسال میں ڈھلتا ہو۔ اس بات میں اتنے سخت ہیں کہ بات بات پر محاسبہ کرتے ہیں حتی کہ احساسات و جذبات پر بھی محاسب مقرر کرتے ہیں اور فکر و نگاہ پر بھی پہرہ بٹھلاتے ہیں۔ ان کے نزدیک عقیدے کی صحت اور ایمان کی سلامتی مدار ایمان ہے۔ چنانچہ وہ اپنی تحریروں میں سارا زور قلم عقیدۂ ایمان ہی کی اصلاح کے لئے صرف کرتے ہیں۔ [1]

مولانا عبد القدوس سہرسہ

وہ چاہتے تھے کہ مسلم عوام میں احقاق حق اور ابطال باطل کا جذبہ پیدا ہو اور مسلمان حق و باطل کی صحیح معرفت حاصل کرکے معنون کے درمیان خط امتیاز کھینچ سکے۔ اور بزرگوں کے نقوش قدم پر چل کر سیرت مصطفٰے علیہ التحیۃ والثنا کے خوگر بن جائیں جو حقیقت میں صراط مستقیم ہے۔ ان کا ارادہ تھا کہ اہلسنت کے اداروں میں ایسی ٹھوس تعلیم دی جائے کہ ہر ادارہ کا ہر فارغ التحصیل علامہ نظامی بن جائے۔ اور بہت حد تک اپنے اس مشن میں کامیاب ہوئے۔ زندگی کے ہر لمحے میں قوم و ملت کے لئے بے چین و بے قرار رہے۔ [2]

مولانا سید مظہر ربانی مہتمم دار العلوم ربانیہ باندہ۔

موصوف ملک کے بے مثال خطیب، حاضر جواب مناظر سنیت کے

---

[1] قہر آسمانی۔
[2] تعزیتی مکتوب۔

عظیم مفکر اور نہایت درجہ بالغ نظر صحافی و مصنف بھی تھے۔ [51]

مولانا شاہد رضا صاحب نعیمی سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن شاخ برطانیہ۔

علامہ مشتاق احمد نظامی ہندوستان میں عصر حاضر کے تمام سنی مقررین کے پیش رو تھے انھوں نے فن خطابت اور فن تقریر کو مدارس اسلامیہ میں ایک پرکشش اور با مقصد منزل بنایا۔ اور علامہ نظامی کی محبوبیت اور مقبولیت کو دیکھ کر سیکڑوں علمار نے اس میدان کو اپنی دینی خدمات کو محور بنایا۔ وہ عقیدہ کے فلسفیانہ اسلوب کو محبت کی زبان دینے والے منفرد مبلغ تھے۔ نیز جماعتی زندگی میں پریس، رسائل اور صحافتی سرگرمیوں کے ذریعہ انھوں نے ایک ٹھوس اور مثبت فکر کی بنیاد ڈالی۔ [52]

مناظر اہلسنت مولانا غلام مصطفےٰ صاحب قبلہ بھاگلپوری۔

میں مولانا مشتاق نظامی کو اس وقت سے جانتا ہوں جبکہ ہم دونوں مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ کی درسگاہ میں پڑھتے تھے۔ میں ان سے سینئر جماعت میں تھا اپنی فراغت کے بعد موصوف کی تقریر کا شہرہ سنا مدتوں بعد جب ان کی تقریر سنی تو محو حیرت رہا۔

آج جبکہ "خون کے آنسو" دیکھی تو یہ فیصلہ نہ کرسکا کہ مولانا نظامی کو شاہکار قلم کہوں یا شاہکار خطابت سچ تو یہ ہے کہ وہ زبان و قلم دونوں کے بادشاہ ہیں۔ اب تو میں خون کے آنسو سے میدان مناظرہ میں بہت کام لیتا ہوں۔ [53]

جناب وجاہت رسول صاحب ایم اے اکنامکس مشرقی پاکستان۔

"خون کے آنسو" میں نے پڑھا۔ گھر بھر کو پڑھایا اور دوسروں کو

---

[51] اشرفیہ دسمبر جنوری ۱۹۹۱ء [52] حجاز جدید جنوری فروری ۱۹۹۱ء [53] خون کے آنسو دوم۔

بھی مطالعہ کے لئے دی۔ کتاب پڑھنے کے بعد بے ساختہ علامہ مشتاق احمد نظامی مدظلہ العالی کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں خطیب مشرق کی عمر دراز فرمائے اور خدمت اسلام اور تائید اہلسنت کی زیادہ سے زیادہ خدمت کا موقع عنایت فرمائے۔ [1]

باتیں وہی ہیں جو ہم لوگ سنتے آئے ہیں لیکن علامہ نے جس نئے طرز نگارش اور انوکھے انداز کی بنیاد رکھی ہے وہ قابل صد ستائش ہے اور مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کے لئے نمونۂ تقلید۔ تنقید و تردید کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ پر نہایت جامع اور دلچسپ ہے تصویر کے دونوں رخ کو اس خوبی سے اور ترتیب سے پیش کیا گیا ہے کہ اغیار کو بھی مجال انکار نہیں اور اس کے اوپر علامہ کا نوٹ کی شکل میں مخصوص اور انوکھے انداز میں تبصرہ! اور پھر چبھتے ہوئے نہایت ہی مناسب اور موزوں اشعار۔ کیا کہنا لطف ہی آجاتا ہے۔ غیروں کے دل و جگر میں یقیناً نشتر بن کر چبھتے ہوں گے! اور علامہ نے لمبی لمبی دستار و جبہ کے پیچھے چن کر یہ چہروں کی نقاب کشائی کی ہے یقیناً غیر بھی اسے دیکھ کر چیخ پڑے ہیں۔ انشاء اللہ یہ کتاب بہتوں کے لئے راہ ہدایت ثابت ہوگی۔ [1]

حضرت مولانا مفتی اختر حسین صاحب قادری۔ کوٹہ

ان کی ادائے دلنواز ہزاروں لاکھوں کو اپنی طرف مرکوز کئے ہوئے تھی۔ آنسو کے قطرات ان کی روح پر فتوح کو سلام کہتے ہیں۔ [2]

مولانا عبد المبین صاحب نعمانی سابق مدیر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

حضرت نظامی صاحب علیہ الرحمہ کی پوری حیات تبلیغ مسلک اہلسنت سے عبارت تھی۔ آپ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ملت کا درد رکھتے تھے حلاوت بیانی

---

[1] پاسبان نومبر دسمبر ۱۹۶۳ء [2] تعزیتی مکتوب

اور منطقی دلائل کی مرصع کاری آپ کی خطابت کا خاص عنصر تھی۔ [1]

مولانا قاری محمد اسماعیل مصباحی۔ ڈائرکٹر اردو سینٹر راچڈیل۔

ان کی بذلہ سنجی، شعر و ادب سے ان کا تعلق، دم گفتگو ان کی زیر لب مسکراہٹ اور تنظیم و جماعت کی اہمیت کے متعلق ان کا ایثار پسندانہ رویہ بڑا ہی پُر اثر ہوتا تھا۔ ان کی یاد برسوں ذہن کو منور کرتی رہے گی۔ [2]

حضرت سید محمد اکمل اجملی نائب سجادہ نشین دائرہ حضرت شاہ محمد اجمل الہ آباد۔

حضرت موصوف نے پاسبان ملت کے سالانہ فاتحہ میں حضرت پاسبان ملت کے سلسلے میں اپنے جن خیالات کا اظہار کیا وہ اپنی جگہ انوکھا اور پاسبان ملت کی حیات کا وہ اہم گوشہ تھا جس پر ان کے علاوہ کسی نے روشنی نہیں ڈالی۔ حضرت موصوف نے اپنی تقریر میں کہا کہ ایک میان میں جس طرح دو تلواریں نہیں رہتیں اسی طرح الہ آباد میں پاسبان ملت کی شہرت پر خانقاہ والوں کو بھی دل برداشتہ ہونا چاہیئے تھا مگر میں یہ دیکھتا ہوں کہ پاسبان ملت کا معاملہ ہی الگ تھا۔ مجھے تو ایسا گمان ہوتا ہے کہ اہل خانقاہ یہ سمجھتے تھے کہ پاسبان ملت ہمارا ہی پیغام نشر کر رہے ہیں۔ کسی خانقاہ سے کبھی ان کے خلاف کبھی کوئی آواز نہیں اٹھی۔ اور ہر خانقاہ نے ان کو اپنی خانقاہ کا نقیب سمجھا موصوف نے اپنی تقریر میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس طرح مارہرہ شریف نے دنیا کو احمد رضا عطا کیا اسی طرح الہ آباد کے ان دوائر اور خانقاہوں کے صاحبان سجادگان کی دعاؤں نے دنیا کو مشتاق احمد نظامی دیا۔ گویا وہ ان تمام بزرگوں کے خوابوں کی تعبیر تھے۔ مولانا موصوف نے ہمیشہ عشق رسول اور احترام سادات کا سبق دیا۔ دار العلوم ان کے خوابوں کی تعبیر ہے۔

---

[1] تعزیتی مکتوب۔ [2] حجاز جدید جنوری فروری ۱۹۹۱ء

میں ان کے تمام طلباء سے یہی خواہش رکھتا ہوں کہ وہ دار العلوم کی ترقی کیلئے کمر بستہ ہوں اور عشق رسول کی وہ مئے جو پاسبان ملت نے پلائی ہے اس کے نشہ میں ہمیشہ سرشار رہیں اور احترام سادات کا جو سبق پاسبان ملت نے پڑھایا ہے طلباء ہمیشہ اس راہ پر گامزن رہیں۔ یہی پاسبان ملت کی بارگاہ میں صحیح نذرانۂ عقیدت ہے۔

حضرت موصوف نے اپنی گفتگو میں ارشاد فرمایا کہ ان کے والد حضرت قطب اللہ الصمد مولانا شاہ سید احمد اجملی علیہ الرحمۃ والرضوان سجادہ نشیں دائرہ شاہ اجمل نے کبھی پاسبان ملت، خطیب مشرق یا مولانا مشتاق نظامی وغیرہ نہیں کہا ہمیشہ مشتاق فرماتے۔

اکثر میں نے سوچا کہ ایسا کیوں ہے لیکن جب میں نے اس کا تجزیہ کیا تو مجھے ایسا اندازہ ہوا کہ وہ بے حد محبت فرماتے ہیں اور لفظ مشتاق میں مجھے جو مزہ ملا وہ بیان سے باہر ہے۔ مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت سجادہ نشیں موصوف انھیں ایسے خوابوں کی تعبیر سمجھتے تھے ان کے خواب اور ان کی تحریک بھی عشق رسول تھی۔ اور پاسبان ملت بھی ساری زندگی عشق رسول کا درس دیتے رہے۔ یہی قدر مشترک تھی جس کے باعث اللہ کے یہ قطب پاسبان ملت سے اتنی محبت رکھتے تھے کہ ہمیشہ محبت سے مشتاق ہی کہا جس سے گویا شہد ٹپکتا تھا۔ ے

ہر دائرے نے سمجھا انھیں اپنا ہم نوا
عشق رسول نے تمھیں کیا کیا بنا دیا

ادیب شہیر مولانا نسیم بستوی صاحب

ع ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

میری نظر میں خطیب مشرق علامہ نظامی صاحب تقریر وخطابت ہی کے بادشاہ نہیں بلکہ اسلامی فکر کے حامل تحریر و انشاء کے بھی ایک ممتاز و منفرد تاجدار ہیں۔ آپ نے ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ کی روشنی میں اسلام وسنیت کی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس کی پوری دنیائے سنیت معترف ہے۔

بہت لوگ ہیں اور بہت لوگ آئیں گے لیکن ان میں خطیب مشرق جیسی تاریخ ساز شخصیت کسی کی نہ ہوگی۔ ہم لوگوں کو علامہ پر بہت ناز وفخر تھا اور وہ بھی اپنی بے پناہ عنایت وشفقت سے نوازتے تھے حضرت ایک عالی ظرف، وسیع النظر اور بہترین اخلاق وکردار کے پیکر تھے۔ اپنے بڑوں کا شایان شان ادب واحترام اور چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرنا یہ دونوں وصف آپ کی ذات میں حد کمال تک پایا جاتا تھا۔ مجھ جیسے کم علم، ناچیز کو آپ ہی نے "ادیب شہیر" کے خطاب سے نوازا تھا۔ آپ کے معاصرین میں کوئی آپ کا ہم پلہ نہیں تھا جس ماحول میں تشریف فرما ہوتے ان کی شان انفرادیت نمایاں معلوم ہوتی تھی ۱۹۵۵ء سے آج تک علامہ نظامی علیہ الرحمۃ کو جہاں بھی دیکھا ایک رنگ اور ایک ہی وضع میں دیکھا۔ [1]

برادر گرامی مولانا حافظ **فتح احمد بستوی مصباحی**

علامہ نظامی کاروان اہلسنت کے سپہ سالار تھے، تدریس، تحریر اور تقریر میں یگانۂ روزگار اور شعر وادب میں پر وقار تھے انھوں نے سنگلاخ وادیوں میں دین کے گلستاں کھلائے ان کی تبلیغی مساعی جمیلہ کا پورا ہندوستان رہین منت ہے۔ آپ کی خطابت کی گھن گرج سے باطل لرزہ براندام تھا۔ آپ کی خدمات کو ملت کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ آپ جلسوں

---

[1] تعزیتی مکتوب

کانفرنسوں اور مناظروں کی کامیابی کی ضمانت تھے شگفتہ شخصیت، دانشمندانہ ذہانت اور ملنسار طبیعت کے مالک تھے۔ انتہائی وسیع النظر اور احسن تقویم کے مظہر، زبان و قلم کے بادشاہ اور سکۂ رائج الوقت تھے خردہ نوازی، بزرگوں کا ادب اور مروت و رواداری میں تو آپ کی مثال نہیں۔ [۱]

جناب سید مختار اشرفی ایڈیٹر اسٹار ناسک۔

علامہ کو دنیا نے ایک مقرر ایک مناظر اور ایک شاعر کی حیثیت سے جانا مگر علامہ تو ایک آل ان آل تھے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۵۹ء میں مالیگاؤں آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی کانفرنس میں ہندوستان کے تمام علماء و اکابر شریک تھے حضور مفتی اعظم، حضرت سید العلماء، حضرت مفتی برہان الحق، حضرت سید نور اللہ حسنی، سید مختار اشرف، مجاہد ملت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ یہ ساری شخصیتیں اسٹیج پر موجود تھیں اور ایسے ہزاروں علماء کی موجودگی میں حضرت علامہ نظامی نے دو مرتبہ اس قدر جامع مانع اور اتنے بہترین انداز میں تقریر فرمائی کہ حضور محدث اعظم ہند اسی اسٹیج پر کیف و وجد میں ڈوب گئے اور اسی عالم وجد میں علامہ کو شہنشاہ خطابت کہہ کر نعرۂ تکبیر و نعرۂ رسالت کی صدائیں بلند فرمانے لگے۔ اور حضور مفتی اعظم ہند ہر لفظ پر سبحان اللہ، ماشاء اللہ کی مقدس صدائیں بلند فرماتے رہے۔ [۲]

مولانا محمد عاصم صاحب اعظمی ایم اے، ایل، ٹی، پی۔ ایچ۔ ڈی۔

علامہ نظامی عظیم مقرر، صاحب طرز ادیب و مصنف، قادر الکلام متکلم اور عظیم ملت کا شعور رکھنے والے مفکر تھے نصف صدی پر محیط آپ کے گوناگوں کارنامے تاریخ ملت کے زریں باب کی حیثیت سے تابندہ رہیں گے [۳]

---

[۱] تعزیتی مکتوب [۲] تعزیتی مکتوب۔

حضرت نہال مخدومی صاحب ۔ آندھرا پردیش

علامہ مشتاق نظامی صاحب قبلہ کے ارشادات کی سماعت کے لئے ہزاروں سامعین بہت دور دراز سے آئے ہوئے ہیں ہر اجلاس میں ایک ہجم غفیر رہتا ہے ۔ تل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی ۔ اجلاس کا سامعین پر تاثر کیا ہے کیا تحریر کروں جو بھی شرکت کرتا ہے اکتساب فیض سے خالی نہیں جاتا ہے ۔ بندہ بھی آندھرا پردیش ضلع کڑپہ نندپور کا باشندہ ہے ۔ حجاج کرام کو جہاز پر سوار کرنے کے لئے آیا تھا ۔ خوش قسمتی سے اجلاس میں شرکت کرنے کا موقع ملا اور آج تک مقیم ہوں ایسا سعادت افروز موقع پھر کہاں ملے ۔ بخدا علامہ کا بیان دل میں اتر جاتا ہے ۔ یقیناً علامہ خطیب مشرق ہیں ۔ [1]

نہال مخدومی ۔ ادارۃ المخدوم اے ، پی ۔

جناب ولی محمد صاحب گورجی بھڑوچ ۔ گجرات ۔

ہماری حقیر دعوت پر ایڈیٹر پاسبان مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی گجرات کے دورے پر تشریف لائے جو محض ایک ہفتے کا پروگرام تھا مگر کچھ نہ پوچھئے مولانا نظامی کی ہر دل عزیزی کا عالم ، ۱۷ اکتوبر سے ۱۶ نومبر تک مسلسل آپکی تقاریر کا سلسلہ جاری رہا ۔ پورے گجرات کی وہابیت بوکھلا گئی اور سنیوں میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی ۔ سورت ، بھڑوچ ، بھام ، انکلیشور ، لہارا ، بڑودہ ، ٹنکاری بندر ، جمبوسر ، پادرہ ، ولن ، وغیرہ میں آپکے روح پرور بیانات ہوئے ۔ آپکی تقریریں نوٹ کی جاتی تھیں ۔ پورے گجرات کو اس بات کا اعتراف ہے کہ مسلک اہلسنت کو دلائل اور قانون کی روشنی میں پیش کرنا اور دیوبندیوں کا سنجیدہ و متین رد کرنا یہ علامہ نظامی کا خاص

---

[1] ہفت روزہ تاجدار بمبئی ۲۸ دسمبر ۱۹۷۳ء

فن تقریر ہے۔ علامہ نظامی کے دورے کا خاص اثر یہ ہے کہ ہزاروں ایسے افراد جو بد مذہب تھے اب وہ متصلب و کٹر سنی ہو گئے اور سیکڑوں وہ لوگ جو مذبذب تھے وہ حلقۂ سنیت میں داخل ہو گئے۔ [1]

مولانا سید افضل حسین اجملی سجادہ نشین دائرۂ شاہ محمد اجمل الہ آباد

الہ آباد کے مائیہ ناز فرزند حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی کی خدمات اظہر من الشمس ہیں انھوں نے تدریس کے فرائض انجام دیئے تو تقاریر کے ذریعہ عشق رسول کا درس دیا اور بد عقیدہ مکتبۂ فکر کی گھناؤنی سازشوں کو بے نقاب کیا۔ بحیثیت مناظر ہر محاذ پر نبرد آزما ہوئے تو بحیثیت مصنف اپنی تصنیفات سے باطل عقیدہ والوں کی دارو گیر کی۔ دار العلوم غریب نواز کی بنیاد ڈال کر دیوبندی مکتبۂ فکر کی کوششوں کو ناکام کیا اور یہاں کی پرانی روایات کو برقرار رکھا اگر انھوں نے عشق رسول کو ایک تحریک کی شکل نہ دی ہوتی اور ناموس رسول پر حملہ کرنے والوں سے اعلان جنگ نہ کیا ہوتا تو دشمنان رسول اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر الہ آباد کو دیوبندی مکتبۂ فکر کا اہم مرکز بنا دیتے۔ [2]

فرض شناس سنیو!

بادل گرجے، بجلیاں تڑپیں، سب نے اپنا رخ بدل دیا مگر آفریں صد آفریں، اے فرض شناس سنیو! تم نے اپنا سمت سفر نہیں بدلا۔ مجھے تم سے یہی امید تھی اور اب دل گواہی دیتا ہے انشاء اللہ فتح تمہاری ہی ہوگی تمہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ حق کبھی ہارتا نہیں اگرچہ ایک دنیا نے میرے حسین رضی اللہ عنہ کو خون میں تر ابور دیکھا ہے مگر پھر بھی حق نگر دنیا نے جیت کا سہرا حسین ہی کے سر باندھا ہے، آج تم بھی یزیدیت کے نرغے میں ہو اور اقبال تمہیں در سے آواز دے رہا ہے، ؎ آگ ہے اولاد ابراہیم ہے نمرود ہے!! کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

میں تمہیں ثبات قدمی کی دعائیں دیتا ہوں میں بظاہر دور ہوں مگر میرا دل تم سے بہت قریب ہے۔ — نظامی

[1] پاسبان دسمبر ۱۹۶۰ء [2] تعزیتی مکتوب۔

رباعیات

بر وصال خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمۃ

غیروں کے رفیق، اپنوں کے حامی نہ رہے
سرچشمہ اوصاف گرامی نہ رہے
کیوں خون بہائیں نہ ہماری آنکھیں
علامہ مشتاق نظامی نہ رہے

اک نازشِ دوراں کا ہے ماتم ہر سو
اک صاحب عرفاں کا ہے ماتم ہر سو
پژمردہ ہیں گل، اشک فشاں ہیں بلبل
اک جانِ گلستاں کا ہے ماتم ہر سو

ہر گام پہ گرتوں کو اٹھائے گا کون!
بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھائے گا کون
اوجھل ہوئے آنکھوں سے خطیب مشرق
سوئی ہوئی ملت کو جگائے گا کون

برسائے گل و لالہ ہمہ وقت بہار
شبنم کے گہر کرتا رہے چرخ نثار
مشتاق نظامی ہوگئے واصل باللہ
معمور رہے نور سے حضرت کا مزار

نتیجۂ فکر: جناب علقمہ شبلی بی کام۔ بی ٹی کلکتہ